ماہنامہ
المرشد
CPL 15
دسمبر 2019
ربیع الثانی 1441ھ

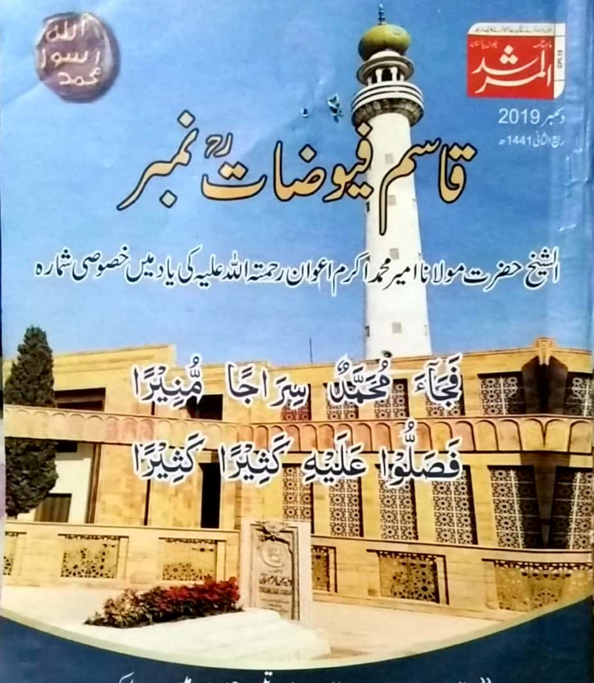

قاسم فیوضات رحؒ نمبر

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں خصوصی شمارہ

فَجَآءَ مُحَمَّدٌ سِرَاجًا مُّنِيرًا
فَصَلُّوا عَلَيْهِ كَثِيرًا كَثِيرًا

"عقیدت، ادب اور اطاعت ان تین چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہ ہو تو تصوف میں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا"

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ

تصوف

تصوف کیا ہے

اسلام میں تصوف کیا ہے؟ یہ سمجھنا ضروری ہے۔ تصوف، میرے نزدیک لفظ تزکیہ کا ترجمہ ہے جس سے مراد دل کی صفا ہے اور صفائے دل کا پہلا نتیجہ ہے کہ عقائد نتھر کر شفاف ہو جاتے ہیں۔ عظمتِ باری کا یقین، رسالت پر ایمان اور ضروریاتِ دین کے ساتھ پختہ تر ایمان نصیب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ترتیب قرآنِ کریم سے ظاہر ہے: يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ (آل عمران:164) کہ دعوت کے بعد پہلا کام جو قبول کرلے اس کا تزکیہ ہے اور اس کے بعد تعلیم کتاب وحکمت ہے۔ تو واضح ہے کہ بغیر تزکیہ کے بندہ کتاب وحکمت سے استفادہ کی اہلیت ہی نہیں پاتا اور اس درجہ یقین نصیب نہیں ہو سکتا جو اتباع اور اطاعت پر مجبور کردے اور نافرمانی سے روکنے کی طاقت رکھتا ہو، جو مطلوب ہے۔ (کنوزِ دل، ص:12)

''یاد رہے کہ یہاں سب کچھ جہاں ایمان وعمل کا متقاضی ہے وہاں شیخ کی توجہ کا محتاج ہے اور شیخ کامل کو یہ قوت اپنے مشائخ عالی کی وساطت سے قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ سے نصیب ہوتی ہے۔ یہی قوت اصلاحِ اعمال کا سبب بھی بنتی ہے۔''

(رموزِ دل، ص:18)

''یہ یاد رہے کہ سارا تصوف، سارا سلوک صرف اور صرف دل کی گہرائیوں سے اتباعِ شریعت کی توفیق حاصل کرنے کے لیے ہے۔'' (کنوزِ دل، ص:91)

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

دسمبر 2019ء... ربیع الثانی 1441ھ

جلد نمبر: 41

شمارہ نمبر: 04

مدیر اعلیٰ: الشیخ حضرت امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی

مدیر: محمد اجمل

نائب مدیر: محمد ادریس خان

معاون مدیرہ: آمنہ اکرم

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

انچارج ترسیل حسابات: چوہدری محمد اسلم

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش 1200 روپے

مشرق وسطیٰ کے ممالک 100 ریال

برطانیہ یورپ 35 سٹرلنگ پاؤنڈ

امریکہ 60 امریکن ڈالر

فار ایسٹ اور کینیڈا 60 امریکی ڈالر

سرکولیشن رابطہ آفس

ماہنامہ المرشد، 17 ادیبہ سوسائٹی روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور

Ph: 042-35180381, Cell: 0303-4409395,
Email: monthlyalmurshed@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

بیاد: قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	3	اداریہ	4
اقوال شیخ	7	حضرت جیؒ بحیثیت مترجم قرآن	8
حضرت جیؒ بحیثیت مفسر قرآن	16	حقیقی وکامل وارث	22
سیدی ومرشدی	30	حضرت جیؒ کے معاشی افکار	40
رفعت شیخ	46	نفسیاتی معالجوں کے معالج	52
میرے ابو	66	سیماب کے شعروں نے کئی رنگ بکھیرے	71
حضرت جیؒ کی علمی وعملی تعلیم	83	تم ہماری یاد میں	86
نور هو یسعی	90	حضرت جیؒ کی شخصیت کے چند پہلو	92
چند یادیں	97	الشیخ امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ	100
پیر ومرشد امیر محمد اکرم اعوانؒ	101	ولی کامل	103
الفلاح فاؤنڈیشن	105	تیری یاد	109
حضرت جیؒ سے میری پہلی ملاقات	111	صبح کا استعارہ (نظم)	113
ایک ہمہ جہت شخصیت	114	حضرت جیؒ کی یاد میں	116
میرے شفیق شیخ	121	یادیں ان کی خوشبو خوشبو	123
یادوں کے دریچے سے	124	بنام شیخ (نظم)	156
What a Great Shaikh	158	The Call of the Heart	160

ناشر: الشیخ حضرت عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی

انتخاب جدید پریس، لاہور 042-36309053

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال

ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org

Ph: 054-3562200, Fax: 054-3562198 Email: darulrfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

البقرہ: آیات نمبر: 123۔124

منازلِ قرب

نبوت اگر چہ شے وہی ہے مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں جس طرح اللہ کی ذات غیر محدود ہے اسی طرح اُس کے قرب کی منازل بھی غیر محدود ہیں اور اس ترقی کے لیے مجاہدات ضروری ہیں خواہ وہ اضطراری ہوں یا اختیاری۔ حتیٰ کہ خود نبی اکرم ﷺ کا مکہ کی مشکل ترین زندگی سے گزرنا، تبلیغ دین کے مختلف سفر، ہجرت، جہاد، سلطنت اسلامی کا قیام اور دندانِ مبارک کی قربانی سب اسی راہ کی منازل ہیں۔ اور ولایت جو شے ہے کسبی ہے اور بعض اوقات وہبی بھی نصیب ہوتی ہے اس کے لیے کیوں یہ تمام چیزیں شرط نہ ہوں گی۔ پھر جب منازل قرب غیر محدود ہیں تو یہ کہہ دینا کہ فلاں حضرت نے سلوک مکمل کر لیا ہے بہت مشکل ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس کی انتہا ابدالآباد نہ آئے گی۔ دنیا، برزخ اور جنت میں مسلسل ترقی کا نام سلوک ہے۔

خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام مراحل سے گزرے ہیں جس گھر میں اور جس آغوش میں آنکھ کھولی انہیں بت پرستی میں مبتلا پایا تو اللہ کی راہ میں چھوڑنا پڑا اپنے ماحول، برادری اور معاشرے کو ایسا ہی پایا تو سب کو خیر باد کہنا پڑا۔ حکومت وقت کو اس مرض کا مریض پایا تو اس سے ٹکرا گئے، آگ میں کُود گئے مگر پائے اثبات میں لغزش نہ آئی۔ وطن کو چھوڑنا پڑا تو کر گزرے۔ ضعیفی میں چاند سا بچہ عطا ہوا تو بیوی اور بچہ کو جنگل چھوڑنے کا ارشاد ہوا، تکمیل کی۔ حتیٰ کہ بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا، چھری چلا دی۔ فَاَتَمَّهُنَّ غرض تمام ارشادات کی مکمل اطاعت کی۔

یہ گویا ان کے زعم باطل کو رد فرمایا جا رہا ہے کہ خود کو ابراہیمی تو کہتے ہو مگر کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں ہے اور قبولِ حق کی جرات نہیں رکھتے۔ اللہ نے انہیں تو فرمایا کہ آپ کو انسانیت کا پیشوا بنا دوں گا یعنی وہ تمام کمالات جو بحیثیت انسان کوئی حاصل کر سکتا ہے اور وہ تمام راہیں جن پر کوئی انسان کامل چل سکتا ہے لہٰذا ان پر اپنے آگے آپ کے نقوش پا پائے گا۔ لِلنَّاسِ اِمَامًا امام سے مراد پیشرو یا موجودہ لغت میں لیڈر ہے۔

اداریہ

میرے حضرت جیؒ

لفظ" حضرت" یوں تو تعظیم کے طور پہ استعمال ہوتا آیا ہے لیکن تصوف کی رو سے دیکھا جائے تو اِس سے طالب کو مطلوب تک رسائی دینے والی ہستی مراد لی جاتی ہے۔ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اُس کی ذات نے مجھ جیسے گناہ گار کو یہ رشتہ قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ کے ساتھ عطا فرمایا۔ یہ کیسا عجیب رشتہ ہے کہ جو نازک تر بھی ہے اور مضبوط ترین بھی۔ محترم قارئینِ کرام! حضرت جیؒ کو ذاتِ باری کا جو خاص کرم اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کی جو خصوصی شفقت حاصل تھی اِس کا بیان محال ہے۔

اُن کے کرم کی بات نہ پوچھو اُن کا کرم پھر اُن کا کرم ہے

دنیا کے تکوینی امور میں اولیاء اللہ کا اپنا کردار ہے اور حضرت جیؒ بحمد للہ حیاتِ مبارکہ کے مختلف ادوار میں مختلف مناصب سے نوازے گئے۔ کافی عرصہ تک آپؒ قطب مدار کے منصب پہ فائز رہے۔ 1977ء میں غوث کا منصب عطا ہوا۔ اپنے شیخ کے وصال، 1984ء میں آپؒ قطبِ وحدت کے منصب پر تھے۔ پھر صدیق اور دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت آپؒ عبدیت جیسے منصب پہ فائز تھے جو مناصبِ ولایت میں سب سے بڑا منصب ہے۔

یہاں اگر میں اِن اوصاف کا تذکرہ بھی کروں جہاں تک ایک عام نگاہ بھی جا سکتی ہے تو بھی میرے اللہ نے اُنہیں نہایت خوبصورت بنایا۔ من جانبِ اللہ وہ انسانی خوبیوں کے دو ایسے متضاد پہلوؤں کے کمال پہ تھے جو اپنی اپنی جگہ لائقِ تحسین ہے۔ اُن میں بلند حوصلگی ایسی تھی کہ بڑے سے بڑے طوفان کے مقابل ڈٹ کے اُس کا رُخ موڑنے کی جرأت رکھتے تھے اور دوسری طرف احساسات میں نزاکت ایسی کہ کسی کی معمولی تکلیف بھی اِنہیں بے چین کر دیتی۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم دریاؤں کے دِل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

مزاج میں سختی ایسی کہ کوئی بات، کوئی چیز یا کوئی شخص اُنہیں اُن کے اصول وضوابط سے منحرف نہیں کر سکتا تھا اور نرمی ایسی کہ مظلوم کی آہ اُنہیں چشم تر کر دیتی۔ دراصل اُن کی سختی میں جبر نہ تھا اور نرمی میں بزدلی نہ تھی۔ وہ انسانی جذبات واحساسات کو اِس طرح سمجھتے تھے گویا مخاطب کو وہ خود اُس سے بڑھ کے جانتے ہوں۔ میں نے اُنہیں کسی کی تکلیف بیان کرتے ہوئے اکثر یوں بھی چشم نم دیکھا کہ اُنہیں بار ہا آنکھیں صاف کرنا پڑیں۔ اُنہیں کچھ زیادہ ناگوار گزرتا تو غصہ سے ڈانٹ دیتے لیکن شدید غصے میں وہ بالکل خاموش ہو جاتے۔ مزاج میں مروت ایسی تھی کہ بہت سی ناپسندیدہ باتیں نظر انداز کر جاتے لیکن دینِ حق کی بات ہوتی تو چھوٹے سے چھوٹے نقطے پہ بھی ٹوک دیتے۔ وہ ہر شخص کو اُس کی ذہنی سطح اور قلبی کیفیت کے مطابق سنتے، سمجھتے اور بات فرماتے۔ یہی چیز اُن کی تقریر میں بھی تھی اور تحریر میں بھی۔ اُن کی تقریر و تحریر میں یہ خوبی وحسن تھا کہ ایک عالم اُس سے اپنی ذہنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوتا اور ایک عام آدمی اپنی حیثیت کے مطابق سمجھتا۔ تعلیمی قابلیت کا تضاد ہو یا طبقاتی فرق، ذہنی استعداد کا اختلاف ہو یا روحانی پختگی کے مدارج، ہر شخص مستفید ہو رہا ہوتا۔

وہ انتہائی دانا اور نہایت سادہ دل تھے۔ انہوں نے فقیری میں شاہی کی اور شاہی میں فقیری۔ اُن کا رکھ رکھاؤ شاہانہ لیکن مزاج فقیرانہ تھا۔ اُن کے دسترخوان پہ اعلیٰ انواع کے کھانے چُن دیے جاتے وہ تو بھی خوش رہتے اور اگر پیاز اور لسی سے روٹی دے دی جاتی تو بھی

اداریہ

شادر ہتے۔ اپنی مشاہداتی قوت میں بھی وہ عجیب تضاد رکھتے تھے۔ مُخاطب کے لباس کا رنگ اُنہیں یاد نہ ہوتا لیکن اُس کے ظاہر و باطن کے عیب و ہنر اُن پہ خوب آشکارا ہوتے۔

کلامِ ذاتِ باری تعالیٰ میں اُن کی شرح صدر ایک کرامت تھی۔ اگر ایک ہی آیہ مبارکہ کی چار مرتبہ تشریح فرماتے تو چاروں دفعہ اُن کا بیان اِس آیہ مبارکہ کے چار پہلو کھول کے سامنے رکھ دیتا۔ اِسی لیے اُن کی تینوں تفاسیر اسرار التنزیل، اکرم التفاسیر، رب دیاں گلاں میں یکسانیت یا تکرار نہیں ملتی۔ اُن کا باطن ہی نہیں اُن کا ظاہر بھی حُسنِ بے مثال کا حامل تھا۔ قد، جسامت، رنگت، اعضاء و جوارح کا تناسب، ہاتھ پیر غرض وہ پورے کے پورے مجسم نمونہ حسن تھے۔ ہاں ایک چیز ایسی تھی جس کی تاب لانا ہر کس و ناکس کے لیے محال تھا اور وہ تھی اُن کی نگاہ! کسی میں اُن سے نظر ملا کر بات کرنے کا یارا نہ تھا۔

قارئین کرام! الحمدللہ! میری حیات میں بہت سے عزیز از جان چہرے ہیں لیکن فقط ایک ہی چہرہ تھا جو خود میرے لیے جینے کا جواز تھا۔ میری صبح، میری شام اُسی رُخِ انور سے طلوع و غروب ہوتی تھی۔ میری نگاہ اُن کے اشارہ ابرو کی منتظر رہتی اور اُن کی ہر رضا میرے لیے مقصودِ حیات تھی۔ میری زندگی کا ہر فیصلہ اُن کی اجازت بلکہ اُن کی خوشی پہ منحصر ہوتا۔ ہر کوشش، ہر جہد اور ہر کام اُن کی خاطر تھا۔ اُن ہی کے لیے تھا۔ گویا میرا ہونا، اُن کے ہونے سے مشروط تھا۔ میں، میں نہیں رہا تھا، آپ ہو چکا تھا۔ اور آج۔۔۔ اُن کے پردہ فرمانے پہ زندگی کا جواز وہی امانت ہے جس کا بار وہ میرے سپرد فرما گئے ہیں۔ ورنہ میری زندگی کا اعلیٰ ترین دور گزر گیا۔ اِس ثانوی دور کی اہمیت بھی فقط اُن کے حکم کی تعمیل کی طلب کے دم سے ہے۔ آج بھی میری تمام تر کوششیں اِس عظیم امانت کا نہایت احسن طریقے سے قرض لوٹانے کے لیے ہیں۔ اللہ کریم مجھے اِس میں سرخرو فرمائیں۔ آمین۔۔۔۔۔ سلسلہ عالیہ کے احباب عزیز تو پہلے بھی تھے مگر اب عزیز تر ہیں کہ میرے حضرت جیؒ کی امانت ہیں۔ سلسلہ عالیہ کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار تو میں کل بھی تھا مگر آج یہ جذبہ شدید تر ہے کہ میرے حضرت جیؒ کی امانت ہے۔ یہ شب و روز کی ریاضتیں، اہمیت تو کل بھی رکھتی تھیں مگر اب تو میرا مقصدِ حیات ہیں کہ میرے حضرت جیؒ جو ذمہ داری سونپ گئے ہیں اُسے نبھانا ہی نہیں، احسن طریقے سے نبھانا ہے۔ گویا میری زندگی کا محور پہلے بھی اور آج بھی وہی ہے میرے حضرت جیؒ!!

حیف در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شُد
روئے گُل سیر ندیدیم و بہار آخر شُد

الشیخ امیر عبدالقدیر اعوان (مدظلہ العالی)
سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابو ایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ قاسم فیوضات حضرت امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہٗ مَن وخاتمہٗ حضرت

امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ

مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ شاعر بھی تھے، ان کے دو تخلص تھے سیماب اور فقیر۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں:

- گرد سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- دل دروازہ
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدۂ تر

نعت

نام محمد روشن روشن نور کا اک مینارہ ہے
ذات اپنی کے مظہر کو اس ذات نے خوب سنوارا ہے

ہے مخلوق نہیں شک اس میں لیکن وہ یکتا بھی ہے
دو عالم میں سب سے بڑھ کر اپنے رب کو پیارا ہے

حامد ہے، محمود بھی ہے اور محب محبوب بھی ہے
یٰسین، طٰہٰ، نور، مزمل ذکر انھیں کا سارا ہے

کفر و شرک کی تاریکی میں سارا عالم ڈوبا تھا
نور قرآں آپؐ ہی لائے جس نے اسے اُبھارا ہے

قہر و جبر کی سخت چٹانیں بوجھ بنی نہیں انساں پر
آپؐ نے انسانوں کے سر سے ظلم کا بوجھ اُتارا ہے

(حمد و نعت سے ماخوذ)

فرموداتِ قاسمِ فیوضات حضرت امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

1- اسلام میں مساوات کا اصول یہ ہے کہ جس کے جتنے فرائض اتنے اس کے حقوق ہیں۔

(اکرم التفاسیر، جلد:25)

3- تصوف دین کی اصل اور اساس ہے۔ (المرشد، نومبر 2012ء ص:10)

3- اہل اللہ ہمیشہ نیکی کی طرف ہی بلاتے ہیں لیکن دنیادار ان کے پاس بھی دنیا کی اغراض سے ہی جاتے ہیں۔

(اکرم التفاسیر، جلد:29، ص:33)

4- انسان جب اللہ کو بھولنے لگتا ہے تو اس کا سب سے بڑا سبب اس کی خواہش نفس بنتی ہے۔

(اکرم التفاسیر، جلد:1، ص:121)

5- تصوف کا حاصل فنائے ذات ہے جو علومِ ظاہریہ کی ضد ہے۔ (نقوش، ص:301)

6- اللہ کی عظمت کو یہی زیبا ہے کہ جو اس کے در پر آجائے وہ خالی نہ جائے لیکن آئے صدق دل سے۔''

(اکرم التفاسیر، جلد:25، ص:63)

7- یاد رکھو! دنیا انجام نہیں ہے، یہ حیاتِ ابدی کا آغاز ہے۔ دنیا نتیجہ نہیں ہے، دنیا عمل کا مقام ہے۔

(اکرم التفاسیر، جلد:5، ص:258)

8- اسلام سے باہر بہت فرقے ہیں مگر اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے، اسلام ایک ہے۔

(اکرم التفاسیر، جلد:13، ص:144)

9- اتباعِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حصولِ کرمِ الٰہی کی کوئی دوسری راہ نہیں۔ (اکرم التفاسیر، جلد:12، ص:67)

10- ہر وہ مسلمان جو ایثار و عمل سے کوئی سُستی قریب نہ آنے دے، ایک درجے میں شہید بھی ہے اور صدیق بھی۔

(اسرار التنزیل، جلد:6، ص:57)

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ بحیثیت مترجم قرآن

ڈاکٹر آصفہ اکرم (Ph.D) دارالعرفان

اللہ کریم نے قاسم فیوضات الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کو مترجم قرآن ہونے کی سعادت سے بہرہ مند فرمایا۔

؎ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپؒ کا تحریر کردہ ترجمۂ قرآن 'اکرم التراجم' کے خوبصورت نام سے موسوم ہے۔قبل ازیں کہ اس ترجمہ کے محاسن وکمالات کا ایک جائزہ پیش کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کے آغاز میں صاحبِ ترجمہ کا ایک مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ملک کے معروف اور جید علماء میں ہوتا تھا۔آپ مفسر قرآن، سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ اور تنظیم الاخوان کے امیر کی حیثیت سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

۳۱ دسمبر ۱۹۳۴ء کو ایک عظیم علمی وعسکری خاندان میں آپؒ کی پیدائش ہوئی۔علوم مروجہ کی تحصیل کے بعد آپؒ تصوف وسلوک کی طرف مائل ہوئے اور ۱۹۵۸ء میں قلزمِ فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے خصائص گوناگوں سے متاثر ہو کر آپؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

آپؒ حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے سفر وحضر کے ساتھی تھے۔آپؒ نے اعلیٰ حضرتؒ کے گرد اگرد فرداً فرداً حاضر ہونے والے احباب کو اکٹھا کر کے ایک جماعت کی شکل دی اور اسے منظم ومرتب کرنے میں کلیدی حیثیت کا حامل کردار ادا کیا۔اعلیٰ حضرتؒ آپؒ کو اپنی جماعت کا جرنیل قرار دیتے۔

۱۹۸۲ء میں اعلیٰ حضرتؒ نے آپؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۹۸۴ء میں اعلیٰ حضرتؒ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپؒ نے بندگانِ الٰہی کو معرفتِ حق کی نعمتِ عظمیٰ سے آشنا کرنے کے لیے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی باگ ڈور سنبھالی۔۱۹۸۷ء میں آپؒ کے زیرِ نگرانی ''صقارہ نظامِ تعلیم'' کا قیام عمل میں آیا جو دینی اور جدید علوم کا ایک حسین امتزاج ہے۔اس نظام کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ ان اداروں سے فارغ ہونے والے گریجویٹ اسلامی اور جدید علوم سے آراستہ، دیانتدار اور اعلیٰ صلاحیت کے حامل انسان ہوں جو زندگی کے جس بھی شعبہ میں کام کریں اپنے اسلامی کردار، محنت اور تکنیکی مہارت کے باعث ممتاز نظر آئیں۔آپؒ کی ذاتی توجہ اور دلچسپی سے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا شعبہ نشرواشاعت بھی قائم ہوا جو لاتعداد علمی وادبی کتب کی اشاعت کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔۱۹۸۸ء میں آپؒ کی سرپرستی میں ''الفلاح فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک فلاحی تنظیم قائم کی گئی جو پورے ملک میں بالعموم اور شمالی علاقہ جات میں بالخصوص رفاہِ عام کی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔۱۹۹۳ء میں آپؒ نے وطنِ عزیز کے استحکام اور اس پر نظامِ اسلام کے احیاء کے لیے ''تنظیم الاخوان'' کی بنیاد رکھی جبکہ خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک تنظیم ''الاخوات'' کے نام سے تشکیل فرمائی۔۲۰۱۳ء میں آپؒ کے زیر

نگرانی ایک شعبہ ''دارالحفاظ'' کے نام سے قائم ہوا جو ہر قسم کی گروہ بندی سے پاک ماحول میں قرآن کریم کے حفظ وناظرہ کی سہولت فراہم کررہا ہے نیز آپؒ نے اپنے ذاتی خرچ سے متعدد مساجد بھی تعمیر فرمائیں۔

آپؒ نے تبلیغ دین کی خاطر نہ صرف ملک بھر میں بلکہ بیرونی ممالک کے بھی بے شمار دورے فرمائے اور اس غرض سے امریکہ سے جاپان اور افریقہ سے سائبیریا تک کا سفر اختیار کیا۔ان اسفارِ مبارکہ میں آپؒ نے مختلف قومی اور بین الاقوامی اداروں کا دورہ فرمایا جن میں سٹاف کالج (کوئٹہ) سے لے کر ناسا تک کے ادارے شامل ہیں۔اس وقت آپؒ کے متوسلین کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر چکی ہے۔جن کی تعلیم وتربیت کے کٹھن فریضہ کی ادائیگی میں آپؒ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے قیمتی ترین لمحات وقف فرما رکھے تھے۔

الغرض آپؒ نے شب وروز کی انتھک محنت سے اپنے شیخ حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ مشن کو جس حُسن وخوبی سے سرانجام دیا وہ تاریخ وفا کا ایک روشن باب ہے۔

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ؒ آپؒ کی کثیر الجہات خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں:

''مولاناؒ نے اپنے شیخ کے مشن کو جاری ہی نہیں رکھا بلکہ اس میں انفرادیت سے ترقی کر کے اجتماعیت کی روح بھی پھونک دی۔''

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ تصنیف و تالیف کا بہت اچھا ملکہ رکھتے تھے۔اسرار التنزیل کے نام سے ۶ جلدوں میں لکھی گئی آپؒ کی تفسیر ایک منفرد وممتاز مقام کی حامل ہے۔جس میں آپؒ نے دقیق علمی مسائل کو عوام الناس کی سہولت کی خاطر نہایت سادہ اور سلیس زبان میں قلمبند کردیا ہے۔یہ تفسیر وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ [القمر ۱۷:۵۴] کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔علاوہ ازیں آپؒ کی دوسری تفسیر ''اکرم التفاسیر'' جو بیانیہ تفسیر کا شاہکار ہے، نیز تیسری پنجابی تفسیر ''رب دیاں گلاں'' بھی منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

مذکورہ تصانیف کے علاوہ غبار راہ، ارشاد السالکین، دیار حبیب ﷺ میں چند روز، نور و بشر کی حقیقت، تعلیمات و برکاتِ نبوت ﷺ، کنز الطالبین، طریق نسبت اویسیہ، محافل شیخ، خطبات امیر، رموزِ دل، کنوزِ دل، نقوشِ حق، عصرِ حاضر کا امام، راہی کرب وبلا اور حضرت امیر معاویہؓ آپؒ کی قابلِ قدر تصانیف ہیں۔آپؒ نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب 'مسائل السلوک من کلام ملک الملوک' اور اپنے عظیم المرتبت شیخ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کی معرکۃ الآراء تصنیف 'دلائل السلوک' کی شرح بھی فرمائی ہے۔

آپؒ ایک برجستہ گو شاعر کی حیثیت سے بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔آپؒ ''سیماب اویسی'' کے تخلص سے اردو، پنجابی اور سرائیکی میں مشقِ سخن فرماتے۔آپؒ کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔جن میں حمد ونعت، گردِ سفر، نشان منزل، متاعِ فقیر، آس جزیرہ، دیدہ تر، کون سی ایسی بات ہوئی ہے، دل دروازہ اور سوچ سمندر شامل ہیں۔آپؒ شعبۂ صحافت میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ حالاتِ حاضرہ پر آپؒ کے بے لاگ تبصرے نیز دینی واصلاحی موضوعات پر آپؒ کے مضامین مختلف اخبارات وجرائد کی زینت بنتے رہے ہیں۔

مختلف دینی واصلاحی خدمات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ آپؒ ایک محنتی کاشتکار، کامیاب بزنس مین، ماہر نشانہ باز، منجھے ہوئے شکاری، بہترین نباض، طبیب حاذق اور ایک ماہر گھڑسوار بھی تھے۔

آپؒ کی کثیر الجہات علمی ودینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے The Royal Islamic Strategic Studies Centre Jordan کے زیرِ اہتمام چھپنے والی کتاب The Muslim 500 میں امت مسلمہ کی بین الاقوامی سطح پر متاثر کن

شخصیات میں آپؒ کا نام متعدد بار شامل کیا گیا ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سلسلۂ عالیہ کی ڈائری، ۲۰۱۹ء۔ ۲۰۲۰ء)

آپؒ نے ۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ مطابق ۷ دسمبر ۲۰۱۷ء کو ۸۳ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

اللہ کریم حضرت شیخ المکرمؒ کی جملہ دینی خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازیں اور انہیں آپؒ کے لیے ترقی درجات کا سبب بنائیں۔ آمین

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا، اللہ تعالیٰ نے الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کو مترجم قرآن ہونے کی سعادت بھی عطا فرمائی۔ 'اکرم التراجم' کے نام سے موسوم یہ ترجمۂ قرآن دورِ جدید کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے۔ اس بات کا تجربہ راقمۃ السطور کو اپنا پی۔ ایچ۔ ڈی (Ph.D) کا مقالہ لکھنے کے دوران ہوا۔ مقالہ میں شامل آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ شاملِ مقالہ کرنے کی غرض سے جب مختلف تراجم پہ نظر پڑی تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مروجہ تراجم میں اکثریت ان تراجم کی ہے جن سے استفادہ کے لیے دیگر تراجم یا لغات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ الا ماشاء اللہ

ان تراجم سے استفادہ کی راہ میں حائل رکاوٹیں اگرچہ متعدد ہیں تاہم ان میں ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ اردو زبان میں بہت کچھ تغیر رونما ہو چکا ہے۔ وہ الفاظ وتراکیب جو پہلے روزمرہ کی گفتگو کا حصہ تھیں اب ان کے معانی ومفاہیم معلوم کرنے کے لیے مختلف لغات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ پھر ایک تحقیق نگار تو یہ زحمت گوارا کر لیتا ہے لیکن عام قاری کے لیے اس امر کا اہتمام کرنا کارِ محال ہے۔ اسی دوران حضرت شیخ المکرمؒ کے تحریر کردہ ترجمۂ قرآن کے کچھ حصے نظر سے گزرے۔ جنہیں پڑھ کر یہ محسوس ہوا کہ عصر حاضر میں جس طرح کے ترجمۂ قرآن کی ضرورت تھی وہ اب انشاء اللہ منظر عام پہ آنے کو ہے۔ چنانچہ اپنے تاثرات رقم کر کے حضرت شیخ المکرمؒ کی خدمتِ عالی میں ارسال فرمائے جنہیں آپؒ نے بنظرِ استحسان دیکھا اور ان کی تائید وتوثیق فرمائی۔ ان تاثرات کو یہاں ضبطِ تحریر میں لاتے ہوئے سلسلۂ کلام کو آگے بڑھایا جاتا ہے:

''عرصہ دراز سے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ قرآن کریم کا کوئی ایسا اردو ترجمہ منظر عام پر آئے جو بلند پایہ ادبی پیرائے کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت بلیغ، عام فہم، شستہ اور دلنشین ہو۔ رواں اور سلیس ہونے کے باوصف انتخاب الفاظ میں نہایت حسین بایں ہمہ عام آدمی کی ذہنی سطح سے متجاوز نہ ہو۔ ترجمہ کی چھلنی سے گزرنے کے باوجود مرادِ قرآن جوں کی توں محفوظ رہے۔ جہاں صرف ونحو کے تقاضے ملحوظ رہیں وہاں ادب کی حدود وقیود بھی پھلانگی نہ جائیں۔ ایضاح ایسا کہ اعجاز کی حدوں کو چھو لے، لغت و محاورہ دونوں کی خصوصیات کا حامل، نہایت مبسوط ومربوط نیز عصری تقاضوں سے ہم آہنگ۔ ایسا ترجمۂ قرآن جو ایک صاحبِ دل کے قلم سے ادا ہو اور قاری کے قلب وروح کو ایمان ویقین کی روشنی سے منور کرنے کے اسباب مہیا کرے۔

الحمد للہ 'اکرم التراجم' کے معنی خیز اور دلکش نام سے موسوم اس ترجمۂ قرآن نے عصر حاضر کی اس اہم ضرورت کی تکمیل کا سامان فراہم کیا ہے۔ ترجمہ کیا ہے! بجائے خود ایک تفسیر ہے۔ اسے اگر تفسیری ترجمہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔''

ان تاثرات میں پایا جانے والا اختصار، تفصیل طلب ہے۔ اس اجمال کی تفصیل میں زیرِ نظر ترجمۂ قرآن پر خود فاضل مترجم قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ تعارف جو اس موضوع پر یقیناً حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے، درج کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے:

''قرآنِ پاک اللہ کریم کا ذاتی کلام، انتہائی خوبصورت، دلنشیں اور عام فہم ہے۔ یہ صرف اہلِ علم کے لیے نہیں بلکہ عام آدمی کو

بھی اُسی انداز سے مخاطب فرماتا ہے جس طرح علمائے کرام کو مگر اس سب کے باوجود اتنا مشکل، اتنا نازک کہ اس کی مثل لکھنا یا بنانا نا ممکن۔ ایسے ہی ترجمہ اور تفسیر بھی مشکل ترین کام ہیں سوائے اس کے کہ اللہ کریم کسی سے یہ خدمت لینا پسند فرمائیں۔ بعض روایات کے مطابق قرآن کریم کی ڈھائی لاکھ سے زیادہ تفاسیر لکھی گئیں جن میں وہ تفاسیر بھی شامل ہیں جو زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔ تو پھر تراجم تو یقیناً اس سے زیادہ لکھے گئے ہوں گے کہ یہ چودہ سو سال کا سفر ہے۔

برصغیر میں پہلا ترجمہ سندھی زبان میں کیا گیا۔ یہ سعادت اس زبان کے حصے میں آئی۔ پھر اردو میں بھی بہت قدیم اور جدید تراجم ملتے ہیں۔ ترجمہ میں سب سے اوّل اور ضروری بات یہ ہوتی ہے کہ ترجمہ کرنے والا شخص خود آیت کے مفہوم کو درست اور صحیح جانتا ہو۔ یہ سمجھتا ہو کہ اس کا درست مفہوم ہے کیا؟ پھر ترجمہ کرتے وقت الفاظ کا چناؤ ایک مشکل ترین کام ہے۔ سب سے اوّل یہ کہ جو آپ نے سمجھا ہے اُسے پوری طرح سے سمجھا پائیں۔ ایسے الفاظ نہ ہوں کہ قاری ان سے کوئی اور مفہوم اخذ کرتا رہے۔ پھر وہ الفاظ سہل اور آسان ہوں یہ نہ ہو کہ قاری پھر ان کے معانی تلاش کرتا پھرے اور یہ دونوں کام بیک وقت ایک عبارت کی زینت ہوں، یہ محض ربِ جلیل کی دَین ہے۔ تیسری بات جو اور بھی نازک ہے وہ یہ کہ مترجم عظمتِ الٰہی بیان کرتے ہوئے شانِ رسالت میں کمی اور بعض اوقات گستاخی کا مرتکب ہو جاتا ہے یا پھر شانِ رسالت کا اظہار کرتے ہوئے صفاتِ باری میں شریک کر بیٹھتا ہے اور یہ دونوں صورتیں ایمان کے لیے تباہ کن ہیں۔ لہٰذا یہ توازن رکھنا کہ شانِ رسالت بھی پوری طرح واضح ہو اور عظمت باری بھی آشکارا ہو، آسان کام نہیں اور پھر زبان جدید، عام فہم اور عوام میں بولی اور سمجھی جانے والی ہو۔ یہ سب کچھ ایک عبارت میں سمو دینا صرف اور صرف اللہ کریم کی عطا اور اس کا کرم ہے ورنہ یہ مشکل ترین کام ہے۔

زیرِ نظر 'اکرم التراجم' میں کوشش کی گئی ہے کہ اس کی زبان جدید اور عام فہم ہو کہ بہت سے تراجم جو نہایت اعلیٰ پائے کے تھے، اب ان کا سمجھنا دشوار ہو چکا ہے۔ کچھ الفاظ تو اب متروک ہو چکے ہیں، کچھ معانی تلاش کرنا پڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے وقت میں بہترین کاوشیں تھیں۔ اللہ کریم ان عظیم انسانوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائیں۔

انہی حالات نے دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق جدید ترجمہ کی ضرورت کا احساس دلایا۔ پھر زبان بامحاورہ ہو مگر کسی بھی لفظ کا ترجمہ چھوٹنے نہ پائے، یہ ایک اور مشکل ترین کام ہے کہ ترجمہ لفظی تو ہو جاتا ہے لیکن پڑھنے والا اسے بامحاورہ نہیں سمجھ سکتا یا پھر اگر بامحاورہ ہوتا ہے تو بعض الفاظ کا ترجمہ رہ جاتا ہے۔ یہاں ان سب مشکلات کو بتوفیقِ الٰہی سر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اگر قارئین کرام نے اس سے کتابِ الٰہی کی بات سمجھ لی تو مترجم کو اس کی کاوش کا صلہ مل گیا۔ اللہ کریم اسے قبول فرمائیں۔ آمین۔"

(دیباچہ 'اکرم التراجم'، امیر محمد اکرم اعوان، دارالعرفان، چکوال، مئی ۲۰۱۷ء، غیر مطبوعہ)

'اکرم التراجم' کی تقریبِ رونمائی کے موقع پر ترجمہ ھٰذا کی جملہ خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے آپؒ نے بیان فرمایا:

''اردو زبان کی عمر سات سے آٹھ سو سال کے درمیان ہے۔ ان سات ساڑھے سات سو سالوں میں اردو میں پچاس کے قریب تراجم لکھے گئے۔ مرورِ زمانہ سے کچھ الفاظ متروک ہو گئے کچھ ترکیبات متروک ہو گئیں کچھ الفاظ سرے سے بدل گئے کچھ مفاہیم بدل گئے اور زبان روز بروز تبدیل ہوتی رہی اور یوں آج جس وقت ہم بات کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ چھ یا سات تراجم مارکیٹ میں موجود ہیں جن تک لوگوں کی رسائی ہے۔ پچاس آج نہیں ملتے وقت کے ساتھ ساتھ معدوم ہوتے گئے۔ ان سات میں بھی آج شاید ضرورت تبدیلی کی تھی یا اللہ کو منظور تھا کہ آج زبان پھر بہت سی کروٹیں لے چکی ہے۔

آج جو تراجم ہمارے پاس تھے بعض میں لفظی ترجمہ ہے اس

میں عام آدمی کے لیے اس کا محاورہ بنانا مشکل ہو جاتا ہے۔ کچھ تراجم بامحاورہ ہیں جن میں عام آدمی کو یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ جو لفظ ہے یہ کون سے لفظ کا ترجمہ ہے کس لفظ سے یہ لفظ لیا گیا یہ مشکل ہو جاتا ہے پھر ربط نہیں رہتا یہ بڑا مشکل کام ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ ہو یا تفسیر تو الگ سے بتانا پڑتا ہے کہ اس کا پچھلی آیت سے یہ ربط ہے۔ یہ الگ سے حاشیے پہ لکھا جاتا ہے چونکہ ربط رکھنا ہوتا ہے اس لیے تفسیر میں بھی اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

قرآن کی زبان نہ صرف عربی مبین ہے بلکہ اللہ کی زبان ہے۔ عرب اتنے ماہر تھے زبان دانی میں کہ وہ اپنے علاوہ پوری دنیا کو عجم یعنی گونگوں کا جہان کہتے تھے انہیں دعوت دی گئی۔ قرآن نے چیلنج کیا کہ اس جیسا ایک جملہ بنا کے لاؤ اور آج تک دنیا کے سامنے یہ چیلنج موجود ہے۔ کوئی نہیں بنا سکا۔ اب ہو بہو اس کو نقل کرنا تو ممکن نہ تھا لیکن یہ کوشش کہ ترجمہ بامحاورہ بھی ہو اس محاورے میں الفاظ کی سمجھ بھی آئے کہ یہ لفظ فلاں لفظ کا ترجمہ ہے اور تیسری بات یہ کہ بتانا نہ پڑے کہ اس کا ربط کیا ہے از خود بنتا چلا جائے یہ محض خداداد صلاحیت سے ممکن ہے ورنہ یہ ممکن نہیں۔

اللہ کریم نے توفیق بخشی میں نے کوشش کی ہے کہ آیہ کریمہ کے قریب ترین مفہوم تک اپنے قاری کو لے جاؤں اور میرے خیال میں قرآن کریم کے معاملے میں اس سے زیادہ کرنا ممکن بھی نہیں ہے۔ اللہ کریم اسے قبول فرمائے۔ آپ پڑھیں گے، آپ سمجھیں گے، آپ اس پر عمل کریں گے تو میں سمجھوں گا کہ اللہ کریم نے میری کوشش بارآور کی۔''

(ماہنامہ المرشد، سید انور علی شاہ، ''اکرم التراجم کی تقریب رونمائی''، فروری ۲۰۱۲ء/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ، ج:۳۳، ش:۶، ص:۸۔۱۳)

صاحبِ ترجمہ کے تحریری اور بیانیہ تعارف کا تذکرہ کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں 'اکرم التراجم' سے بعض امثلہ بھی ذکر کی جائیں تاکہ قارئین کرام ترجمۂ ھذا کی گوناگوں خصوصیات سے بخوبی آگاہی حاصل کر سکیں۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ [البقرۃ ۲:۶]

''انہیں آپ متنبہ کریں یا نہ کریں برابر ہے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں۔''

فاضل مترجم نے لفظ اور معنی کا رشتہ برقرار رکھتے ہوئے لفظ 'انذار' کے مفہوم کو بجائے ڈرانے کے متنبہ کرنا کے معنی میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی برے اعمال کے انجام سے آگاہ کرنا جس کا انگریزی میں ترجمہ 'To Warn' کیا جاتا ہے۔ لفظ 'انذار' کا یہ ترجمہ جہاں اپنے قاری کو قریب ترین مفہوم سے آشنا کرتا ہے وہاں یہ مفہوم نہایت سہل اور آسان بھی ہے کہ قاری کے لیے اس کا سمجھنا چنداں دشواری کا باعث نہیں۔ سورۂ فتح کی درج ذیل آیت بھی لفظ 'انذار' کے مفہوم کو مزید واضح کرتی ہے:

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۔ [الفتح ۴۸:۸]

''بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والے اور خوش خبری دینے والے اور (انجام بد سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجا ہے۔''

'اکرم التراجم' میں بعض آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فاضل مترجم نے ایک جداگانہ معنی و مفہوم بھی اختیار کیا ہے، جس کی بنا پر ترجمۂ ھذا کو دیگر کئی تراجم پر ایک منفرد حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ جیسا کہ سورۂ یوسف کی یہ آیۂ مبارکہ:

وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡۤءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىۡ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۔ [یوسف ۱۲:۵۳]

''اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتی بے شک نفس تو (انسان کو) برائی ہی سکھاتا ہے مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔''

سورۂ یوسف میں بیان کردہ یہ قول آپ نے حضرت یوسف

علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی بجائے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کی طرف منسوب کیا ہے۔ اپنی مایہ ناز تفسیر 'اکرم التفاسیر' میں اسے بدلائل ثابت کرتے ہوئے آپؒ فرماتے ہیں:

''اکثر مترجمین اور مفسرین کرام نے اس قول کو حضرت یوسفؑ سے منسوب کیا ہے۔ جن مفسرین کرام نے اس قول کو یوسفؑ کی طرف منسوب کیا ہے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ زلیخا کا کلام بھی ہوسکتا ہے چونکہ اس قول میں نفس کے علاوہ اللہ کی رحمت اور بخشش کی بات ہوئی تو یہ سمجھا گیا کہ یہ قول حضرت یوسفؑ کا ہے جبکہ یہ بادشاہ کے دربار میں بات ہو رہی ہے زلیخا کلام کر رہی ہے، اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے بعد اسی تسلسل میں کہہ رہی ہے وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ میں اپنے نفس کو بری الذمہ قرار نہیں دیتی۔۔۔ یوسفؑ ابھی جیل میں ہی تشریف فرما تھے جب زلیخا شاہی دربار میں اقبال جرم کر رہی تھی اور نفس کی بات کر رہی تھی (وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ) ۔۔۔ لہٰذا یہ الفاظ زلیخا کے ہیں نہ کہ یوسفؑ کے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام تخلیقاً معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ کوئی غیر نبی معصوم عن الخطا نہیں ہوتا۔ یعنی نبی تخلیقی طور پر نبی ہوتا ہے اور اس کا نفس امارہ نہیں ہوتا، برائی کا حکم نہیں کرتا اس لیے بھی یہ قول یوسفؑ کا نہیں۔''

(تفصیل کیلئے دیکھیے، اکرم التفاسیر، الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان، اویسیہ کتب خانہ، لاہور، باراول، فروری ۲۰۱۴ء، ج: ۱۳، ص: ۱۶، ۱۷)

ذیل میں ذکر کی گئیں بعض دیگر امثلہ بھی زیر نظر ترجمہ کی مروجہ تراجم پر انفرادیت کا باعث ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے: وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ [البقرۃ ۲:۳]

''اور جو ہم نے ان کو نعمتیں دی ہیں ان میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

لفظ 'انفاق' کی تفسیر کرتے ہوئے آپؒ فرماتے ہیں:

''انفاق ہوتا ہے کہ جس چیز پہ اللہ کریم عارضی اختیار دے دے، خواہ دولت ہو، علم ہو، طاقت ہو، اقتدار ہو یا جسمانی طاقت ہو جو چیز بھی پاس ہو اسے شریعت کے مطابق خرچ کیا جائے، یہ انفاق ہوتا ہے۔''

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، اکرم التفاسیر، باردوئم، ستمبر ۲۰۰۶ء، ج: ۱، ص: ۲۸)

سورۂ بقرہ میں ارشاد الٰہی ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ... [البقرۃ ۲۵:۲]

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے تابع نہریں بہہ رہی ہیں۔''

فاضل مترجم لفظ 'تحت' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فرمایا اللہ کے وہ باغ ایسے ہیں کہ پانی اُن کے تابع ہے۔ جہاں وہ باغ اُگا دیتا ہے وہاں پانی کو پہنچنا پڑتا ہے۔ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ نہریں اُن کے تابع بہتی ہیں۔ یعنی ایسی قدرت الٰہیہ ہے، دنیا میں جہاں پانی پہنچتا ہے وہاں باغ لگ سکتا ہے۔ دنیا کے باغ نہروں کے تابع ہیں اور جنت کی نہریں باغوں کے تابع ہیں جس کا انسان تصور نہیں کر سکتا۔''

(اکرم التفاسیر، باردوئم، ستمبر ۲۰۰۶ء، ج: ۱، ص: ۶۲)

سورۂ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے: وَالۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ (الاعراف ۸:۷)

''اور اس روز حق (انصاف) کے ساتھ وزن کیا جائے گا پھر جن کا پلڑا بھاری ہوگا سو وہ لوگ کامیاب ہوں گے۔''

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں آپؒ نے بیان فرمایا:

''بندے کے خلوص کے حساب سے اعمال کا وزن ہوگا۔۔۔ ہر شخص کا خشوع وخضوع کا اپنا درجہ ہے جس کا جتنا زیادہ ہوگا اتنا وزن ہوگا اور پھر عبادات ہی نہیں ہر عمل، ہر اطاعت، ہر کام کو تولا جائے گا۔۔۔ وہ قادر ہے ہر عمل کو شکل دے دے اور اگر کسی عمل کو متشکل نہ کرے اور اس کی صرف کیفیت کا وزن کر لے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

(تفصیل کیلئے دیکھئے، اکرم التفاسیر، بار اول، اپریل ۲۰۱۲ء، ج:۸، ص:۱۸۱)

لفظ 'رزق' کا ترجمہ نعمتیں، 'تحت' کا ترجمہ تابع اور 'حق' کی وضاحت لفظ انصاف کے ساتھ جس وسعت، جامعیت نیز فصاحت وبلاغت کے ساتھ کی گئی ہے، اُس سے ترجمہ زیر نظر کی انفرادیت دیگر تراجم پر ظاہر ہوتی ہے۔

مقام رسالت اور شانِ رسالت کو بیان کرنے کے لیے 'اکرم التراجم' میں جو قرینہ ادب ملحوظ رکھا گیا ہے، وہ بلاشبہ ترجمہ ھذا کا طرہٗ امتیاز ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل مثالوں کا مطالعہ مفید ہے:

سورۂ عبس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی [عبس ۱:۸۰]

''آپ (ﷺ) پر گراں گزرا اور رخ انور پھیر لیا۔''

سورۂ عبس کی اس آیت کی تفسیر میں آپؒ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کو جب کوئی بات پسند نہ آتی تو آپ ﷺ جھڑکتے نہیں تھے لیکن آپ ﷺ کے رخِ انور پر ناگواری کے اثرات پیدا ہو جاتے تھے۔ فرمایا، آپ ﷺ کے رخِ انور پر ناگواری کے اثرات نمودار ہوئے۔''

(اکرم التفاسیر، بار سوم، نومبر ۲۰۱۷ء، ج:۳۰، ص:۵۷)

سورۂ ضحیٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى. [الضحیٰ ۷:۹۳]

''اور آپ کو جستجو میں پایا تو سیدھا راستہ دکھا دیا۔''

سورۂ ضحیٰ کی مذکورہ آیت میں لفظ ضَآلًّا کی تفسیر میں آپؒ نے تفصیلاً کلام فرمایا ہے۔ یہاں اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

''بعثت سے پہلے انبیاءؑ کو ولایتِ نبوت عطا ہو جاتی ہے وہی ان میں نورِ نبوت کی جستجو پیدا کر دیتی ہے۔ اس جستجو کو یہاں فرمایا گیا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا ''اور آپ کو جستجو میں پایا۔'' یہی جستجو حضور ﷺ کو حرا میں لے گئی تھی۔ یہ کیفیت نورِ نبوت کو پانے کی جستجو تھی۔ اس کیفیت کو یہاں فرمایا گیا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ''اور آپ کو جستجو میں پایا تو سیدھا راستہ دکھا دیا۔'' لفظ ضَآلًّا ایک وسیع المعانی لفظ ہے۔ بھٹکے ہوئے، گمراہ کے لیے بھی یہی لفظ ہے۔ گمراہی کو بھی ضلالت کہتے ہیں۔ یہاں ترجمہ کرنے والوں سے مفہوم پہنچانے میں بھول ہوئی ہے کہ انہوں نے ضَآلًّا کا ترجمہ 'گمراہ' کر دیا۔ اگر یہاں لفظ متلاشی لکھ دیتے۔ جستجو میں پایا لکھ دیتے تو یہ دھوکا نہ لگتا۔ درست یہ ہے کہ آپ کو جستجو میں پایا، اس تڑپ میں پایا تو فَهَدٰى آپ ﷺ کو بعثت سے سرفراز فرما دیا۔ آپ ﷺ کائنات کے ہادی و راہنما بن گئے۔''

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، اکرم التفاسیر، بار سوم، نومبر ۲۰۱۷ء، ج:۳۰، ص:۴۹، ۵۰)

مندرجہ بالا مثالوں میں شان رسالت کو بیان کرنے کے لیے آپؒ نے جس محتاط طریقہ پر الفاظ کا انتخاب فرمایا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے نیز ان منتخب الفاظ کا عام فہم ہونا بھی واضح ہے۔

طوالت سے بچنے کی غرض سے ان چند مثالوں کے بیان پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے تاہم مذکورہ امثلہ سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ فاضل مترجم نے اس ترجمۂ قرآن کو محض متبادل الفاظ کے چناؤ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ الفاظِ قرآن کا معنی ومفہوم اس میں موجود کیفیت کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے۔ مذکورہ آیاتِ مبارکہ کی تفسیر

بھی اس امر پر بحسن وخوبی دلالت کرتی ہے۔

الحمد للہ! زبان وبیان کی خوبیوں سے مزین اس فصیح وبلیغ ترجمۂ قرآن کو آپؒ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی ہر خاص وعام میں یکساں قبولیت حاصل ہوئی۔ خصوصاً اہل علم حضرات نے اسے بے حد سراہا اور اس پر اپنے تاثرات رقم فرمائے۔ ذیل میں بعض علماء کے تاثرات مختصراً قلمبند کیے جاتے ہیں:

جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا کے بانی ومہتمم محمد اشرف علی صاحب ترجمۂ ھذا کی متنوع خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آنجناب نے امت پر احسان کیا کہ ترجمہ قرآن پاک کو نہ لفظی رہنے دیا اور نہ بالکل محاورہ۔ بلکہ لفظی اور بامحاورہ کے درمیان انتہائی آسان طریقہ سے سلیس عمدہ ترجمہ پیش فرمایا۔ جس سے عام سے عام آدمی کو بھی استفادہ کرنے کی سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔''

(۲۲ مئی ۲۰۱۲ء)

شعبہ علوم اسلامیہ کے سابق ڈین پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر صاحب 'اکرم التراجم' کے اوصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس میں سادہ اور عام فہم الفاظ سے قرآن حکیم کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ لفظی ترجمہ کا اہتمام نہیں ہے لیکن ترجمانی کے انداز سے بہت عمدہ کام کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ قرآن کے قریب ترین الفاظ کا انتخاب کر کے ترجمہ کیا جائے۔''

(۱۲ جولائی ۲۰۱۱ء)

مرکز اہلحدیث لاہور کے شیخ الحدیث ابو عمار محمد ارشد فرماتے ہیں:

''ترجمہ ماشاءاللہ بہت اچھا ہے۔ عوام الناس کے فائدے کے لیے ازحد عمدہ اور سلیس ہے۔ (۱۲ جولائی ۲۰۱۱ء)

یونیورسٹی آف سرگودھا کے سابق وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری زیر نظر ترجمۂ قرآن کے محاسن وکمالات پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

- ''یہ بہترین رواں ترجمہ ہے۔ جو پڑھنے والے کو قرآنی نص کے قریب ترین مفاہیم اور مدلولات سے روشناس کراتا ہے۔''

(۲۴ جولائی ۲۰۱۱ء)

ڈاکٹر پروفیسر ضیاء الحق 'اکرم التراجم' کے محاسن کا ایک جائزہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک اچھے ترجمہ میں دو خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔ پہلی خوبی یہ کہ ترجمہ میں نہ تو اپنی طرف سے کوئی اضافہ کرنا چاہیے اور نہ ہی اصل عبارت سے ترجمہ کرتے ہوئے کوئی حصہ حذف کرنا چاہیے۔ ترجمہ کی دوسری خوبی یہ کہ کسی زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے تسلسل اور روانی کو اس طرح برقرار رکھنا چاہیے کہ قاری کو یہ احساس تک نہ ہونے پائے کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو 'اکرم التراجم' اس کڑے معیار پر پورا اترتا ہے۔ جس کے لیے میں حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ قرآن مجید کا ترجمہ کرتے ہوئے بعض انتہائی نازک مقامات پر ادب واحترام کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ نے ان مقامات پر ادب اور محبت کے تمام تقاضوں کو پورا کیا ہے۔''

(ماہنامہ المرشد، ''اکرم التراجم کی تقریب رونمائی''، ص:۸)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت شیخ المکرمؒ نے اس ترجمۂ قرآن کو تقریباً پانچ ماہ کی قلیل مدت میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا جو بجائے خود ایک کرامت ہے۔ اُمید قوی ہے کہ الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ ایسی ہمہ جہت، نابغۂ روزگار، ظاہری وباطنی علوم سے آراستہ نیز متنوع صفات کی حامل ہستی کا تحریر کردہ یہ ترجمہ، تراجم قرآن کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ثابت ہو کر قاری کو فہم وادراک کی نئی منزلوں سے روشناس کرے گا۔ انشاءاللہ

حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ بحیثیت مفسرِ قرآن

عائشہ عرفان - لاہور

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے عظیم مشائخ میں سے ایک مایہ ناز ہستی ہیں۔ آپؒ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، جس کے اتنے درخشندہ پہلو تھے کہ گویا ہر پہلو ہی نگاہوں کو خیرہ کردیتا ہے۔ آپؒ بلند قامت، ظاہری وجاہت کا پیکر ہی نہیں تھے بلکہ باطنی حسن اور اعلیٰ ترین اخلاق میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ آپؒ کی گفتگو، نشست و برخاست، آپؒ کی تقریر وتحریر اور آپؒ کا ہر عمل اطاعت الٰہی اور اتباعِ رسالت ﷺ سے مزین تھا۔ ایسی اولوالعزم ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپؒ کی مایہ ناز شخصیت کے جس پہلو پر آج میں قلم اُٹھانے کی جرأت کر رہی ہوں وہ انتہائی گراں قدر اور انمول ہے۔ وہ پہلو ہے ''حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ بحیثیت مفسرِ قرآن۔''

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کے تعارف کے جتنے بھی پہلو ہیں، سب ہی اپنی مثال آپ ہیں لیکن اگر میں یہ کہوں کہ آپؒ کی شخصیت کا سب سے روشن و غالب پہلو مفسر قرآن ہونے کا ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ یہ وہ حیثیت ہے جو اللہ کریم اپنے ممتاز بندوں کو عطا فرماتے ہیں کہ انھیں اپنے ذاتی کلام کی حفاظت پہ مامور کرتے ہیں۔ کلامِ باری کی حفاظت سے مراد صرف عربی کے متن کی حفاظت نہیں ہے بلکہ اس کے مفاہیم و نور کی حفاظت بھی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کو ایک ایسے عظیم اور کامل شیخ قلزم فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے دامن سے وابستہ کردیا جن کی ربع صدی کی رفاقت و تربیت نے حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کے سینے کو فہم قرآن کا خزینہ بنا دیا۔

یہ عشق وجنوں کا سفر اس وقت شروع ہوا جب تلاشِ حق نے عنوانِ شباب میں ہی حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کو بے چین کردیا اور اللہ کریم نے اُن کی اس انابت کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے انہیں اس در تک پہنچا دیا جہاں سے آپؒ نے گوہر مراد پالیا۔ یہ اللہ کریم کی خاص عنایت تھی کہ آپؒ کو حضرت مولانا اللہ یار خانؒ جیسے شیخ کامل سے وابستہ فرمایا اور اس صحبت سے آپؒ کے قلب کو ایسا منور فرمایا کہ وہ ایک مینارہ نور بن گیا۔ 1971ء میں اپنے عظیم شیخ کی معیت میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور اس حاضری میں اس مخلص شاگرد کو بارگاہ ایزدی سے علم لدنی کا بیش بہا خزانہ عطا ہوا کہ فہم قرآن کا سیل رواں آپؒ کے قلب پر وجدان کی صورت میں اُنڈیلا گیا۔ اس عظیم نعمت کو پانے کے بعد جب حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ نے قرآنِ کریم کی کسی بھی آیہ کریمہ پر لب کشائی کی تو علماء بھی کہہ اُٹھے کہ اس آیہ کریمہ کا مفہوم تو آج سمجھ میں آیا۔ حضرتؒ کے اندازِ بیان کو اُن کے شیخ و مربی بے حد پسند فرماتے اور انہوں نے اپنے مایہ ناز شاگرد کو تفسیر قرآن لکھنے کا عندیہ دیا۔ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے وصال کے تقریباً تین سال بعد 1987ء میں حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ نے اپنے شیخ کے تعمیل ارشاد میں ''اسرار التنزیل'' کے نام سے ایک تفسیر لکھنے کا آغاز کیا۔ آپؒ نے رمضان المبارک میں اس کا آغاز کیا اور آپؒ فرماتے کہ لاکھ کوشش کے باوجود غیر رمضان میں آپؒ کچھ بھی لکھ نہ پاتے۔ چنانچہ ہر برس رمضان المبارک میں اس پر کام ہوا اور گیارہ

برس میں 1998ء میں یہ بے حد خوبصورت تفسیر مکمل ہوئی۔ یہ تفسیر ایک صاحب حال صوفی کے قلم سے ہی نہیں بلکہ اس کے قلب کے نور سے لکھی ہوئی ایک ایسی تحریر ہے جو قلوب کو تحریک دیتی ہے اور اُن پر چھائی غفلت کی سیاہی کو دھو ڈالتی ہے۔ اس میں کچھ اس دلسوزی سے اُن رویوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جن کو اپنا کر گزشتہ اقوام تباہ ہوئیں کہ پڑھنے والا مفسر کی انتہائی شفقت و خیر خواہی کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ پاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں دین کی حقانیت اور عظمت کی بات آتی ہے تو مفسر غیرت ایمانی سے سرشار ہر اُس شخص کو للکارتے نظر آتے ہیں جس کا اسلام سے معذرت خواہانہ تعلق ہے۔ حضرت جیؒ کے بطور مفسر قرآن اتنے رنگ ہیں جتنے علم لدنی کے خزانے اللہ کریم نے اُن کو عطا فرمائے ہیں اور میں یقیناً اُن کی وسعت بیان کرنے بلکہ سمجھنے تک سے قاصر ہوں۔ آپؒ کا منفرد اسلوب تفسیر، آپؒ کی شخصیت کی طرح منفرد ہے۔ آپؒ قرآنِ کریم کو ایک آئینہ بنا کر مخلوق کے روبرو کر دیتے ہیں جس میں وہ اپنے خالق، اپنے رب کی عظمت و جمال کو دیکھتا ہے اور اُس کے احسانات کے بدلے میں اپنے کردار اور حیثیت کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اُسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ میرا رب مجھ سے مخاطب ہے اور اس میں جس انعام و سزا کی بات ہو رہی ہے وہ مجھ سے ہو رہی ہے۔ یوں یہ محض پہلی قوموں کا تذکرہ نہیں رہتا بلکہ ایک آئینہ بن جاتا ہے جس میں ہر ایک اپنے آپ کو پرکھ سکتا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ حضرت جیؒ نے فہم قرآن کے خزانے کو ایسی سخاوت سے بتوفیق الٰہی لٹایا کہ آپؒ سے وابستہ ہونے والے قلوب بھی اپنی اپنی حیثیت میں قرآن کے مفاہیم و رموز سے آشنا ہوتے گئے۔

آپؒ نے بطور مفسر بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن کی فہرست بہت طویل ہے لیکن حتمی نہیں۔ اس لیے کہ میری استعداد محدود ہے۔ آپؒ نے توحید کے عقیدے کو جس خوبصورتی سے واضح فرمایا ہے اور پھر اس کا بیج ہر پڑھنے والے کے دل میں جس طرح بویا ہے، اُسے صرف پڑھنے والا ہی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ عقیدہ راسخ ہو کر زندگی کے ہر موڑ پر عمل کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت جیؒ نے جس خوبصورتی سے صفاتِ الٰہی سے آگہی بیان فرمائی ہے اور رب اور مربوب کے تعلق کو بیان فرمایا ہے وہ صرف آپؒ ہی کا خاصہ ہے کہ شرکِ جلی کیا شرکِ خفی کی بھی بیخ کنی کر دی ہے۔ حضرت جیؒ کی ذاتی زندگی بھی چونکہ قرآنِ کریم کی عملی تفسیر تھی اس لیے آپؒ کی تحریر و تقریر میں وہ تاثیر تھی اور ہے کہ وہ مخاطب کے قلب میں اُتر جاتی ہے اور عملی زندگی میں غیر اللہ سے خوف اور اُمید منقطع کر دیتی ہے۔

حضرت جیؒ کا بطور مفسر دوسرا کارنامہ ہے احترامِ نبوت ﷺ کی اہمیت کو بیان کرنا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور اُن کی شان کو آپؒ نے اس انداز میں بیان فرمایا ہے گویا آپؒ ناموسِ رسالتؐ کے پہرے دار ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے دنیا میں جانے کی اگر بات ہو، آپؒ یہ نکتہ دہراتے نظر آتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بطور سزا دنیا میں ہرگز نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ وہ خلیفہ فی الارض ہی بنائے گئے تھے۔ آپؒ ایسی تمام باتوں کا شدت سے رد فرماتے تھے جن میں حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کا شائبہ بھی ہو۔ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی جہاں بعض علماء کو بھی ٹھوکر لگی وہاں حضرتؒ نے عظمت رسالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس واقعہ کی موثر تفسیر فرمائی۔ اسی طرح سورۃ یوسف کی تفسیر میں آپؒ نے سیاق و سباق سے، عقلی دلائل سے بھی یہ ثابت فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام، اللہ کے عظیم نبیؑ تھے جن کی طرف یہ الفاظِ آیت ہرگز منسوب نہیں کیے جا سکتے کہ خدانخواستہ نفس امارہ کو اُن سے وابستہ کیا جائے۔ آپؒ نے ان الفاظ کو زلیخا سے منسوب فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں اور کسی نبیؑ کا نفس امارہ نہیں ہوتا۔ یوں مفسر قرآن عظمت رسالت کا دربان دکھائی دیتا ہے۔ پھر جب بات آتی ہے بارگاہِ رسالت

صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کی تو یوں لگتا ہے کہ یہ عاشق صادق دم سادھ لیتا ہے۔ اس وقت اُن کی تحریر بھی تھرتھراتی محسوس ہوتی ہے جب اس بارگاہ کی عظمت بیان کرتی ہے۔ آپؒ کہیں اُمت میں یہ احساس پیار سے جگاتے نظر آتے ہیں تو کہیں پر جوش انداز میں کہ خبردار! یہاں سانس بھی آہستہ لینا کہ یہ درِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آپؒ اپنی تحریر و تقریر میں برملا اعلان فرماتے ہیں کہ اطاعت کے بغیر عشق کا دعویٰ بھی اُس بارگاہ میں گستاخی شمار ہوگا۔

ایمان اور عمل صالح کا تعلق بیان کرنا بھی آپؒ کا ایک کارہائے نمایاں ہے کہ اُمت عمومی طور پر عمل صالح کو نماز، روزہ اور دیگر عبادات سمجھ کر من پسند زندگی جی رہی تھی۔ حضرت جیؒ نے اُس شفیق ماں کی طرح جو سوئے ہوئے بچوں کو صبح سویرے نماز کے لیے اُٹھاتی ہے اور اُن کے نہ اُٹھنے پر پانی کے چھینٹے ڈال کر اور پھر بے قرار ہوکر جھنجھوڑ کر اُٹھاتی ہے کہ اپنا نقصان نہ کریں۔ اسی طرح حضرت جیؒ کی تفسیر خوابیدہ اُمت کو جھنجھوڑتی ہے کہ عمل صالح سے مراد تمہارا ذاتی کردار ہے، جس کی بنیاد ایمان ہے۔ آپؒ اس حقیقت کو بارہا بیان فرماتے ہیں کہ عبادات تعلق مع اللہ کے لیے ہیں اور ہر عبادت نیکی کی قوت عطا کرتی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ عبادات کا ثمر اپنے کردار میں تلاش کرو۔ میں سمجھتی ہوں کہ حضرت جیؒ نے اُمت کو عملی گستاخی سے بروقت مطلع فرما دیا۔ آپؒ نے بنی اسرائیل کے حالات کی تفسیر فرماتے ہوئے ہر بار یہ پہلو دہرایا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تو کیا انجام ہوا اور تم جو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہو۔ تم اُن کی نافرمانی کرو گے تو کیا پاؤ گے! اسی طرح تمام گزشتہ اقوام کے رویوں کا تذکرہ اسی انداز میں فرمایا کہ پڑھنے والے کو واضح طور پر سمجھ آجائے کہ اُسے کس رویے سے اجتناب کرنا ہے۔

آپؒ نے جس انداز میں ناموس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حفاظت فرمائی ہے وہ بطور مفسر آپؒ ہی کی شان ہے۔ قرآن کی آیات سے عظمت صحابہؓ کو اس طرح ثابت فرماتے ہیں کہ وہ عقیدہ بن کر دل میں راسخ ہو جاتی ہے اور آج کے دور میں اس کی شدید ضرورت تھی۔ آج کے نام نہاد دانشور اور بے عمل مسلمان اُن عظیم ہستیوں پر اعتراضات اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ ایسے میں حضرت جیؒ اپنی تفسیر میں قرآنِ کریم کے حوالے سے قرآنِ کریم کے مثالی مسلمانوں کی عظمت کچھ اس طرح سے بیان فرماتے ہیں کہ بعد از انبیاءؑ جماعت صحابہؓ کا تمام مخلوق پر افضل ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ آپؒ نے پورے یقین کے ساتھ اس مفروضے کا رد فرمایا جو غزوۂ اُحد کے بارے میں عمومی طور پر مانا جانے لگا ہے۔ آپؒ نے تحریر و تقریر میں مدلل انداز میں ثابت فرمایا کہ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے مالِ غنیمت کے لیے کسی طرح کی بھی لاپروائی کی۔ آپؒ بھرپور انداز میں ہر موقع پر اُمت کے محسنوں کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی اُنؓ کی عظمت بیان کرتے ہوئے اور کبھی ان کے وفا و جاں سپاری کے قصے چھیڑ کر اُمت کے روبرو اُن عظیم ہستیوں کا تعارف پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

میرا، حضرت جیؒ سے وابستگی کا سفر ربع صدی قبل شروع ہوا۔ میں نے آپؒ کو جب بھی بیان فرماتے سنا آپؒ نے قرآن کریم ہی کی کسی آیت یا سورۃ پر کلام فرمایا۔ خواہ آپؒ کسی سیاسی جلسے سے خطاب فرماتے یا کسی نجی محفل میں جلوہ افروز ہوتے آپؒ ہر لحہ مفسر قرآن ہوتے۔ آپؒ کا اندازِ بیان انتہائی دلنشین ہوتا کہ آپؒ آیاتِ قرآنی کی شیرینی اور عظمت کو دلوں میں اُنڈیلنے کا فن خوب جانتے تھے۔ اللہ کریم نے آپؒ کو توفیق بخشی اور آپؒ نے 2005ء کے اوائل سے ترتیب وار تفسیر بیان کرنے کا ارادہ فرمایا اور یوں مارچ 2017ء کو ''اکرم التفاسیر'' کے نام سے ایک بیانیہ تفسیر کا تحفہ اُمت کو عطا ہوا۔ اسی دوران حضرت جیؒ نے پنجابی میں بھی ایک بیانیہ تفسیر ریکارڈ کروائی جس کا خوبصورت نام ''رب دیاں گلاں'' ہے۔

الحمدللہ! یہ اعزاز حضرت جیؒ کا ہے کہ انہیں تین مرتبہ تفسیر

قرآن کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ نے قرآنِ کریم کا ترجمہ بھی کرنے کی سعادت پائی۔ ''اکرم التفاسیر'' کا کمال یہ ہے کہ یہ عہد حاضر کے مسائل پر بحث کرتی ہے۔ آج جب زمانہ آپ ﷺ کے مبارک دور سے پندرہ صدیوں کی مسافت پر کھڑا ہے تو اس کے مسائل اور ظلمتوں کے سائے بھی الگ سی نوعیت کے ہو گئے ہیں۔ ایسے میں حضرت جیؒ کے منور قلب سے جاری ہونے والے فہم قرآن کا یہ انمول تحفہ اللہ رب العالمین کی ربوبیت کا تقاضا اور یقیناً ایک عظیم احسان بھی ہے۔ اللہ کریم اپنی مخلوق سے انتہائی کرم کا معاملہ فرماتے ہیں چنانچہ ہر دور میں اُمت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ایسی ہستیوں سے نوازتے ہیں جو ظلمتوں کا سینہ چیر کے دلوں کو برکات محمد رسول اللہ ﷺ سے منور کر دیتیں اور اُن میں کلام الٰہی کا فہم وادراک سجا دیتی ہیں۔

حضرت جیؒ نے عہد حاضر کے انسانی مزاج کے مطابق قرآنِ کریم کو نہایت آسان فہم الفاظ میں بیان فرمایا۔ آپؒ نے قرآن کے اسرار ورموز کو یوں بے ساختگی سے بیان فرمایا ہے کہ گویا وہ اُن حقائق کا مشاہدہ کر رہے ہوں اور اُن کے ساتھ ساتھ سننے والا یا پڑھنے والا بھی اُن سب حقائق کو دل کی نگاہ سے دیکھنے کی لذت پا لیتا ہے۔ آپؒ کی بیانیہ تفسیر ہو یا تحریری، دونوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ اُن میں طوالت یا قصہ گوئی نہیں ملتی۔ ایسا نہیں ہوتا کہ بہت سی روایات یکجا کی جائیں یا آراء جمع کر دی گئی ہوں کہ پڑھنے یا سننے والا کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے عاجز رہے۔ اس کے برعکس آپؒ کی بات ٹھوس اور فیصلہ کن ہوتی۔ آپؒ کی زبانِ حق ترجمان یا آپؒ کے قلم سے جو بات نکلتی وہ ایسی روشن اور خالص درد دل سے لبریز ہوتی کہ سننے یا پڑھنے والا جہاں دل میں اُن کی مٹھاس محسوس کرتا وہاں دل سے اُن پر عمل کرنے کو بھی آمادہ ہو جاتا۔ اس لیے کہ یہ ایک صاحب حال صوفی کے دل کا خلوص اور درد ہے جو تیر بہدف کی طرح حق کے متلاشی قلوب میں جا اُترتا ہے۔

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ نے بطور مفسر قرآن ایک احسان یہ بھی کیا ہے کہ اُمت کو اتحاد واخوت کا سبق دیا ہے۔ آپؒ نے موجودہ دور کے مسائل میں سب سے خطرناک روش جو فرقہ بندی کی صورت میں عام ہو چکی ہے اس کا آسان حل برملا بیان فرمایا ہے۔ آپؒ نے عملاً اپنی تحریر وتقریر کو اُن قواعد وضوابط میں رکھا پابند ہے جن کا تعین خود نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت کرتے ہوئے فرمایا۔ وہ مفاہیم جو صحابہ کرامؓ نے سمجھے اور آپ ﷺ کے روبرو اُن پر عمل کر کے آپ ﷺ سے سند پائی۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر آج بھی سب لوگ اپنی رائے کی بجائے اُنہی مفاہیم کو اپنا لیں جو صحابہ کرامؓ نے سمجھے تھے تو اُمت میں تفرقہ بازی ختم ہو سکتی ہے۔ میری رائے میں حضرت جیؒ بطور مفسر ایک ایسے باغبان نظر آتے ہیں جو ہمہ وقت گلشن سے خاردار جھاڑیاں اور خودرو بوٹیاں الگ کرتا نظر آتا ہے۔ آپؒ اپنی تفسیروں میں باطل عقائد کی خاردار جھاڑیوں کو بے نقاب کرتے ہیں کہ قاری یہ جان لیتا ہے کہ کن آیات کو دشمنانِ اسلام اپنے مذموم مقاصد کے لیے غلط معنی دیتے ہیں۔ یوں آپؒ ہر طرح کے الحاد اور تحریف کو کھول کر رکھ دیتے ہیں اور پڑھنے والا ایک ہوشیار باش قاری ہی نہیں بلکہ عقائد کا محافظ بن کر دوسروں کے لیے بھی اصلاحِ عقیدہ کا باعث بن جاتا ہے۔ آپؒ نے بحیثیت مفسر قرآن ایک انتہائی گراں قدر خدمت سرانجام دیتے ہوئے قرآنِ کریم کو ایک آئینہ بنا کر اُمت کے روبرو کر دیا ہے اور یہ باور کرا دیا ہے کہ اس میں اپنا آپ دیکھو۔ خود کو تلاش کرو کہ تم کہاں کھڑے ہو، اپنا محاسبہ کرو۔ آپؒ نے کیا خوب سمجھا دیا کہ ''ثواب عمل کے نتیجے کا نام ہے۔'' اور یوں کتنے ہی خیالی نظریے چکنا چور کر دیئے! آپؒ نے کتنے درد سے سمجھایا کہ ''عبادات روح کی غذا ہیں چنانچہ ان کے ثمرات اپنے کردار میں تلاش کرو۔'' یوں غفلت میں سوئے دل جو پارسائی کے کھاتوں میں ثواب جمع کرنے کے عادی ہو چکے تھے ہوش میں آ گئے۔ آپؒ نے بارہا ایمان اور عمل صالح کا مربوط تعلق بیان فرمایا اور انسان کے دائرۂ اختیار پر بات فرمائی۔ آپؒ نے

ظاہری تعریف کے ساتھ ساتھ معاملات کی حقیقت بھی واضح فرمائی۔ مثلاً علم، صبر، شکر، خلوص، توکل وغیرہ کی ظاہری صورت اور حقیقت بیان فرمائی۔ آپؒ نے ہر بات اس انداز میں بیان فرمائی کہ مخاطب کے دل پر ان کی کیفیات وارد ہوگئیں اور جب ایسا ہو جائے تو پھر انسان کا دل اُن باتوں کی حلاوت یا کڑواہٹ کو چکھ لیتا ہے۔ یوں نیکی اسے محبوب اور لذیذ لگتی ہے جبکہ گناہ کڑوا لگتا ہے، نافرمانی سے کراہت آنے لگتی ہے۔ یہ کیفیات ہی انسان کو برائی سے پرہیز اور نیکی سے رغبت پر قائم رکھنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ حضرت جیؒ کے مرشد کامل ہونے پر یہی دلیل کافی ہے کہ اتباعِ سنت میں اور کامل اتباع کے طفیل آپؒ کی صحبت اور کلام میں یہ تاثیر ہے کہ مستفیض ہونے والے کو ایمان اور نیکی محبوب ہو جاتی ہے جبکہ کفر و معصیت سے کراہت آنے لگتی ہے۔ یہی آپؒ کی کرامت ہے۔

حضرت جیؒ کی بلند و بالا شخصیت کے ہر پہلو پر غالب پہلو مفسر قرآن ہے۔ آپؒ کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر تھی۔ آپؒ نے دوستی، دشمنی، تجارت، معاملات خواہ ذاتی ہوں، خانگی ہوں، برادری یا قومی سطح پر ہوں سب کو قرآن کریم کے ضوابط کے تحت نبھایا۔ آپؒ نے اپنی اولاد کی تربیت کی یا سالکین کو راہِ حق پر چلایا، آپؒ کا ہر عمل اس بات پر شہادت دیتا ہے کہ آپؒ کا ہر انداز قرآن کی عملی تفسیر تھا۔ یہ انعام یقیناً اللہ کریم اپنے مخلص بندوں کو، اپنے حبیب ﷺ سے وفا شعاری کے عوض عطا فرماتے ہیں۔

حضرت جیؒ کی زندگی کا کوئی گوشہ، کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی انداز میں قرآنِ کریم کی خدمت سے مزین نہ ہو۔ آپؒ کی زندگی تلاوتِ قرآن یا بیان و تحریر و تفسیر قرآن سے اور اس پر عمل سے ہر آن منور تھی۔ ایسے لوگ صرف قاری یا مفسر نہیں ہوتے بلکہ مجسم قرآن ہوتے ہیں۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

آپؒ کو آج عصر حاضر کے مفسر ہیں لیکن جب آپؒ کے ارشادات و تحریر کو متقدمین مفسرین کے ساتھ رکھ کر دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی چمن کے پھول ہیں۔ حضرت جیؒ بطور مفسر ایک ماہر نباض کی طرح انسانیت کے زوال کے اسباب کو یوں بتا دیتے ہیں کہ پڑھنے یا سننے والا بے اختیار پکار اُٹھتا ہے کہ بیشک یہی صورتحال درپیش ہے۔ وہ خود کو اُن آیات کا مخاطب سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور یوں اصلاحِ احوال کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ آپؒ کا کمال یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کے بحر ناپیدا کنار سے ایسے ایسے موتی نکال لاتے ہیں کہ انسان عش عش کر اُٹھتا ہے۔

سورۂ فاتحہ میں انعام یافتہ لوگوں کی بات ہو یا سورۃ العادیات میں مجاہدین کے گھوڑوں کے سموں کی، سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کے رویوں کی بات ہو یا سورۂ انفال میں صحابہؓ کی جاں نثاری کی، پہلی اقوام کا اپنے انبیاء سے سلوک ہو یا سورۂ فتح میں صحابہ کرامؓ کی شان، عہد جاہلیت کے اندھیروں کا بیان ہو یا آپ ﷺ کی برکات کے سیل رواں کا تذکرہ، جنت کے انعامات کا بیان ہو یا دوزخ کے عذابوں کا تذکرہ۔ ان سب موضوعات پر جس منفرد انداز میں آپؒ نے راہنمائی فرمائی ہے وہ انتہائی دلنشین ہے۔ آپؒ نے جہاد کی اہمیت، حق و باطل کی کشمکش پر ہی نہیں بلکہ پورے نظام ہائے زندگی پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ آپؒ عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات کی اہمیت کو اُجاگر فرماتے ہیں۔ معاشی نظام ہی نہیں بلکہ نظام عدل کو بھی انتہائی اہم قرار دیتے ہیں اور اسے امن کے قیام کا باعث بتاتے ہیں۔ عہد حاضر کے سب سے بڑے عفریت یعنی دہشت گردی کو آپؒ عدل کی عدم فراہمی کا پھل قرار دیتے ہیں۔ آپؒ قوم کی راہنمائی پورے درد دل سے فرماتے رہے اور ایوانِ اقتدار تک قرآنِ کریم کا نظام حیات اپنانے کا پیغام پہنچانے کی سعی کرتے رہے۔ آپؒ نے دین کو مدرسوں تک محدود رکھنے کو کبھی قبول نہیں کیا بلکہ آپؒ دین کو تمام ملکی اداروں میں نافذ کرنے کے لیے دن رات کوشاں رہے۔ آپؒ ہر

شعبہ زندگی کو قرآن کی نظر سے دیکھتے اور سمجھتے تھے لہٰذا ہر موضوع پر، قوم کے ہر طبقے کو اللہ کے کلام کی روشنی میں راہ دکھاتے رہے۔ آپؒ کا انداز تربیت نہایت خیر خواہی لیے اور محبت بھرا تھا اور آپؒ ہر روپ میں مفسر قرآن تھے۔ آپؒ قوم کا درد محسوس کرتے اور اس روش سے دُکھی رہتے کہ دین اور دنیا کو دو الگ خانوں میں تقسیم کر دیا جائے اور محض پارسائی کے زعم میں مبتلا رہا جائے۔ آپؒ قرآن کریم کو کتابِ حیات مانتے اور منواتے رہے اور اس کے اصولوں کو زندگی پر لاگو کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ آپؒ کبھی نہایت پیار سے قوم کو سمجھاتے کہ اپنے اللہ اور رسول ﷺ کے در پر آجاؤ تو کبھی غیرتِ ایمانی سے لبریز فولادی لہجے میں پکارتے ہوئے نظر آتے کہ باز آجاؤ! کہاں بھٹک رہے ہو! اپنے رب کریم کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو!

آپؒ نے بحیثیت مفسر قرآن جس موضوع کو نہایت وضاحت سے اور مکرر ارشاد فرمایا وہ کسب رزق حلال ہے۔ آپؒ نے جہاں رزق حلال کے حصول کے معروف ذرائع ارشاد فرمائے وہاں تعمیر سیرت میں اُس کی اہمیت کو بارہا ارشاد فرمایا اور حرام رزق کے نقصانات کی طرف راہنمائی فرمائی۔ آپؒ نے دین کو ذریعہ معاش بنانے والوں کی سخت سرزنش فرمائی اور اُمت کو اُن کے کردار اور فتنوں سے آگاہ فرمایا۔ آپؒ نے دین کی خدمت صرف رضائے الٰہی کے حصول کے تحت فرمائی اور آپ کی عملی زندگی آپؒ کے مفسر قرآن ہونے کی دلیل ہے۔

آپؒ نے حلال اور حرام کے فرق کو فیصلہ کن انداز میں کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ آپؒ نے سود کی حرمت کو اُجاگر فرمایا اور اسے منافع کا نام دے کر رائج کرنے کی شدید مذمت فرماتے رہے۔ معاشرے میں بڑھتے ہوئے جوئے کے رجحان کو بھی بے نقاب کرتے رہے حتیٰ کہ عام انسان تک یہ بات پہنچ گئی کہ مختلف کمپنیوں کی قرعہ اندازیاں اور ان کے نتیجے میں ملنے والے انعامات کی حقیقت کیا ہے! آپؒ ہمیشہ سادہ الفاظ میں بغیر لگی لپٹی کے حق کو کھول کر بیان کر دیتے تاکہ حق قبول کرنے والے اسے پہچان لیں اور جسے باطل کی طرف جانا ہے وہ بھی یہ جان لے کہ وہ باطل کی طرف جا رہا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی کرنا چاہتا ہے تو کرے۔

میرے پیارے حضرت جیؒ بحیثیت مفسر قرآن جن عظمتوں کے مالک تھے اس پر جتنا لکھا جائے کم ہے۔ وہ ایک انتہائی بلند پایہ صوفی تھے۔ فیضانِ نبوت کے خزینوں میں سے ایک خزینہ تھے۔ جن سے اللہ کریم زمانوں کو فیضیاب فرماتے ہیں۔ آپؒ تعلیمات و برکاتِ نبوت ﷺ سے مزین تھے، رشد و ہدایت سے مالا مال، ایک ایسا روشن مینار تھے جس کی ہر کرن سے مفاہیم قرآن مترشح ہوئے۔ آپؒ اللہ تعالیٰ کی اُن برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جن پر اللہ کریم نے علم لدنی کے خزانے اُنڈیلے اور جنہیں توفیق بخشی کہ وہ اس کی مخلوق کو سیراب کریں۔ آپؒ مفسر قرآن ہی نہیں بلکہ جیتی جاگتی تفسیر قرآن تھے۔ اللہ کریم حضرت جیؒ کے نقوشِ کفِ پا کو آنے والے زمانوں کے سینوں پر سجا دیں اور آپؒ کو اپنی مخلوق کی راہبری کا سبب بنا دیں۔ آمین!

اللہ کریم حضرت جیؒ کے درجات بلند فرمائیں اور قرآن کی خدمت قبول فرماتے ہوئے انہیں اپنے انتہائی مقربین بارگاہ میں شامل فرمائیں۔ آمین ثم آمین!

آخر میں یہ ضرور لکھنا چاہوں گی کہ میرے انتہائی محترم حضرت جیؒ نے حق بیان کرنے کا حق ادا کر دیا، اب یہ فیصلہ اُمت کا ہے کہ وہ اس مخلص و عظیم مفسر و مفکر قرآن کے خلوص اور خیر خواہی کا کیا جواب دیتی ہے! ہاں یہ یقینی بات ہے کہ اللہ کریم اپنے مخلص بندوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں اپنے عظیم مربی و مکرم شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قدر کی توفیق بخشیں۔ ہمیں اُن کی تربیت سے فیض یاب ہونا نصیب فرمائیں اور ہمارے قلوب کو ہمیشہ اُن سے نسبت نصیب رہے۔ آمین۔

حقیقی و کامل وراثت

مولانا محمود خالد۔ دارالعرفان

تعمیر بیت اللہ کے وقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام نے چند دعائیں مانگیں جن کا ذکر پہلے پارہ کے آخر سورۃ البقرہ، آیات 126 تا 129 میں ہے۔

ان میں سے ایک آخری دعا نبی رحمت ختمی مرتبت ﷺ سے متعلق ہے۔ اس دعا میں انہوں نے اوصاف رسالت بیان فرماتے ہوئے گزارش کی کہ وہ عظیم الشان پیغمبر تلاوت آیات، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ باطن کے فرائض انجام دے سکیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس دعا کی قبولیت کا تذکرہ تحویل قبلہ کی طرح بطور نعمت کے سورہ بقرہ کی آیت نمبر 151 میں یوں فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ: ''جیسا کہ ہم نے تم میں سے تمہارے پاس پیغمبر بھیجا جو ہماری آیات تم کو پڑھ کر سناتے ہیں اور تم کو پاک کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتے ہیں اور تم کو وہ (علوم) سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔''

پھر مومنین پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے سورہ آل عمران کی آیت 164 میں فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

ترجمہ: ''یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر (بہت بڑا) احسان کیا ہے کہ جب ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمائے جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور اگرچہ وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔''

اور آخر میں اپنا ذاتی تعارف پیش کرنے کے لیے نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر سورۂ جمعہ کی آیت 2 میں فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں، ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجے (حضرت محمد ﷺ) جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتے ہیں۔ اور یہ لوگ (آپ کی بعثت سے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

ہر سہ جگہ پر اوصافِ رسالت کہیے یا فرائض نبوت کا نام دیجئے وہی اوصاف باقی رکھے مگر ان کی ترتیب بدل دی۔ دعائے ابراہیمی میں تزکیہ کا ذکر آخر میں تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے اسے تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب وحکمت سے پہلے ارشاد فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کریم یہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ جس کا تزکیہ ہو چکا ہوگا تعلیم و کتاب حکمت کا صحیح اور حقیقی فائدہ اسی کو ہوگا۔

الحمدللہ تلاوت آیات کیلئے مدارس و مکاتب عام ہیں اور حفاظ وقراء فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ تزکیہ کے لیے خانقاہیں ہیں اور اولیاء کرام، صوفیاء عظام فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

تعلیم کتاب وحکمت کے لیے دارالعلوم اور جامعات ہیں اور علماء کرام مختلف شعبوں میں اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ جو صاحب کسی ایک شعبہ میں اپنا فریضہ سرانجام دے رہا ہے وہ اپنے شعبہ میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا وارث ہے اور جو ایک سے زائد میں فرائض سرانجام دے رہا وہ ان حصوں میں نبی کا وارث ہے اور جو تمام شعبوں میں کام کر رہا ہے وہ نبی آخر الزماں ﷺ کا مکمل وارث ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اپنی تفسیر میں دعائے ابراہیمی کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی حسب ذیل حیثیتیں (شانیں) بیان فرماتے ہیں:

-1	یتلوا علیھم اٰیٰتک	مبلغ اعظم
-2	ویعلمھم الکتٰب	معلم اعظم
-3	والحکمة	مرشد اعظم
-4	یزکیھم	مصلح اعظم

آمدم برسرِ مطلب:

اس تحریر سے مقصود صدیقِ دوراں حامل عبدیت قاسم فیوضات و برکات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ نبی رحمت ﷺ کے اوصاف بالا کے حامل فرائض نبوت کو سرانجام دینے والے اور درج بالا حیثیتوں کے مظہر تھے۔

ان شاءاللہ پہلے حصہ میں ان کی کلی ذاتی سیرت وکردار ہوگا۔ دوسرے حصے میں ان کی ان فرائض کی بجا آوری کا تذکرہ ہوگا۔

مبلغ اعظم یتلوا علیھم اٰیٰتک

روزانہ تین پارے تلاوت آپ کا معمول تھا۔ آپ نے صقارہ اکیڈمی میں دارالحفاظ قائم فرما کر تلاوت آیات کے فریضہ کو ہمیشہ کے لیے جاری وساری فرما دیا۔ جہاں ہر قسم کی گروہ بندی، تنگ نظری اور فرقہ واریت سے پاک ماحول میں تجوید وقرأت کے ساتھ حفظ وناظرہ کی تعلیم کا اہتمام ہے۔

نیز آپ کے خطبات وتقاریر تبلیغ دین کا مؤثر ذریعہ ہیں جو اُمت کی ہدایت وراہنمائی کے لیے مینارہ نور ہیں۔ آپ نے اپنے ذاتی خرچ سے بہت سی مساجد تعمیر کروائیں۔

قاسم فیوضات ہر مسلمان کو قرآن پاک کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتے تھے۔ جناب ابو الاحمدین رحمۃ اللہ علیہ قاسم فیوضات کے بارے لکھتے ہیں:

''تصدیق اور تعلق بالشیخ کے بعد اگلا مرحلہ تربیت کا تھا۔ اس میں بھی حضرت امیر مکرمؒ کے ہاں حضرت صدیق اکبرؓ کی سنت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ حضرت جیؒ (قلزم فیوضات مولانا اللہ یار خانؒ) کے بعد سلسلہ عالیہ کا بارِ امانت انہیں تفویض ہوا اور اس ذمہ داری کیلئے انہیں (قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ) کو اس طرح تیار کیا گیا کہ روزِ اول ہی سے حضرت جیؒ کی مستقل رفاقت کی صورت تربیت کا عمل شروع ہوا اور آخر وقت تک جاری رہا۔

اس وقت حضرت جیؒ اپنی ذات میں تنہا تھے۔ لیکن جس شخص نے حضرت جیؒ کے بعد ان کے مشن کو سنبھالنا تھا اسے نہ صرف تصدیق میں تولیت کا شرف ملا، اعتماد بالشیخ میں کمال حاصل ہوا بلکہ مستقل تربیت کے لیے روزِ اول ہی سے حضرت جیؒ کی رفاقت نصیب ہوئی جو حضرت صدیق اکبرؓ کی سنت کے عین مطابق تھی۔ اس طرح ایک طویل مدت تک انہوں نے حضرت جیؒ کے زیر تربیت رہتے ہوئے نہ صرف تعلیمات نبوی ﷺ حاصل کیں بلکہ انعکاسی طور پر علم لدنی سے بھی نوازے گئے۔

مولانا محکم الدین فاضل دیوبند حضرت مدنیؒ کے براہِ راست شاگرد تھے۔ حضرت امیر المکرم کا درس قرآن سنا تو پوچھنے لگے یہ کہاں سے فارغ التحصیل ہیں؟ وہ یہ بات ہرگز ماننے کو تیار نہ تھے کہ

انہوں نے کسی مدرسے میں باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ اس قرآن فہمی کے باعث حضرت امیر المکرمؒ کا مفسرین کرام میں شمار ہوا جسے حضرت جیؒ کی ایک کرامت تسلیم کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی کوتاہ عقل نے بنوری ٹاؤن سے حضرت امیر المکرمؒ کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کے لیے یہ سوال لکھ بھیجا کہ حضرت جیؒ کے بعد، جو کہ ایک جید عالم تھے، کیا وہ ان کی جگہ شیخ طریقت کے منصب پر فائز ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے کسی مدرسے میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ وہاں کے مفتی صاحب نے بغیر کسی لمبی چوڑی تشریح کے دو ٹوک جواب لکھ بھیجا کہ جو شخص 25 سال تک مسلسل حضرت جیؒ کے زیر تربیت رہا ہو جو اپنی ذات میں ایک عظیم یونیورسٹی تھے۔ اسے کسی اور مدرسے میں شاگردی کی ضرورت نہیں۔

حضرت امیر مکرمؒ کا سب سے بڑا امتیاز ترویج سلسلہ عالیہ کی نسبت سے ہے جس کا تذکرہ نہ صرف اگلے ابواب میں جا بجا نظر آئے گا بلکہ آنے والی ہر نئی صبح اس کی شہادت دے رہی ہے۔

(ابو الاحمدینؒ، حیات جاوداں (ا)، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دارالعرفان منارہ، چکوال، ص:163)

معلم اعظم ویعلمھم الکتب

حضرت قاسم فیوضات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ کریم نے مجھ پر خاص احسان فرمایا، بہت نوازا مجھے۔ بارگاہِ نبوی ﷺ میں خادم کی حیثیت سے قبول کیا اور راہِ سلوک کے مسافروں کی خدمت کے لیے بھی منتخب کیا۔''

علم قرآن کے بارے میں یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جس طرح کی زندگی ماضی میں، میں نے گزاری تھی، اس میں پے در پے حادثات کی وجہ سے اعلیٰ دینی اور دنیوی علوم حاصل کرنے کا مجھے موقع نہ مل سکا۔ یہی وجہ تھی کہ سوائے حضرتؒ کے زیر سایہ رہنے اور قلبی اور باطنی تربیت کے میرے پاس اس ضمن میں کچھ نہ تھا۔ حضرت جیؒ کو تفسیر قرآن کے لیے فرصت میسر نہ آئی۔ آپؒ نے صرف ''تفسیر آیات اربعہ'' لکھی۔ میں نے ان دنوں حضرت جیؒ کی ہمراہی میں بیت اللہ شریف پر حاضری دی تو پہلی نگاہ بیت اللہ شریف پر ڈالتے وقت اپنے لیے ''علم لدنی'' کی دعا کی، جو قبول ہوئی اور اللہ کریم نے مجھے فہم قرآن عطا فرما دیا جو اسرار التنزیل کی چھ جلدوں کی صورت میں موجود ہے۔''

'اسرار التنزیل' انگریزی میں بھی شائع ہوئی ہے جس کی پانچ جلدیں ہیں۔ جناب پروفیسر عبدالرزاق صاحب کی شہادت:

''یہ 1971ء کی بات ہے۔ اہل اللہ کی ایک جماعت جس میں حضرت مولانا (امیر محمد اکرم اعوانؒ) بھی شامل تھے۔ حضرت جی (قلزم فیوضات مولانا اللہ یار خانؒ) کی معیت میں ملتزم پر حاضر تھی جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ عطاء وکرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ اس کتاب کے مصنف کو وہ نعمت خصوصی عطا ہوئی جو صرف ان کا ہی حصہ تھی یعنی ''فہم قرآن۔'' اس کے بعد سننے والوں نے سنا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت مولاناؒ کی زبان سے قرآن حکیم کی تفسیر کرتے ہوئے وہ مضامین جاری ہونے لگے کہ اہل علم اور ان لوگوں کی زبان سے بے ساختہ نکلا جن کی عمریں درس قرآن میں گزری تھیں، ''اس آیت کا اصل مفہوم تو آج سمجھ میں آیا۔''

محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کا پیغام اور قرآن کا مفہوم ان کے قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا جس کو اصطلاح میں ''علم لدنی'' کہتے ہیں۔ (اسرار التنزیل کا تعارف، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ چکوال 2005ء)

الحمدللہ، ثم الحمدللہ حضرت مولانا قاسم فیوضاتؒ نے اسرار التنزیل کی شرح 'اکرم التفاسیر' کی صورت میں بیان فرمائی جو 31 جلدوں میں موجود ہے۔ آپ کی تیسری تفسیر پنجابی تفسیر ہے جو طبع ہونے والی ہے۔ قرآن پاک کا آسان اردو ترجمہ 'اکرم التراجم' کے نام سے بار بار شائع ہو رہا ہے جو قبولیت عام کی دلیل ہے۔ اکرم التراجم کا انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے اور سندھی ترجمہ زیر طباعت

ہے۔ اکرم التراجم کے رنگین لفظی ترجمہ پر بھی کام ہو رہا ہے۔

یوں آپ نے اُمت مسلمہ کے لیے تعلیم کتاب کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ آپ دارالحفاظ کی کامیابی کے بعد درس نظامی بھی شروع کرنا چاہتے تھے مگر جاری نہ ہو سکا۔ آپ کے جانشین شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت امیر عبدالقدیر اعوانؒ صاحب اُن کی اس خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے فکرمند ہیں۔ انشاء اللہ یہ شعبہ بھی قائم ہو جائے گا۔

آپ نے سالکین کی دینی تربیت کے لیے تعلیم بالغاں کا اہتمام فرمایا۔ سالانہ اجتماع اور اعتکاف میں انہیں باقاعدہ ہشت روزہ، سہ ہفتہ، پنج ہفتہ کورسز کرائے جاتے ہیں اور کامیاب ہونے والوں کو شیخ سلسلہ اپنے دست اقدس سے اسناد بھی تقسیم فرماتے ہیں یہ کورسز قرآن، حدیث، فقہ اور عربی پر مشتمل ہیں۔ جن کے ذریعہ قرآن و حدیث اور ضروری مسائل دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے: العلم علمان، علم الابدان وعلم الادیان۔

علم الادیان کیلئے آپؒ کی کاوشوں بارے آپ پڑھ چکے۔ علم الابدان کے لیے آپ نے صقارہ ایجوکیشن سسٹم قائم کیا۔ دارالعرفان منارہ اور اویسیہ سوسائٹی لاہور میں صقارہ بوائز اور گرلز سکول نیز کالجز قائم کئے۔ صقارہ نظام تعلیم کے مقاصد ملاحظہ ہوں:

صقارہ نظام تعلیم کا مقصد ایک ایسا نظام متعارف کرانا ہے جس میں نونہال وطن جدید ترین دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دینی شعور سے بھی پوری طرح بہرہ ور ہوں۔ ان کی کردار سازی ایسے خطوط پر کی جائے کہ وہ اپنے حقوق و فرائض کو پہچانتے ہوئے جس شعبہ زندگی میں بھی جائیں، اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھیں۔ وطن عزیز کو ایسے ماہر، دیانتدار، امانتدار، صادق، پاکباز، سچے مسلمان اور محب وطن شہری فراہم کیے جائیں تا کہ ایک خوبصورت اسلامی معاشرہ تشکیل پا سکے۔

دین اسلام کے لیے آپ کی خدمات کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ

"The Royal Islamic Strategic Studies Centre Jordan"

کے زیر اہتمام چھپنے والی کتاب "The Muslim 500" میں اُمت مسلمہ کی بین الاقوامی سطح پر جن پانچ سو متاثر کن شخصیات کا ذکر کیا گیا، آپؒ کا نام ان میں کئی سال تک شامل رہا۔

والحکمۃ (سنت) مرشد اعظم:

حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"والخلافۃ الباطنۃ تعلیم الکتاب والحکمۃ ویز کیھم بالنور الباطن بقوارع للوعظ و جواذب الصحبۃ سما قال عن من قائل لقد من اللہ۔ - (تفہیمات الٰہیہ، ج:1، ص:31)

''اور خلافت باطنہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیم دی جائے اور لوگوں کے دلوں کا تزکیہ نور باطن سے ایسے مواعظ سے کیا جائے جو کانوں کو کھڑکھڑا دیں اور کاملین کی ایسی صحبت میسر آئے جس میں جذب کی شان ہو اور دل اس طرف کھنچ جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا......''

قرآن کریم کی تفاسیر کے بعد آپؒ (قاسم فیوضاتؒ) نے مشکوٰۃ شریف سے درس حدیث دینا شروع فرمایا۔ آپ نے علمی ابحاث کو علماء کرام پر چھوڑا اور مفاہیم احادیث سے سنتوں کو اُجاگر کیا تا کہ عامۃ المسلمین سنت نبوی ﷺ کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کر سکیں۔ یوں آپؒ نے اپنی زندگی قرآن و سنت کی خدمت میں صرف کردی۔ جزاھم اللہ احسن الجزا۔

الحکمۃ (اسرار مخفیہ و رموز لطیفہ)

آپؒ نے اسرار التنزیل لکھی تو ایک مفتی صاحب نے آپ کو لکھا کہ آپ نے تفسیر میں اسرار الٰہی عیاں کر دیئے ہیں حالانکہ پہلے

مفسرین نے یہ باتیں نہیں لکھیں۔ آپؒ نے انہیں جواباً لکھا ''اللہ کریم کو معلوم تھا میں اسے اسرار کی باتیں بتا رہا ہوں، یہ لوگوں کو بتا دے گا۔ اگر اظہار درست نہ تھا تو اللہ کریم مجھے نہ بتاتے تاہم کوئی بات شریعت مطہرہ کی حدود سے باہر ہے تو نشاندہی فرمائیں تاکہ رجوع کریں۔ نگران مفتی صاحب کی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے کوئی ایسی بات معلوم نہ ہوئی۔

الحکمۃ (حکیمانہ ودانشمندانہ باتیں)

اس سلسلہ میں تین واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت قاسم فیوضاتؒ ''اکرم التفاسیر'' میں غزوۂ اُحد کے بارے فرماتے ہیں:

بہت سے مفسرین اور علمائے جدید نے غزوۂ اُحد میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ کفار کو بھاگتا دیکھ کر کفار کا چھوڑا ہوا مالِ غنیمت لوٹنے کے لالچ میں آگئے اور درّہ چھوڑ دیا۔ یہ خیال اس لیے درست نہیں کہ تمام مالِ غنیمت ایک جگہ اکٹھا ہوتا تھا اور امیرِ لشکر تقسیم فرماتے تھے۔ اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو جاتا تھا اور باقی چار حصے مجاہدین میں اس طرح تقسیم کئے جاتے کہ سوار کے دو حصے ہوتے کہ اس کے ساتھ اس کا گھوڑا یا کوئی اور سواری کا جانور بھی ہے اور پیادہ کا ایک حصہ ہوتا لہٰذا یہ منطق بالکل غلط ہے کہ وہ لوٹنے کے لیے درّہ چھوڑ آئے۔

دوسری غلط فہمی بعض دانشوروں کو یہ ہوئی اور انہوں نے لکھا ہے کہ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی لیکن یہ کہتے ہوئے وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے؟ اور وہ یہ بات کس بنیاد پر کہتے ہیں؟ مسلمانوں کو اُحد میں شکست اس لیے نہیں ہوئی کہ مشرکین مکہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔

جاننا چاہیے کہ مشرکین مکہ کا جنگ کرنے کا مقصد کیا تھا؟ ان کا مقصد ریاست اسلامی مدینہ منورہ کو نقصان پہنچانا اور حضور اکرم ﷺ کو شاید جانی نقصان پہنچانا تھا۔ تو کیا وہ اپنے پہلے مقصد میں کامیاب ہوئے؟ کیا دوسرا مقصد پورا ہوا؟ اور کیا وہ میدان کفار کے پاس چلا گیا جہاں جنگ ہوئی تھی جس فوج کے قبضے میں میدانِ جنگ آجائے وہ فاتح ہوتی ہے یا وہ جو میدان چھوڑ کر بھاگ جائے؟ اگر اہل مکہ میدان سے مسلمانوں کو بھگا دیتے، اُحد پر قبضہ کر لیتے، دو دن وہاں رُکتے تو پھر کہا جاسکتا تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی لیکن کفار کو تو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا، شہر تک وہ پہنچ ہی نہ سکے۔ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور نبی کریم ﷺ کی جان محفوظ رہی اور وہ اپنے اس مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میدان چھوڑ کر کفار و مشرکین یوں بھاگے کہ اپنا سامانِ حرب اور اپنے مردے تک چھوڑ گئے۔ مجاہدین انہیں پیچھے سے مارتے اور ان کا تعاقب کرتے روحا تک گئے۔ تو کس طرح اسے مسلمانوں کی شکست لکھا جاتا ہے۔ شکست بہرحال کفار کو ہوئی اس لیے کہ اللہ کا وعدہ تھا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (آل عمران:120) کہ'' ان کا فریب تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

خود نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے۔ جہاں حضور ﷺ ہوں وہاں کامیابی یقینی ہے لہٰذا فتح مسلمانوں کی ہوئی۔

(ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دارالعرفان منارہ چکوال، 2013ء، ج:4، ص:105)

حضرت قاسم فیوضاتؒ لکھتے ہیں:

یہ اقوال زلیخا کے ہیں یا یہ ارشادات یوسف علیہ السلام کے اور میں اپنے نفس کی جرأت بیان نہ کروں گی کہ نفس انسان کو ہمیشہ برائی کی طرف لے کر جاتا ہے سوائے اس کے کہ میرا پروردگار رحم فرمائے اور ہدایت نصیب ہو کہ'' وما ابری نفسی '' میرا پروردگار بہت بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ آیت نمبر 52 اور 53 جو ابھی بیان ہو رہی ہیں اکثر مفسرین نے انہیں یوسف علیہ السلام کا قول لکھا ہے لیکن جہاں تک اللہ کریم نے مجھے سمجھ بخشی ہے میرے نزدیک یہ قول زلیخا کا ہے اگرچہ اکثر مفسرین کرام نے اللہ ان سب پر رحم فرمائے، اس کے خلاف لکھ کر ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ زلیخا کا قول بھی ہو سکتا ہے

مگر قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے جو تفسیر صرف سورۂ یوسف کی لکھی ہے اس میں انہوں نے پوری قوت سے یہ لکھا ہے کہ یہ زلیخا کے اقوال ہیں۔ کسی ایک بزرگ نے یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب فرما دیا تو اکثر حضرات نقل فرماتے چلے گئے۔ یہاں کوئی روایت ایسی نہیں ملی کہ جسے بنیاد بنا کر یہ کہا جائے کہ یہ یوسف علیہ السلام کے ارشادات ہیں نہ ہی مضمون کتاب میں قرینۂ صارفہ ہے۔ جو کلام کو یوسفؑ کی طرف پھیر دے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بادشاہ نے طلب کیا مگر آپؑ تشریف نہ لائے اور تحقیقات کرنے کو فرمایا۔ اس نے زلیخا سمیت تمام عورتوں کو بلا لیا۔ یوسف علیہ السلام جیل میں ہیں، بات دربار میں ہو رہی ہے۔ جب بات ختم ہو چکی تو ارشاد ہوتا ہے: وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ (یوسف: 54) کہ یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لایا جائے تو یہ درمیان میں ان کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟

(مزید مطالعہ کیلئے اکرم التفاسیر، جلد 13 ملاحظہ فرمائیں)

(اسرار التنزیل، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، 2017ء، ج:3، ص:283-282)

حضرت قاسم فیوضات رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کا معجزہ کہ ابوجہل کی بند مٹھی میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا، یہ معجزہ ہے۔ حالانکہ بات اس سے بہت بڑی ہے۔ کنکر، پتھر، جمادات و نباداتِ حتیٰ کہ ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ.

ترجمہ: ''اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔'' (بنی اسرائیل:44)

تو پتھر، کنکر، پہاڑ، دریا ہر آن ذکر الٰہی میں مصروف ہیں۔ ہمیں ادراک نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے انسانی سماعتوں کو وہ لطافت عطا کر دی کہ انہیں کنکریوں کا ذکر سنائی دینے لگا اور کمال یہ ہے کہ بدترین کفار نے بھی سنا کہ مومن کا سننا تو بڑی بات نہیں۔

(کنوز دل، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان، منارہ چکوال 2019ء، ص:64)

چند تفسیری خصوصیات بھی ملاحظہ ہوں جن سے ان کی حکمت نمایاں ہوتی ہے۔

محترمہ بنت سیماب طال اللہ عمرھا اکرم التفاسیر کا تعارف کراتے ہوئے لکھتی ہیں:

''اکرم التفاسیر چونکہ بیانیہ تفسیر ہے اس لیے یہ عام اور جدید حالات کے تناظر میں انسان کو پیش مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں بتاتی ہے۔ جہاں قانون دان، عدالتوں میں اس کے حوالے دے کر عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ وہاں نفسیات دان، انسانی زندگی کے نفسیاتی مسائل کی وجہ، پراسس اور حل اس قرآن و سنت کی روشنی سے حاصل کر کے انسان کی مشکل زندگی کو آسان بناتے نظر آتے ہیں۔ جہاں اہل معاشیات پیچیدہ کا سادہ اور عملی حل پاتے ہیں وہیں گھریلو اور خاندانی زندگی میں اخلاص و محبت درگزر اور اعلیٰ حوصلگی کے ذریعہ تمام روابط کو فطری آسودگی مہیا کرنے کے عملی راستے واضح ہوتے ہیں۔ صاحب تفسیر نے حالات حاضرہ کے تناظر میں جس طرح اُمت مسلمہ کی زندگی کے ہر پہلو کا حل قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ سے پیش کیا ہے وہ انہیں کا خاصہ ہے۔ اس تفسیر میں شیخ المکرم سنت نبی اکرم ﷺ کی روشنی میں لوگوں کے بوجھ ہلکے کرتے اور لوگوں کی گردنوں سے رسومات اور غلامی کے طوق اُتارتے نظر آتے ہیں۔ اکرم التفاسیر کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اسے پڑھ کر آپ ﷺ کی غلامی کرنے کو جی چاہتا ہے اور جب انسان کا دل کسی کام میں شامل ہو جائے تو اسے بدلنے اور اشرف المخلوقات بننے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔'' (اکرم التفاسیر، ج:4)

جناب ابو الاحمدینؒ بعنوان ''امیر المکرم بحیثیت مفکر قرآن'' میں لکھتے ہیں:

''یہ دور اس فکر قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اُجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اُتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند

کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بیباکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاء اللہ پھر غلبہ اسلام ہوگا۔''

امیر المکرم نے فکر قرآنی کی بات کرتے ہوئے اُمت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دُور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم اُمید افیون سے کم نہیں۔ جس نے اُمت کو بتلا دیا کہ کفر سے نمٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔

حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرمؒ امام مہدی کی آمد کے بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

4- وَیُزَکِّیْہِمْ مصلح (مزکی) اعظم

حضرت قاسم فیوضات رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نور و ظلمت کو متوازن رکھتے ہیں۔ قرب قیامت میں امام مہدی کا نور ولایت ناکافی ہوجائے گا تو اس وقت کی ظلمات کا مقابلہ کرنے کے لیے نور نبوت کی ضرورت ہوگی ایسے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا وہ اپنی شان نبوت کے باوصف نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے اُمتی کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوں گے۔ اس طرح اس قریبی گزشتہ دور میں عمومی ولایت کارگر نہ تھی تو یکے بعد دیگرے دو مشائخ (اعلیٰ حضرت قلزم فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ اور ان کے شاگرد رشید قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ) منصب صدیقیت سے نوازے گئے اور یوں ظلمات دم توڑ گئی۔ پوری دنیا میں نور ہدایت روشن ہونے لگا۔

مشت نمونہ از خروارے قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ نور اللہ مرقدہٗ کی روحانی ترقیوں کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں:

قلزم فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ ''مناصب ولایت'' کی ترتیب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابدال، قطب ابدال، قطب مدار، قطب ارشاد، قطب الاقطاب، غوث، قیوم، افراد، قطب وحدت اور صدیق۔''

اسرار الحرمین میں قطب مدار کے حوالے سے حاشیہ میں لکھا ہے: ''یہ 1974ء کے لگ بھگ کا زمانہ تھا کہ حضرت جیؒ کی ایک محفل میں حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر آ گیا۔ حضرت جیؒ نے اپنے دیرینہ شاگرد قاضی ثناء اللہ جو انتہائی تیز صاحب بصیرت تھے، سے فرمایا: قاضی جی! خیال کرو کہ خواجہ خضر علیہ السلام کہاں ہیں؟ قدرے سکوت کے بعد قاضی جیؒ نے عرض کیا! خوب تلاش کیا ہے آسمانوں میں تو نہیں۔ فرمایا زمین میں ہی دیکھ لیں۔ قاضی جیؒ نے عرض کیا زمین پر بھی نظر نہیں آ رہے اس پر حضرت جیؒ نے فرمایا: اس کمرے میں بھی دیکھا ہے؟ قاضی جیؒ فوراً بولے: حضرت! وہ تو اسی کمرے میں ہیں۔ حضرت جیؒ خوب محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ ''یہ بتانا تھا کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں پر نگاہ کرنے والے کو اپنی جگہ کی خبر نہیں ہوتی۔

خواجہ خضر علیہ السلام تو ہمیشہ قطب مدار کے ساتھ ہوتے ہیں یہیں دیکھ لیتے۔ قطب مدار یہیں بیٹھا ہے اس وقت حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اس دور کے قطب کے ہمراہ تھے اور وہ قطب مدار (الشیخ امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی) حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس سے قبل 1973ء میں حضرت جیؒ نے حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے نام اپنے ایک مکتوب میں اسی منصب کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔'' آپ کو اللہ و رسول ﷺ اور مشائخ کی طرف سے زنجیر ڈال کر جج پر لے جایا جا رہا ہے۔ سوچیں! آپ کو غالباً یقیناً آسمان و زمین کا ستونی منصب ملنے والا ہے۔ اس امر کو دل میں رکھیں، کسی سے

اظہار نہ کرنا میں نے کافی عرصہ سے اس منصب کے بارے میں آپ کا نام نامی پیش کیا تھا۔ یہ منصب اطاعت اللہ و رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے اور مشائخ کے جوتوں کی دھوڑ (خاک) کو سرمہ بنانے سے ملتا ہے اور خود ذاتِ رب العالمین اس بندہ کو استعداد ودیعت فرماتے ہیں۔"

(اسرار الحرمین، نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان، منارہ چکوال 2015ء، حاشیہ، ص:11)

بفضل اللہ پھر آپؒ غوث کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے درجہ غوثیت کے دوران ایک اہم فیصلہ ہوا جس کا ذکر کنوزِ دل صفحہ 201 پر ہے۔ پھر آپ قیوم ازاں بعد فرد بالآخر صدیق کے منصب سے نوازے گئے۔ قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ اسرار التنزیل میں لکھتے ہیں:

یہ مناصبِ ولایت جس مزاج کے لوگوں کو نصیب ہوں عامۃ المسلمین اس طرف چل پڑتے ہیں اور قدرتی طریقے سے اس کے وجود کی برکات ذہنوں میں زیر و بم پیدا کرتی ہیں فی زمانہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ مناصب ولایت میں نہ صرف صدیق موجود ہے بلکہ دورِ حاضرہ کا صدیق اللہ کریم کی طرف سے "امام الصدیقین" ہے۔

(نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان، منارہ چکوال 2009ء، جلد 4، ص:242)

آپ کے فضائل ومناقب میں سب سے اہم اور منفرد بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو ایک صحابی جن کی ملاقات کا شرف بخشا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ تو تھی قاسم فیوضاتؒ کے ذاتی مجاہدہ اور اللہ کریم کے ان پر انعامات واحسانات کی باتیں۔ آپؒ اپنی روحانی ترقیوں پر ہی قانع نہیں ہوئے اپنی روحانی اولاد کی فکر کرتے ہوئے ایک دفعہ انہیں مخاطب ہو کر فرمایا:

"توجہ اس بات پر ہونی چاہیے کہ یہ دلائل ذوقی، یہ قربِ الٰہی کے شواہد، یہ منازل مجھے بھی نصیب ہونے چاہئیں۔ اس کی طرف دوستوں کی توجہ کم ہے۔ یہ میرا اندازہ ہے مجھے یہ شکایت ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ کسی کے مراقبات ثلاثہ ہیں تو بارہ سال سے مراقباتِ ثلاثہ پہ ہی بیٹھے ہیں۔ بھئی تمہیں خیال نہیں آیا کہ میں کچھ اور حاصل کرلوں؟ کہاں کھو گئے؟ جدھر سے اللہ کریم نے منع فرمایا تھا کہ ان لوگوں کی بات نہ ماننا، اُن کی مجلس میں، اُن کی باتوں میں آگئے۔ کسی کو فنا فی الرسول ﷺ نصیب ہوا، روحانی بیعت بھی ہوئی پھر برسوں بیت گئے اُسی پر ہیں۔ کسی کو فنا بقا نصیب ہوا، کوئی سالک المجذوبی پر ہے۔ جہاں جس کو دیکھتا ہوں وہ بڑے مزے سے وہاں بیٹھا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ حکم ہو رہا ہے۔

واقترب... اللہ کا قرب حاصل کرو۔ زندگی کا ہر لمحہ اس پہ لگاؤ کہ کچھ مزید حاصل ہو جائے، اور حاصل ہو جائے۔

واقترب... قرب حاصل کرو، زیادہ سے زیادہ حاصل کرو۔

(قربِ الٰہی، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان، منارہ چکوال 2016ء، ص:14۔15)

حضرت قاسم فیوضاتؒ اُمتِ مسلمہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: 'ارے بھائی! کسی کے پاس اپنا چراغ ہو لیکن اُس نے جلایا نہ ہو کیا صرف چراغ سے راستہ دیکھ لے گا۔ چراغ جلتا ہوا چاہیے اس میں تیل بھی چاہیے۔ ارشاداتِ نبوی ﷺ چراغ ہیں لیکن ان کا تیل تیرا اور میرا خون ہے۔ ان کی بتی تیرا اور میرا دل ہے یہ جلے گا، یہ روشن ہوگا، اس میں آگ بھڑکے گی تو ظلمت ہٹنا شروع ہو جائے گی، روشنی پھیلنا شروع ہو جائے گی اگر اس میں آپ تیل بھی نہیں ڈالتے، اسے اپنے جگر کا خون بھی نہیں پلاتے، اپنی جان بھی بچاتے ہیں، اسے جلانا بھی نہیں چاہتے ہیں تو خالی چراغ کو سر پر اُٹھائے رکھو راستہ تو نظر نہیں آئے گا۔ جواب طلبی یہ ہوگی کہ تو نے چراغ کیوں نہ جلایا تا کہ دنیا سے ظلمتیں اُٹھ جاتیں اور نور پھیل جاتا۔"

(قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ، طریق نسبت اویسیہ، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دار العرفان، منارہ، چکوال، 2008، ص: 545۔547)

سیدی و مرشدی

نوید اشرف (واہ کینٹ)

میرا تعلق صوبہ پنجاب اور صوبہ سرحد کے سنگم پر واقع ایک گاؤں سے ہے۔ علاقہ کے مشہور کھٹڑ خاندان سے میرا تعلق ہے۔ والد صاحب نیوی سے ریٹائر ہوکر 1981ء میں بیرون ملک روزگار کے سلسلہ میں چلے گئے تب ہم لوگ واہ کینٹ رہائش پذیر ہوگئے۔ واہ کینٹ چونکہ میرے ددھیال اور ننھیال دونوں سے بہت قریب تھا اس لیے واہ کینٹ کو رہائش کے لیے منتخب کیا گیا۔ میرے ننھیالی خاندان میں اکثریت جرائم پیشہ لوگوں کی ہے۔ کئی پشتوں سے قتل و غارت گری میں مشہور ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں جب ذرا ہوش سنبھالا تو لوگوں کو اپنے متعلق ''خان جی'' کا تعظیمی صیغہ استعمال کرتے دیکھا تو دل میں تکبر اور بڑائی کا ایک پودا لگ گیا جسے موافق حالات نے ایک قدآور درخت بنا دیا۔ میٹرک بہت امتیازی نمبروں سے پاس کیا والدین کی بہت کوشش تھی کہ تعلیمی سلسلہ جاری رکھوں تقریباً چھ مختلف کالجوں میں داخلہ لیا مگر کہیں سے اپنی حرکتوں کی وجہ سے نکال دیا گیا اور کسی کالج کو خود چھوڑ دیا۔ کالج میں داخل ہوتے ہی برائی کی ایک نئی دنیا کا دروازہ کھل گیا تب تک اکبر الٰہ آبادی کے اس شعر کا صحیح مفہوم معلوم نہ تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

شراب نوشی، چرس اور دیگر جملہ معاشرتی و اخلاقی برائیوں میں گرفتار ہوگیا۔ والد صاحب سر پر موجود نہیں تھے اور پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ اگر ضرورت سے کم ملتے تو گھر سے چُرا لینا اپنا حق سمجھتا تھا۔ نشہ جو بطور چسکا شروع کیا تھا وہ آہستہ آہستہ جان کا روگ بن گیا۔ میٹرک کرتے ہی استعمال کے لیے اپنی گاڑی بھی مل گئی اور رہی سہی کسر گھر کے ایک پورشن نے پوری کردی جو صرف میرے استعمال میں تھا۔ پوری رات شراب، چرس اور فلم بینی میں گزر جاتی اور اگلے دن سہ پہر تک پڑا سوتا رہتا۔ علاقہ کے تمام نام نہاد صاحبزدگان سے میری دوستی تھی جو بہت اچھے خاندانوں کے سپوت تھے لیکن انتہائی بے راہ روی کا شکار تھے۔ کئی مرتبہ نشہ سے بچاؤ کے لیے ہزاروں روپے خرچ کرکے علاج بھی کرایا مگر کچھ ہی دنوں بعد پھر سابقہ روش بحال ہوجاتی۔ سونے پہ سہاگہ یہ ہوا کہ والدہ سے ضد کرکے رقم لی اور شہر کے مرکزی علاقہ میں ایک سنوکر کلب بنا ڈالا جس میں ایک کیبن شراب و کباب کے لیے مخصوص تھا۔

اسی دوران جوا کھیلنا بھی شروع کردیا، غرض یہ کہ میرا وجود تمام اخلاقی و معاشرتی برائیوں کا گڑھ بن چکا تھا۔ گھر والوں نے مجھ سے بات چیت کرنا بند کردی تھی، میرا بھی گھر کے ساتھ تعلق واجبی سا رہ گیا تھا۔ صرف میری والدہ تھیں جو میری حالت پہ کڑھتی رہتی تھیں۔ روزانہ رات یہ تہیہ کرکے سوتا کہ کل سے سب کچھ چھوڑ دوں گا لیکن اگلی صبح چرس کا بھرا ہوا سگریٹ میرا ناشتہ ہوتا۔ میری زندگی کا یہ تاریک دور 1992ء سے لے کر 1999ء تک جاری رہا۔ کسی نے والدین کو یہ مشورہ دیا کہ اس کی شادی کردو یہ ٹھیک ہوجائے گا۔ آخرکار آخری حربہ کے طور پر اپریل 1998ء کو میری شادی ماموں کی بیٹی سے کردی گئی۔ اب یہ ایک اور مصیبت تھی جو میرے گلے پڑگئی

تھی۔ میں تو راتیں نشے میں فلمی اداکاراؤں کے ساتھ گزارنے کا عادی تھا۔ بیوی کو کیسے برداشت کرتا، نتیجہ یہ ہوا کہ بیوی کے ساتھ تعلقات اس حد تک خراب ہو گئے کہ علیحدگی تک نوبت آ گئی۔ ماں اور بہنیں رو رو کر میرے سامنے التجائیں کرتیں کہ باز آ جاؤ مگر میرے سامنے رشتوں اور قدروں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ گھر والے سمجھتے تھے کہ مجھ پر کسی نے کالا جادو کر دیا ہے لیکن میں خود گناہوں کی دلدل میں دھنس کر اتنا غلیظ ہو چکا تھا کہ کالا جادو بھی مجھ سے کوسوں دُور بھاگتا تھا۔

پستیوں کی جانب میرا یہ سفر بہت تیزی سے جاری تھا۔ قریب تھا کہ میرا یہ سفر تجہین میں جا کر اختتام پذیر ہوتا۔ میری زندگی میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے میری کایا پلٹ دی۔ دسمبر 1999ء میں میرے خاندان میں جرم و سزا کا ایک ایسا واقعہ ہوا کہ جس کی خبر پورے علاقہ میں پھیل گئی۔ پولیس میں سنگین جرم کا مقدمہ درج ہوا۔ خاندان اور لوگوں کی سوالیہ نگاہیں میری جانب اُٹھنے لگیں کیونکہ میں اس واقعہ کا چشم دید گواہ تھا۔ میں نے سوچا کچھ عرصہ کے لیے روپوش ہو جاؤں لیکن آخر جاؤں کہاں؟

میرے تایا میجر احمد خانؒ جن کے گھر میں اکثر جایا کرتا تھا۔ وہاں باریش اور مولوی قسم کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ گاہے گاہے تایا جی مجھ پر بھی اپنے دعوتی داؤ پیچ آزماتے رہے لیکن میں کب ان کے دام فریب میں آنے والا تھا۔ میجر احمد خانؒ رمضان کے آخری عشرہ میں چکوال میں کسی جگہ سنت اعتکاف کے لیے جایا کرتے تھے۔ 25 دسمبر 1999ء کو پولیس میں مقدمہ درج ہوا اور اُس کے تین دن بعد میں میجر احمد خانؒ کے ہمراہ چکوال کے گاؤں منارہ کی جانب عازم سفر تھا۔ جہاں ان کے بقول ان کے پیر صاحب رہتے تھے اور بہت رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا تھا۔ لیکن مجھے اس سب سے غرض نہیں تھی میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ 10 دنوں کے لیے مجھے منہ چھپانے کی جگہ مل رہی تھی اور ساتھ میں تایا جی پر احسان بھی

ہو گیا تھا۔ ایک تیر سے دو شکار۔ چرس کی اچھی خاصی مقدار پاس موجود تھی جو مختلف دوستوں میں بانٹ آیا تھا ورنہ رات گزارنی ان کے لیے مشکل ہو جاتی۔ کچھ کوٹہ پاس رکھا اور منارہ کی جانب براستہ راولپنڈی روانہ ہو گئے۔ تایا جی گاڑی چلا رہے تھے، رستہ بھر وہ مجھے اپنے پیر صاحب کے قصے سناتے رہے اور میں بادل ناخواستہ سنتا رہا تا کہ تایا جی خوش ہو جائیں۔

عصر سے کچھ دیر قبل ہم لوگ دارالعرفان منارہ پہنچے۔ مسجد کی اوپری منزل میں جا کر بستر لگایا۔ وضو کے لیے پانی کے لوٹے بھرے۔ اب مسئلہ تھا وضو کیسے کروں میں تو عرصہ ہوا مسجد گیا ہی نہ تھا۔ وضو کرنے جو بیٹھا تو معلوم ہوا کہ وضو کا طریقہ بھول چکا ہوں۔ قریب بیٹھے ایک بابا جی کی نقالی کرتے ہوئے وضو کیا اور مسجد میں آ گیا۔ مغرب کی اذان کے ساتھ ہی مسجد کے برآمدے میں افطاری کا اہتمام تھا۔ سادہ سی افطاری ایک کھجور اور ایک پکوڑا حصہ میں آیا ہو گا۔ نماز کے فوراً بعد کھانے کی آواز لگی۔ مسجد کے برآمدے میں ہی کھانے کا بندوبست تھا۔ شوربے والی دال اور مکئی کی روٹی سے مشابہت رکھتی گندم کی ایک روٹی ملی جو کچھ نوالوں کے بعد ہی رکھ دی جبکہ اردگرد بیٹھے لوگ انہماک سے وہ شوربہ نما دال کھا رہے تھے۔

ستم ظریفی یہ کہ انگلیاں بھی چاٹ رہے تھے جبکہ میں اپنے فیصلہ پر پچھتا رہا تھا کہ یہ کیا غلطی کر بیٹھا ہوں۔ یہاں تو دس روز گزارنے بہت مشکل ہوں گے۔ اللہ والوں کی قربت سے فرار کے منصوبے ذہن میں آنا شروع ہو گئے میں نہیں جانتا تھا کہ اللہ والے اپنے پاس آنے والوں کو پھر جانے نہیں دیتے بلکہ ایک بار اللہ کے روبرو کر دیتے ہیں۔ کھانے کے بعد آواز آئی ساتھی مسجد میں آ جائیں، ذکر شروع ہونے والا ہے۔ بوجھل قدموں اور خالی پیٹ کے ساتھ بد دلی سے اُٹھا اور ایک صف میں جا کر بیٹھ گیا۔ بمشکل ذکر ختم کیا تھا کہ مراقبات شروع ہو گئے۔ ذکر کے بعد پیر صاحب کے کمرے کے قریب سے کسی شخص کے ہچکیوں سے رونے کی آواز آنے لگی۔ کچھ دیر

دیر بعد لائٹ آن ہوگئی تو دیکھا کہ سب لوگ ایک شخص کو گلے مل کر مبارکباد دے رہے ہیں اور وہ زاروقطار رو رہا ہے۔

میرے لیے زندگی کا یہ رُخ بالکل نیا تھا۔قریب موجود کسی شخص سے اس آدمی کے رونے کی اور اسے مبارکباد دینے کی وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ ان صاحب کی روحانی بیعت ہوئی ہے۔ مجھے تو ظاہری بیعت کا علم بھی نہیں تھا۔ مزید استفسار پر پتہ چلا کہ روحانی بیعت نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر ہوتی ہے۔ میں نے اس شخص کو دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے صف میں آکر بیٹھ گیا۔قدرت مجھ پر مہربان تھی وہ شخص بھی میرے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔عشاء کی نماز کا وقت قریب تھا میں نے اس شخص کو مبارکباد دی اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ میرے لیے بھی دعا کریں کہ میں نشے کی لت چھوڑ دوں اور مجھے بھی دردِ دل مل جائے۔ جیسے تمہاری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں میری آنکھوں سے بھی بہیں۔عشاء کے بعد اوپر والی منزل میں سونے کیلئے چلے گئے۔ دن کا تھکا ہوا تھا، جلد ہی سو گیا رات تقریباً ساڑھے تین بجے تہجد کے لیے جگایا گیا تو دل کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔ نورِ نبوت ﷺ کی وہ کرن جس نے عمر بن خطابؓ کو عمر فاروقؓ بنا ڈالا تھا اس کا کوئی کروڑواں ذرّہ مجھے بھی حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ کے قلب سے نصیب ہو چکا تھا۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کبھی کوئی غیر شرعی کام کیا ہی نہ ہو۔ اگلے دن یا اس سے اگلے دن جمعہ تھا۔ حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ جمعۃ المبارک کے بیان کیلئے مسجد میں تشریف لائے تو دل کو ایک قرار سا مل گیا۔ حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ کے بیان پر آنکھیں بار بار بھیگ جاتی تھیں۔ دردِ دل کی دعا لگتا تھا کہ قبول ہوگئی تھی۔ اعتکاف کے باقی دن بھرپور گزارے، یوں لگنے لگا کہ گزشتہ آٹھ سالہ دور جیسے میری زندگی میں آیا ہی نہ ہو۔اسی جمعۃ المبارک میں ظاہری بیعت کی سعادت بھی ملی۔

قبل ازیں مختلف اہل اللہ کے واقعات پڑھے تھے کہ جی اہل اللہ کی صحبت میں جائیں تو وہ لکڑیاں کاٹنے جنگل میں بھیج دیتے ہیں۔ بیس سال خدمت کرنی پڑتی ہے تب کہیں جا کر گوہرِ مقصود ہاتھ آتا ہے مگر یہاں تو صورت حال بالکل مختلف تھی۔ میں نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ہارٹ اٹیک ہوا، ڈاکٹر نے سگریٹ سختی سے منع کر دیئے مگر چھوٹیں کیسے یہ تو رگ وپے کا حصہ بن گئے ہیں۔ جان چلی جاتی ہے مگر سگریٹ تک نہیں چھوٹتے۔ مگر یہاں تو الحمدللہ ایک رات میں اللہ کریم نے سب کچھ چھڑا دیا۔ کوئی تگ ودو نہیں کرنا پڑی جو کچھ بھی ہوا، رات سوتے میں ہوا۔ اعتکاف کے دن گزار کر واپس لوٹا، عید کی رات عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد کی سیڑھیاں اُتر رہا تھا کہ دوستوں نے گھیر لیا۔ انہیں دیکھتے ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دل کا درد آنکھوں کے راستے جاری ہو گیا۔ دوستوں کو بھی سمجھایا کہ یار چھوڑ دو یہ سب کچھ، ایک اور نشہ ہے اللہ کے ذکر کا، اس کی لذت ہی نرالی ہے۔ وہ میری حالت دیکھ کر کھسک گئے کہ تازہ تازہ مولویوں کی صحبت میں رہ کر آیا ہے ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا مگر میں تو خراب ہو چکا تھا دردِ دل کے ہاتھوں۔

کچھ ہی دنوں بعد میجر احمد خانؒ کے ہمراہ جمعہ کی ادائیگی کیلئے دارالعرفان منارہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا ایک دوست تصدق بھی ساتھ تھا یہ دوست بعد میں تعلیم کے لیے انگلینڈ چلا گیا اور آج کل گوجر خان میں اپنا پرائیویٹ سکول چلا رہا ہے۔ تصدق، ریاض احمد گوہر شاہی کا معتقد بھی تھا۔ راستے میں وہ کہنے لگا کہ گوہر شاہی کسی پر ایک نگاہ ڈال دے تو وہ پاگل ہو جاتا ہے۔ میجر احمد خانؒ بولے بیٹا یہ تو کوئی کمال نہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ کوئی کسی پاگل پر نگاہ ڈالے تو اسے صاحب خرد بنا دے۔ گزشتہ سفر میں میجر صاحب کی باتیں میرے سر پر سے گزرتی رہی تھیں مگر اب جو دردِ دل ملا تو سمجھ آئی کہ کمال تو یہی ہے۔

دارالعرفان پہنچتے جمعۃ المبارک کے بیان میں حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ بیان کرتے ہوئے اچانک موضوع سے ہٹے اور فرمانے لگے ہمارے پاس تو وہ لوگ بھی آتے ہیں جو ایک رات میں 10 سگریٹ چرس پیئے بغیر سوتے نہیں تھے ہم نے انہیں ذکر اللہ کے نشے پر لگا دیا ہے۔ طبیب مریض کی کیفیت جان چکا تھا۔ واضح اشارہ میری

طرف تھا۔ میرے دوست تصدق نے مجھے کہنی ماری جیسے کہہ رہا ہو تیرا ہی ذکر خیر ہوا تھا محفل میں ابھی۔

دارالعرفان میں اعتکاف کے دوران ہشت روزہ کورس کی تیاری کرتے ہوئے سورۃ المومنون کی یہ آیت نظر سے گزری ''وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ'' ترجمہ: ''اور جو بیہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔'' اس کی تفسیر حضرت شیخ المکرمؒ کی زبانی دیکھی، فرماتے ہیں: ''یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں کہ اللہ کا حضور بھی نصیب ہوا اور فضولیات کی طرف بھی توجہ ہو لہٰذا وہ خرافات سے کٹ جاتے ہیں۔ بے فائدہ اور لغو کام اسے کہتے ہیں جس کام پہ سرمایہ بھی لگے، وقت بھی لگے، محنت بھی لگے اور اس کا حاصل کچھ بھی نہ ہو۔ اُس پہ سرمایہ لگاؤ تو اُس کا نقصان، محنت لگاؤ تو اُس کا نقصان اور وقت لگاؤ تو اُس کا نقصان۔'' تب ہی دل میں تہیہ کیا کہ سنوکر کلب کا قبیح کاروبار چھوڑ دوں گا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اور کوئی ذاتی کاروبار بھی نہیں تھا۔ اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور دردِ دل نے وہ قوت پیدا کردی کہ واپس آکر کلب گیا ہی نہیں۔ خود سنوکر کا بہت اچھا کھلاڑی تھا اپنے شہر میں ہونے والے مقابلہ میں ٹرانی اور نقد انعام بھی حاصل کر چکا تھا۔ اپنی ذاتی سنوکر سٹک، جو بہت قیمتی تھی اور بہت دُور سے منگوائی تھی وہ بھی توڑ دی کہ اگر کسی اور کو دی تو وہ لغویات میں مشغول ہوگا۔ بڑے بھائی سے کہہ دیا کہ میرا کلب سے کوئی واسطہ نہیں اسے اونے پونے داموں بیچ دو۔ بھائی نے تقریباً 3 لاکھ کے عوض کلب کا سامان فروخت کر دیا مگر دل نے وہ رقم لینا گوارا نہ کی اور ایک بار بھی بھائی سے اس رقم کا تقاضا نہ کیا۔ دل میں ایک خواہش تھی کہ اللہ کرے سنوکر کا یہ سامان کوئی اور بھی استعمال نہ کرے۔ الحمدللہ! اللہ نے وہ خواہش بھی پوری کی۔ سنوکر کا وہ سامان دوبارہ استعمال نہیں ہوا۔ دردِ دل نے عملی زندگی تبدیل کرنا شروع کر دی تھی۔

اسی اثنا میں نفاذ اسلام کے لیے حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ نے تربیتی کیمپ مختلف مقامات پر شروع کروائے۔ مجھے بھی ساتھیوں کے ساتھ تقریباً 40 روز کوٹلی آزاد کشمیر میں سخت سردی میں رہنے کی سعادت ملی۔ دردِ دل خوب کام آیا، سخت سردی اور برف میں ذکر اللہ کی حدت محسوس کی۔

2001ء میں حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ کے حکم پر نفاذ اسلام کے لیے منارہ کے گرد و نواح کی پتھریلی زمین پر ایک خیمہ بستی آباد کی گئی۔ خیمہ بستی میں گزارا جانے والا وقت ایک علیحدہ باب ہے۔ رمضان المبارک کی مبارک ساعتیں، مجاہدہ، حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ کی توجہ، دردِ دل اپنے عروج پر تھا۔ الحمدللہ بیشمار لوگوں کو خیمہ بستی میں روحانی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ دوسرے نمبر پر جو بیعت ہوئی وہ اس ناچیز کی تھی۔ دردِ دل نے کہاں سے کہاں لا کھڑا کیا۔ مجھ جیسے گنہگار کے لیے تو اس نعمت کا تصور بھی محال تھا۔ الحمدللہ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے منارہ پہنچ گیا سب سے پہلا خیمہ لگانے والے افراد میں، میں بھی شامل تھا اور عید کی نماز حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ کی اقتداء میں پڑھ کر منارہ سے واپسی ہوئی۔

نماز کیلئے گھر کے قریب واقع مسجد میں جایا کرتا تھا ادھر بچے قرآن کریم حفظ کیا کرتے تھے اُدھر ہی بچوں کے ساتھ بیٹھ کر صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید یاد کرنا شروع کیا اور الحمدللہ آخری سات پارے حفظ کر لیے۔ بعد میں غم روزگار کی وجہ سے یہ سلسلہ مکمل نہ ہوسکا مگر دل سے دعا ہے کہ اللہ کریم اسے مکمل کرنے کی سعادت نصیب فرمائیں۔

اہلیہ کے ساتھ تعلقات بہت اچھے ہوگئے۔ کالا جادو دردِ دل کے ہاتھوں مغلوب ہو کر جا چکا تھا۔ آج الحمدللہ میرا ایک بھتیجا حافظ قرآن ہے۔ میرا دوسرا بھتیجا اور بیٹا بھی حفظ کر چکے ہیں۔ دردِ دل نے اپنا دائرہ کار بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ مطالعہ کا شوق شروع سے تھا۔ کہاں میں جو وضو کا طریقہ بھی بھول چکا تھا اور کہاں آج بارہ سال بعد میرے پاس موجود قرآن کریم کی تفاسیر کی تعداد 19 کے قریب ہے۔

یہ سب اس نگاہ کا کمال جو بدل دیتی ہے تقدیریں۔

ایسی سینکڑوں زندہ داستانیں حضرت شیخؒ کے متوسلین سے مل سکتی ہیں۔ بلکہ سلسلہ عالیہ سے وابستہ ہر شخص کی اپنی ہی ایک کہانی ہے لیکن میرے لیے کسی کا بدلنا معنی نہیں رکھتا۔ میرے لیے تو اہمیت اس امر کی ہے کہ مجھ میں کیا تبدیلی واقع ہوئی، اگر ساری دنیا منارہ جا کر بدل جائے اور میں نہ بدلوں تو مجھے کیا فائدہ! آج اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں اِسے ہی حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ کی سب سے بڑی کرامت کہوں گا کہ مجھ جیسے گنہگار کو دین سے وابستہ کر دیا۔ آج میں بہت اعلیٰ پایہ کا صوفی، بہت نیک اور پارسا نہیں ہوں مگر الحمدللہ! اتنا ضرور ہے کہ لوگ مجھے نیک سمجھتے ہیں۔ مسجد میں اگر امام صاحب موجود نہ ہوں تو مجھے نماز کی امامت کیلئے آگے کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے آفس میں بھی باجماعت نماز ہوتی ہے تو احباب مجھ گنہگار کو ہی امامت کیلئے آگے کرتے ہیں۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ لوگوں کے گمان کو سچ کر دکھائیں جو وہ میرے بارے میں رکھتے ہیں اور مجھے حقیقی معنوں میں نیک بنا دیں۔ آمین!

کم و بیش 20 سال کا عرصہ گزر چکا ہے سلسلہ عالیہ کے ساتھ منسلک ہوئے اس عرصہ میں دردِ دل کی مختلف کیفیات رہیں۔ کبھی یہ اس قدر عروج پر بھی گیا کہ دل میں خیال آتا تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگا دوں تو سونا بن جائے گی اور کبھی یہ دردِ دل اس حد تک بھی گیا کہ ختم ہونے پہ آ گیا مگر اللہ کریم نے استقامت عطا فرمائی۔ زندگی میں آنے والے بیشار اُتار چڑھاؤ بھی حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوانؒ اور سلسلہ عالیہ کے ساتھ میرے قلبی تعلق کو کم نہ کر سکے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج یہ سطور لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ ان بیس سالوں میں ان گنت لوگوں کو حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر زندگی کی روش کو تبدیل کرتے دیکھا کتنے چہروں کو سنت رسول ﷺ سے مزین ہوتے دیکھا اور کتنے ہی لوگوں کو فنافی الشیخ سے فنافی الرسول ﷺ اور پھر فنافی اللہ کی منازل طے کرتے دیکھا۔ حضرت جیؒ کی خدمت عالی میں جو شخص جس نیت سے آیا، خالی ہاتھ واپس نہیں گیا اگر کوئی حصول برکاتِ نبوی ﷺ کے لیے آیا تو حسب استعداد جھولی بھر کر لے گیا۔ اگر کوئی دنیا کے حصول کی طلب لے کر آیا تو وہ بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹا، میں نے سینکڑوں مریضوں کو شفایاب ہوتے دیکھا۔ میری گنہگار آنکھیں گواہ ہیں میں نے برسوں کے آسیب زدہ افراد کے سر سے آسیب کا بھوت سرپٹ بھاگتے دیکھا۔ اگر ان واقعات کی تفصیل لکھنا شروع کر دوں تو ایک طویل دفتر درکار ہوگا۔ کچھ واقعات جو میرا ذاتی تجربہ ہیں اور مشاہدے میں آ چکے ہیں وہ مختصراً تحریر کر دیتا ہوں۔

حضرت جیؒ کو اللہ کریم نے دست شفا بھی عطا کر رکھا تھا۔ یہ واقعات نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ تاریخ کا حصہ بن جائیں اور حضرت جیؒ کی شخصیت کا یہ پہلو بھی عوام الناس کے سامنے آ سکے۔

1- بیٹی کو مرض الموت سے شفا:

سال 2003ء میں میری بیٹی فاطمہ جو کہ ابھی میٹرک کی طالبہ ہے قریباً تین ماہ کی تھی کہ شدید بیمار ہوگئی۔ ہمارے شہر واہ کینٹ کے ایک بہت اچھے چائلڈ سپیشلسٹ ڈاکٹر الٰہی بخش کے پاس علاج جاری تھا جو تقریباً ایک ماہ مسلسل جاری رہا۔ بچی کی شوگر انتہائی کم درجہ پہ اور بلڈ پریشر انتہائی اونچے درجے پر تھا جو نارمل نہیں ہو رہا تھا۔ بچی کی طبیعت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔ ایک روز بچی کی حالت انتہائی خراب ہوگئی تو اُسے ایک اور بچوں کے ڈاکٹر میجر خالد کے پاس معائنہ کے لیے لے کر گئے۔ انہوں نے بچی کو دیکھتے ہی کہا کہ اس کے بچنے کا کوئی چانس نہیں اسے ڈاکٹر الٰہی بخش کے پاس ہی لے کر جائیں، میرے ذمے نہ لگائیں۔ جب ڈاکٹر الٰہی بخش کے پاس گئے تو اس نے ڈاکٹر خالد کے خیال کی تصدیق کی اور کھلے لفظوں میں بتایا کہ آپ لوگ کسی بھی ناگہانی صورتحال کے لیے تیار رہیں۔ ایک آخری کوشش یہ کرتے ہیں کہ بچی کو کسی اچھے چلڈرن کمپلیکس میں داخل کرتے ہیں اور ایک نیا انجیکشن آیا ہے Maxipime نام کا وہ فوری طور پر راولپنڈی سے منگوائیں۔ میں فوری طور پر انجیکشن لینے روانہ ہو گیا۔

اس دوران میں نے حضرت جیؒ کی خدمت عالی میں ایک خط لکھا، ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ دعا کی درخواست کی اور ساتھ میں یہ بھی لکھا کہ اگر مناسب سمجھیں تو کوئی تعویذ مرحمت فرمادیں۔

منگل یا بدھ کے روز ایک قریب المرگ بچی جس میں بظاہر زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی کمپلیکس میں داخل کردی جاتی ہے۔ چھوٹی تین سال کی بچی، ہاتھ میں سوئیاں اور منہ میں آکسیجن کی نالی لگی ہے۔ شوگر لیول 30 پہ آچکا ہے۔ بلڈ میں شدید انفیکشن ہے کوئی دوا اثر نہیں کر رہی۔ ایک کرب کی حالت میں 72 گھنٹے گزرتے ہیں۔ جمعہ کے روز ڈاکٹر کہتے ہیں کہ بچی کا جسم کسی دوائی کا اثر قبول نہیں کر رہا اسے گھر لے جائیں۔ قریباً گیارہ بجے مجھے اطلاع ملتی ہے کہ ڈاکیہ آیا ہے اور کوئی خط دے گیا ہے۔ میں بھاگم بھاگ گھر پہنچا حضرت جیؒ کا جوابی خط دیکھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ حضرت جیؒ نے ایک تعویذ عنایت فرمایا میں نے فوری طور پر اُسے چمڑے میں لپیٹ کر بچی کے جسم کے ساتھ لگا دیا۔ بعد از نماز جمعہ بچی کی دادی اور ماں روتے ہوئے بچی کو گھر لے کر جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ ڈاکٹرز نے خوشخبری سنائی کہ بچی پر دواؤں نے اثر کرنا شروع کر دیا ہے اور بچی کی حالت بتدریج سنبھل رہی ہے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ یہ دوائیں جو اثر انداز ہو رہی ہیں اس کے پیچھے کسی اللہ کے بندے کی دعاؤں کا اثر ہے۔ دو دن بعد وہی بچی جو دو دن قبل بستر مرگ پر تھی روبہ صحت ہو کر گھر آگئی، سارا آنگن خوشیوں سے مہک اُٹھا۔ آج الحمدللہ فاطمہ زندگی کی سولہ بہاریں دیکھ چکی ہے اور دسویں جماعت میں ہے اور حیران کن بات ہے کہ ان سولہ برسوں میں دوبارہ کبھی ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی۔

ذہنی پسماندہ بچہ صحت یاب:

ایک اور واقعہ میرے چچازاد کے ساتھ پیش آیا، اُن کے دو سال کے بچے کو اچانک مرگی قسم کا دورہ پڑ جاتا۔ پورا جسم جھٹکے کھانے لگتا اور بچے کی حالت شدید خراب ہو جاتی۔ بہت سے معروف ڈاکٹرز نے چیک کیا، سی ٹی سکین تک کروایا لیکن یہی کہا کہ بچے کو دماغی مسئلہ ہے۔ اس عمر میں علاج ممکن نہیں۔ ایک بار انہوں نے اس پریشانی کا ذکر مجھ سے کیا میں نے انہیں اپنی بیٹی کی روداد سنائی اور ساتھ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ وہ بچے کو لے کر حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جیؒ نے نقش مرحمت فرمائے اور الحمدللہ! اللہ کریم نے بچے کو مکمل صحت یاب کیا اور تب سے لے کر اب تک بچے کو جھٹکے لگنے کا دورہ پھر نہیں پڑا۔ آج وہ اولیول کر رہا ہے اور کھیل کود بھی رہا ہے۔

جنات کا حملہ:

میری اہلیہ کے ساتھ عجیب و غریب واقعہ ہوا، اچانک اس کا دماغ بالکل سن ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں میں جان بالکل ختم ہوگئی۔ سانس رُکنا شروع ہو گیا بلکہ سانس اس حد تک رُک جاتا کہ بیہوش ہو جاتی۔ یہ واقعہ 2012ء رمضان المبارک کا ہے۔ ڈاکٹروں کے پاس بھاگ بھاگ کے تھک گیا۔ تمام رپورٹس بالکل نارمل لیکن اہلیہ کی طبیعت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ ڈاکٹرز کے بقول یہ ڈپریشن کا شکار ہیں اور انہیں کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کو چیک کروائیں۔ معروف سائیکاٹرسٹ نے رہی سہی کسر نیند کی گولیاں دے کر نکال دی۔ خاتون یا سوئی رہتی یا چھ چھ انچ کی آنکھیں نکال کے سب کو گھورتی رہتی۔ گھر میں چھوٹے بڑے سب پریشان گھر، ایک خوفناک فلم (Horror Movie) کا منظر پیش کر رہا ہوتا۔

میں نے ایک بات محسوس کی کہ اچانک بیٹھے بیٹھے خاتون کا پورا جسم خصوصاً ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔ میں نے ایک بزرگ ساتھی حکیم نذیر صاحبؒ سے مشورہ کیا کہ مجھے یہ کچھ اور معاملہ لگتا ہے۔ حکیم صاحب نے اہلیہ کو ساتھ بٹھا کر ذکر کروانے کا کہا۔ میں رات تراویح سے واپس آیا تو والدہ کو کمرے میں پاس بٹھایا۔ اہلیہ بستر سے اُٹھ نہیں سکتی تھیں ان کے بستر کے پاس بیٹھ کر ذکر شروع کیا، اچانک کمرے کی فضا میں صندل کی تیز خوشبو پھیل گئی اور اہلیہ ایک اجنبی لہجے

میں مجھ سے مخاطب ہوئیں کہ تم مجھے یہاں سے بھیجنا چاہتے ہو لیکن میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو کچھ اور معاملہ ہے۔ خیر اُس نادیدہ مخلوق سے میرا طویل مکالمہ ہوا، وہ کسی صورت یہاں سے جانے کو تیار نہیں تھا۔ آخر کار میں نے حضرت جیؒ کا نام لیا اور کہا میں اُن کا شاگرد ہوں اگر تُو دفع نہیں ہوگا تو میں صبح اس خاتون کو گاڑی میں لے کر حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا پھر گلہ نہ کرنا۔ اتنا سننا تھا کہ اہلیہ نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوگئی۔ کچھ دیر بعد جب ہوش میں آئی تو بتایا کہ آج پندرہ بیس دن بعد دماغ آزاد ہوا ہے۔ اس دوران گھر میں کیا واقعات رونما ہوئے اُسے کچھ یاد نہیں تھا بلکہ ڈاکٹرز کے پاس مسلسل آمد و رفت کے حوالے سے بھی اُس کی یادداشت میں کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے حکیم صاحب کو کال کی اور ساری کارگزاری گوش گزار کی۔ حکیم صاحب نے ایک جملہ ارشاد فرمایا جس سے میرا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ حکیم صاحب نے فرمایا بیٹا ڈرنا بالکل بھی نہیں تیری پشت پہ بہت عظیم ہستی کا ہاتھ ہے۔ یہ تو کوئی بلونگڑہ سا جن ہے۔ جنات کا پورا قبیلہ بھی ہو تو تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اُس کے بعد معاملہ کچھ یوں رہا کہ جب میں گھر پر ہوں تو حالات بالکل درست لیکن جیسے ہی میں گھر سے نکلتا جاؤں بچوں یا والدہ کا فون آ جائے فوراً گھر پہنچو اہلیہ کی طبیعت سخت خراب ہے۔ اسی کشمکش میں کچھ دن مزید گزر گئے تب مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ خبیث جن میرا تو کچھ لحاظ کر جاتا ہے لیکن جیسے ہی میں گھر سے نکلتا ہوں یہ اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ پھر آ موجود ہوتا ہے۔ گھر میں ایک دہشت کی فضا قائم ہو چکی تھی۔ رمضان کے آخری عشرہ میں ایک صبح میں، اہلیہ، والدہ اور بچے دارالعرفان حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تاکہ اس سے مستقل چھٹکارے کا کوئی سبب ہو سکے۔

حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ساری صورتحال عرض کی۔ حضرت جیؒ نے فرمایا ''انشاء اللہ خیر ہوسی''۔ تعویذ اور نقش استعمال کے لیے عطا کیے۔ وہ دن اور آج کا دن پھر کبھی دوبارہ ایسا مسئلہ نہیں ہوا۔ میں اکثر سوچتا ہوں یا اللہ! آپ کتنے کریم ہیں آپ نے خاص کرم کے طفیل برکات نبوت ﷺ کے امین شیخ سے نسبت عطا فرمائی ورنہ لوگ ان معاملات میں عاملوں کے ہتھے چڑھ کے دین اور دنیا دونوں برباد کر لیتے ہیں۔

جنات کا ایک اور قصہ:

ایک اور واقعہ کچھ یوں ہے کہ گاؤں میں ایک فوتگی کے سلسلہ میں جانا ہوا۔ میرے ماموں کے بیٹے کی بیوی کے متعلق معلوم ہوا کہ اُس پر جنات کا سایہ ہے اور وہ اُسے بہت تنگ کرتے ہیں۔ چیختی چلاتی ہے، روتی رہتی ہے، کسی میت والے گھر میں نہیں جا سکتی۔ جنات القاء کرتے ہیں تو پورا گھر پناہ مانگتا ہے، بچوں کو بے تحاشا مارتی ہے، کسی کے قابو میں نہیں آتی۔ گھریلو حالات اس حد تک بگاڑ کا شکار ہو چکے ہیں کہ نوبت طلاق تک پہنچ چکی ہے۔ میری والدہ مجھے یہ ساری بات بتا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ کوئی زیارت نہیں چھوڑی اور کوئی عامل نہیں چھوڑا لیکن خاتون کو بالکل بھی افاقہ نہیں۔ میری جیب میں حضرت جیؒ کے عطا کردہ دو عدد نقش پڑے تھے میں نے ایک انہیں دیا اور کہا کہ اُسے کہیں اللہ کا نام لے کر استعمال کرنا شروع کر دے۔ اگر آرام آیا تو اللہ کے ایک ولی کو میں جانتا ہوں یہ اُن کے ہاتھ کے لکھے نقش ہیں ان شاء اللہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے، مکمل صحت یابی ہوگی۔

دو دن بعد میرے ماموں کے بیٹے کی کال آئی کہ مکمل آرام و سکون کی کیفیت رہی ہے۔ جس بزرگ ہستی نے یہ نقش لکھے ہیں پہلی فرصت میں ان کی خدمت میں لے چلیں۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی حضرت جیؒ نے تعویذ اور نقش مرحمت فرمائے۔ وہ دن اور آج کا دن وہ خاتون مکمل صحت یاب ہے۔ وہ اور اس کا خاوند جب بھی ملتے ہیں ان کے منہ سے حضرت جیؒ کے لیے دعاؤں کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ الحمدللہ! وہ خاتون باقاعدگی سے ذکر بھی کرتی ہے۔ اسی خاتون نے مجھے بتایا کہ میری خالہ زاد کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ تھا

اور جنات بہت تنگ کرتے تھے۔ مختلف مزارات پر حاضری دی جدھر کوئی راہ لگا تا ادھر چل پڑتے لیکن افاقہ کوئی نہیں تھا۔ کامرہ میں ایک پیر صاحب نے کہا کہ یہ جنات اب تاعمر اس لڑکی کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ آپ لوگ اس لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اس کی شادی کا خیال دل سے نکال دیں۔ خاتون کے بقول جب میری خالہ نے روتے ہوئے اپنی بیٹی کا حال مجھ سے ذکر کیا تو میں پہلی فرصت میں متاثرہ لڑکی کو اپنی خالہ اور خاوند کے ہمراہ لے کر حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور صورتحال عرض کی نیز یہ بھی کہ ایک پیر صاحب جو اس کا علاج کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے بچی کی شادی نہ کی جائے۔

حضرت جیؒ نے تعویذ اور نقش عطا فرمائے اور ساتھ میں فرمایا کہ بچی کی فوراً شادی کر دیں ان شاء اللہ خیر ہوگی۔ وہ خاتون بتا رہی تھیں کہ اللہ کریم نے اپنے بندے کے الفاظ کی لاج رکھ لی۔ واقعی خیر ہوگئی اور سب ٹھیک ہوگیا۔ وہ لڑکی اب دو بچوں کی ماں ہے اور تاعمر پیچھا نہ چھوڑنے والے جنات علاقہ بدر ہو چکے ہیں۔

بیماری سے شفا کا واقعہ:

حضرت جیؒ کی نگاہ اور قلب میں اللہ کریم نے وہ قوت رکھی تھی کہ بندہ یقین کے ساتھ حاضر ہو تو کوئی صورت نہیں کہ جسمانی و روحانی افاقہ نہ ہو۔ میرے ایک قریبی عزیز جو کہ اب فوت ہو چکے ہیں انہیں ہارٹ اٹیک ہوا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے اور بستر کے ہو کر رہ گئے۔ رہائش ان کی اسلام آباد میں تھی اور سرکاری محکمے میں اچھی پوسٹ پر تھے۔ ڈاکٹروں کے بقول ان کا علاج صرف کینیڈا میں ممکن تھا لیکن ان کی حالت ایسی تھی کہ ہوائی جہاز کا تو کیا کار کا سفر کرنے کے قابل بھی نہ تھے۔ میں اُن کی عیادت کیلئے گیا تو حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری کے لیے کہا انہوں نے کہا کہ وہ سفر نہیں کر سکتے ہیں لیکن اگر میں انہیں نقش لا دوں تو وہ استعمال کریں گے۔ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتحال بتا کر نقش عنایت کرنے کی درخواست کی۔ حضرت جیؒ نے نقش مرحمت فرمائے میں نے وہ نقش اپنے عزیز کو لا کر دیئے جن کا نام امجد خان تھا اور ساتھ میں یہ تاکید بھی کی کہ اب آپ نے کوئی اور نقش، تعویذ یا دم وغیرہ نہیں کرنا وگرنہ یہ نقش اپنا اثر کھو دیں گے۔ بدھ کا دن تھا جب میں نے انہیں نقش لا کر دیئے۔ اگلے بدھ میں نے انہیں کال کی تاکہ حال احوال بھی پوچھوں اور نقش کی تبدیلی کی یاد دہانی بھی کروا دوں۔ امجد خان نے مجھے بتایا کہ وہ بہت بہتر محسوس کر رہے ہیں۔ پہلے وہ ایک ایک ہفتہ مسلسل جاگتے رہتے تھے اور کھانا پینا بالکل ختم ہو چکا تھا لیکن اب وہ دو چار گھنٹے سکون کی نیند سوتے ہیں اور کھانا بھی حسب ضرورت کھاتے ہیں۔ تقریباً ایک ماہ نقش استعمال کرنے کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اسی فیصد صحت یاب ہو چکے ہیں اور حضرت جیؒ کی خدمت میں خود حاضر ہونے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ اسی اثناء میں ایک رات ان کی کال آئی اور انہوں نے کہا ان کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے اور وہ واپس اُسی جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں ایک ماہ قبل تھے۔ میں نے اُن سے فوراً پوچھا آپ نے کوئی اور دم یا تعویذ تو استعمال نہیں کیا۔ کہنے لگے میں نے تو کچھ نہیں کیا لیکن میرے ایک دوست بخاری صاحب اٹک سے عیادت کے لیے آئے تھے وہ میرے پاس بیٹھے رہے اور جب اُٹھنے لگے تو میں انہیں چھوڑنے گیٹ تک آیا۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے رہے اور جانے سے پہلے مجھ پر پھونک ماری جیسے دم کر رہے ہوں۔ امجد خان نے بتایا کہ اس سب میں میری مرضی شامل نہ تھی لیکن بخاری صاحب نے جو پھونک ماری تو ایک قدم چلنا بھی میرے لیے دوبھر ہوگیا۔ وہ بہت پریشان تھے کہ اب کیا کروں میں نے انہیں تسلی دی کہ آپ حضرت جیؒ کے عطا کردہ نقش استعمال کریں۔ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں صورتحال سے آگاہ کروں گا۔ دیکھتے ہیں حضرت جیؒ کیا فرماتے ہیں ابھی اس واقعہ کو لے کر میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا تھا کہ امجد خان کے اس دنیا سے جانے کی اطلاع آ گئی۔ میں ان کے جنازے میں شریک تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیسے اللہ کریم نے حضرت جیؒ کے عطا

کردہ نقش سے انہیں صحت نصیب فرمائی لیکن چونکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے کیسے وہ بیماری کی طرف لوٹ گئے اور ساتھ ہی موت کی وادی میں اُتر گئے۔

ڈپریشن:

واہ کینٹ سے تعلق رکھنے والی ایک معروف دینی سیاسی اور سماجی شخصیت خواجہ محمد وقار خان جو کہ جماعت اسلامی کی شوریٰ کے رکن بھی ہیں اور قومی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑتے ہیں۔ میرے اُن سے بہت اچھے گھریلو تعلقات ہیں۔ 2016ء میں ان کی طبیعت اچانک خراب ہوتی ہے اور دنوں میں وہ اس حال تک پہنچ جاتے ہیں کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، سانس لینے میں شدید دشواری ہوتی ہے۔ پورا گھرانہ کرب کی کیفیت سے دوچار ہے۔ ڈاکٹر حضرات فرماتے ہیں ڈپریشن کا شدید دورہ پڑا ہے اور اس کا علاج صرف نیند کی گولیاں ہیں۔ ہفتہ ہفتہ پڑے سوتے رہتے ہیں کسی سے بات نہیں کرتے، جاگتے ہیں تو سانس ہی نہیں آتا، عجیب پریشانی ہے۔ ان کے صاحبزادے کو میں نے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری کا مشورہ دیا۔ اگلے ہی دن ہم دو گاڑیوں میں ہمراہ مریض حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت جیؒ سے صورتحال عرض کی اور کہا کہ ڈاکٹرز کہتے ہیں ڈپریشن ہے۔ حضرت جیؒ مسکرائے اور فرمایا ڈاکٹر حضرات سے جس مرض کی تشخیص نہیں ہوتی اُسے ڈپریشن کا نام دے کر جان چھڑوا لیتے ہیں۔ نقش دیئے اور ساتھ میں فرمایا اللہ کریم بہتر فرمائیں گے ان شاء اللہ اور اللہ کریم نے ان کی یہ بات یوں سچ کی کہ دو دن بعد ہی خواجہ صاحب بالکل صحت یاب تھے اور الحمدللہ اس کے بعد یہ بیماری اور تکلیف دوبارہ نہ ہوئی۔

کینسر زدہ خاتون صحت یاب:

ایک روز مجھے ایک فون آیا ان صاحب نے اپنا نام ظفر بتایا۔ کسی ٹی وی چینل میں کیمرہ مین تھے۔ ان کی والدہ کو کینسر تھا، میرا نمبر کسی نے دیا۔ وہ مجھ سے جاننا چاہ رہے تھے کہ اگر میں والدہ کے لیے حضرت جیؒ سے نقش لوں تو کیسا ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ شفا اور مرض اللہ کی طرف سے ہیں لیکن میرا تجربہ یہی ہے کہ حضرت جیؒ کو اللہ کریم نے کوئی ایسی نعمت دے رکھی ہے کہ بڑے بڑے لاعلاج مریضوں کو شفا ہوتے دیکھی ہے۔ وہ گیا، نقش لایا اور استعمال کیے، اُس کا نمبر میں نے محفوظ کر لیا تھا۔ کچھ دنوں بعد میں نے کال کر کے والدہ کی صحت کے متعلق پوچھا تو اُس نے بتایا الحمدللہ بہت آرام ہے۔ والدہ نے بات چیت بھی شروع کر دی ہے اور کھانے بھی لگی ہیں۔

کالام کا واقعہ:

کالام سوات میں میرے ایک عالم دین دوست مولانا میر افضل خان ہیں یہ پورا خاندان حفاظ اور علماء کا خاندان ہے۔ ایک دن ان کا فون آیا کہ نوید بھائی بہت پریشان ہیں، دو جڑواں بچیاں ہیں دونوں کو مرگی کی طرز کے دورے پڑتے ہیں، بہت علاج کروایا کوئی افاقہ نہیں۔ مردان آ کر بھی تمام ٹیسٹ کروائے ہیں لیکن ڈاکٹر کہتے ہیں تمام ٹیسٹ ٹھیک ہیں اور اِن بچیوں کو مرگی نہیں ہے۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ آپ پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ بزرگوں سے سنا ہے پہاڑوں پر جنات کی پوری بستیاں آباد ہیں تو کوئی اس رخ پہ بھی سوچا ہے آپ نے۔ مولانا کہنے لگے آپ کو کال اسی لیے کر رہا ہوں کہ ڈاکٹرز کہتے ہیں ان بچیوں کو کوئی مرض نہیں آپ ان کا کوئی روحانی علاج کروائیں۔ کہنے لگے میں تو کسی عامل کو نہیں جانتا پورا کالام مجھ سے سر درد اور تکلیف میں دم کروانے آتا ہے لیکن اس معاملہ میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے عرض کی مولانا عامل کسی کا تو مجھے بھی پتہ نہیں البتہ اللہ کے ایک ولی کا لکھا نقش آپ کو بھیجتا ہوں، استعمال کریں ان شاء اللہ بہتری ہوگی۔

حضرت جیؒ کا عطا کردہ ایک نقش اُسے بذریعہ ڈاک بھیج دیا۔ اگلے ہفتے اُس کا فون آیا کہ دونوں بچیاں الحمدللہ صحت یاب ہو گئی ہیں اور آپ کے لیے بہت دعا کرتی ہیں اور بہت خوش ہیں۔ حضرت جیؒ وصال فرما چکے تھے۔ حضرت جیؒ کے جانشین شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

حضرت امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالیٰ سے واقعہ عرض کیا، حضرت شیخ مدظلہ نے مکمل نقش عنایت فرمائے۔ الحمدللہ دونوں بچیاں مکمل صحت یاب ہیں۔

ایک فوجی کا واقعہ:

ہمارے شہر واہ کینٹ میں گھریلو تنازعہ کی وجہ سے ایک قتل ہوگیا۔ تنگ آمد بجنگ آمد، مقتول نے قاتل کو اس حد تک زچ کیا کہ نتیجہ قتل تک جا پہنچا۔ جس شخص کے ہاتھوں قتل ہوا وہ پاک فوج میں کپتان تھا۔ کیپٹن عدنان نام تھا اس کا، جوان لڑکا تھا جبکہ مقتول بھی جوان لڑکا تھا۔ کیپٹن صاحب ہمارے کچھ ساتھی دوستوں کے کلاس فیلو بھی تھے اور کبھی کبھار ذکر کی محفلوں میں بھی بیٹھا کرتے تھے۔ جوان لڑکا قتل ہوا تھا، مقدمہ درج ہوا، کیپٹن صاحب کی نوکری اور جان دونوں داؤ پر لگ چکے تھے۔ ہمارے ایک ساتھی کیپٹن صاحب کی والدہ کو لے کر حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ کیپٹن صاحب کی والدہ نے رو رو کر حضرت جیؒ کو ساری روداد سنائی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرے بیٹے کو گولی چلانے پر مجبور کیا گیا اگر وہ گولی نہ چلاتا تو خود قتل ہوجاتا۔ حضرت جی مجھے میرا بیٹا چاہیے۔ حضرت جیؒ نے پوری روداد سنی اور فرمایا بی بی آپ جائیں انشاء اللہ آپ کے بیٹے کو کچھ نہیں ہوگا۔ کیپٹن عدنان کی والدہ کو تو جیسے قارون کے خزانے کی کنجیاں مل گئی ہوں۔ خوشی خوشی حضرت جی کی خدمت سے باہر آئیں اچانک اماں جی کے دل میں نہ جانے کیا آیا کہ پلٹیں اور پھر حضرت جی کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ حضرت جیؒ نے فرمایا بی بی اب کیا ہوگیا؟ کیپٹن عدنان کی والدہ بولیں حضرت جی مجھے میرا بیٹا وردی میں چاہیے۔ حضرت جیؒ مسکرائے اور بولے بی بی جاؤ انشاء اللہ وردی میں ملے گا۔ اللہ کا کرنا کپتان صاحب پورے اعزاز کے ساتھ فوج میں نوکری پر بحال ہوئے، نوکری مکمل کی اور آج کل انگلستان میں ہیں۔

ایسے سینکڑوں واقعات حضرت جیؒ کے میرے مشاہدے میں آئے ہیں۔ سب کا تذکرہ کرنا ادھر ممکن نہیں۔ گمراہی اور بے عملی کا دور ہے، لوگ عاملوں کے چکر میں رہتے ہیں تاکہ زندگی میں کوئی شارٹ کٹ لگ جائے ایسے میں اگر کوئی مجھ سے مشورہ کرتا تو میں فوراً اسے لے کر حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا اور اللہ کے فضل سے جانے والے کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا اور عقائد کی اصلاح بھی ہوجاتی جو حقیقی مقصود ہے۔

بقیہ صفحہ 85 سے آگے

حضرت جیؒ نے درود پڑھنے کا جو طریقہ بتایا وہ وہی تھا جس پر آپؒ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ بسر کیا۔ ہر ساتھی اس پر گواہ ہے، پورا عہد اس پر گواہ ہے کہ آپؒ نے عملاً درود بھیجا۔ اپنے عمل سے بھیجا اپنے لین دین سے، کمانے خرچ کرنے سے، رشتے نبھانے سے، صحت بیماری میں اپنے طرز عمل سے، غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو سے عملاً درود بھیجا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا:

''ایک اور طریقہ بھی ہے۔ ہر کام کو اس طرح کرو جیسا کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا ہے۔ ایسا کرو گے تو خود بخود نزولِ رحمت کا سبب بنے گا اور یہ عملاً درود ہے جو ادا ہوجائے گا''۔

حضرت جیؒ کی حیات مبارکہ کے آخری تین بیان اسی پیغام پر مبنی ہیں:

فَجَآءَ مُحَمَّدٌ سِرَاجًا مُّنِيْرًا
فَصَلُّوْا عَلَيْهِ كَثِيْرًا كَثِيْرًا

''حضور ﷺ روشن چراغ بن کر آئے، روشنیاں بکھیرنے والا سورج بن کر آئے۔ پس آپ ﷺ پر بکثرت درود بھیجو۔''

''اب وقت ہے عملاً درود پڑھنے کا۔ زبانی بہت ہوچکا۔ اب ہمیں عملاً درود پڑھنا ہے''۔

قاسم فیوضات حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ فرمان ہر مسلمان کی ضرورت ہے اور ہر عہد کے لیے نسخہ کیمیا ہے۔

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کے معاشی افکار

ڈاکٹر ثمینہ زہرا (Ph.D) کراچی

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کی شخصیت معرفت وعلم کا ایک سمندر تھی۔ ایسا سمندر جس کی گہرائی کا ادراک ناممکن ہے تاہم وہ اپنے کنارے تک پہنچنے والے ہر شخص کو بلا امتیاز سیراب کرتا ہے۔ حضرتؒ اپنے معتقدین سے حد درجہ محبت میں اکثر فرمایا کرتے کہ اگر سیراب ہو نے میں کسی کو تنگئ دامن کا احتمال ہو تو اس کا علاج بھی ممکن ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگئ داماں بھی ہے

جن خوش نصیبوں کو حضرتؒ کی صحبت نصیب ہوئی، وہ میری اس بات سے یقیناً اتفاق کریں گے۔ اس کا تجربہ میں نے اس وقت ذاتی طور پر بھی کیا، جب تنگئ دامن کے باوجود حضرتؒ کی جانب سے توجہ اور برکات کا خزینہ نصیب ہوا۔ ان سے تعلق قائم ہونے کے بعد روحانی فیض، دنیوی ہدایت اور دنیاوی آگاہی کے وہ پہلو بھی دریافت کیے جو اس سے پہلے وہم وگمان میں بھی نہ تھے، اگرچہ عمومی تعلیمی اسناد تو پہلے بھی موجود تھیں۔

صد ہزاراں جان بر قدمت فدا
کہ رسانیدی حضورِ مصطفیٰ ﷺ

اگر غور کیا جائے تو جو بات حضرتؒ کے خیالات وافکار کو باقی علماء سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے علم کا منبع صرف استدلالی یا عقلی ذرائع نہیں، بلکہ وہ انوارات اور کیفیات ہیں جو قلبِ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ہوتی ہوئیں ان کے قلب تک پہنچیں۔ یہ وہ علم ہے جو تطہیر شدہ اور شبہ سے پاک ہے۔ لہٰذا آپ کوئی بھی شعبہ زندگی اٹھالیں، وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، وہ معاشی ہو یا معاشرتی اس کا تعلق خانگی امور سے ہو یا ریاست کے خارجی معاملات سے، ان تمام کے لئے حضرتؒ کی واضح اور جامع تعلیمات موجود ہیں۔

اس مضمون کے لئے حضرتؒ کے معاشی افکار کے موضوع کا انتخاب ہمارے ملکی حالات کے تناظر میں کیا گیا ہے۔ جس طرف نظر ڈالیں، ملکی معیشت کی زبوں حالی کا رونا رویا جا رہا ہے۔ اس کی بہتری کے لئے طرح طرح کے حل بھی بیرونِ ملک سے درآمد کیے جا رہے ہیں لیکن ابھی تک بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مرض کی تشخیص ہی صحیح نہ ہو، علاج ممکن نہیں۔ معاشرتی زندگی میں رزق حلال کی اہمیت کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے، بینکاری کا سارا نظام سود پر مبنی ہے اگرچہ اس پر اسلامی بینکاری کا جھوٹا لبادہ چڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ عوام الناس پر ٹیکسوں کا بے انتہا بوجھ لاد دیا گیا ہے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ قومی سوچ اور بیانیے کو اسلامی نظام معیشت سے آگاہ کیا جائے۔ حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ نے اپنی تفاسیر قرآن مجید، بیانات اور انٹرویوز میں اسلامی نظام معیشت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ آیئے ان کے معاشی افکار کا جائزہ لیتے ہیں۔

یہ نوے کی دہائی کا ذکر ہے۔ ارباب اقتدار نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ایک مجلس کا اہتمام کیا۔ اس مجلس کے شرکاء میں دینی علماء، اکابرینِ حکومت اور اقتصادی امور کے ماہرین شامل تھے۔

ذرائع ابلاغ کے نمائندگان اور مبصرین نے بھی بڑی تعداد میں اِس نشست میں شرکت کی ۔ اس مجلس میں ایک مختصر گفتگو میں حضرت امیر مولانا محمد اکرم اعوانؒ نے اسلامی معاشی فلسفے کو انتہائی واضح اور پراثر انداز میں بیان کیا۔ انھوں نے واضح کر دیا کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا کوئی بھی دعویٰ اس وقت تک سنجیدگی سے نہیں لیا جاسکتا جب تک معاشی نظام کو اسلامی اصولوں کے مطابق استوار کرنے کا اہتمام نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے اس بیان میں ایک مکمل اسلامی فلاحی ریاست کا تصور بھی دے دیا۔ انھوں نے فرمایا:

اس ملک کی 70% آبادی پینے کے صاف پانی کو ترس رہی ہے۔ 90% لوگ وہ ہیں جو نانِ شبینہ کے لئے بے زار ہیں۔ 8% طبقہ اُمرا ہے۔ اور 2% طبقہ خواص ہے۔ کیا اُس 90% کی روزی کی فکر اسلام دیتا ہے یا نہیں۔ اگر دیتا ہے تو اسلام کو معاشی نظام سے شروع کیا جائے اور اُس غریب تک کھانے کا انتظام پہنچایا جائے جس کے بچے بھوکے سوتے ہیں ۔ جو بچوں کو تعلیم نہیں دلا سکتا۔ جو بیمار ماں باپ کا علاج نہیں کرا سکتا۔ اسلام کو معاشی نظام سے شروع کیا جائے اور اس بات کو مدِنظر رکھا جائے کہ اسلامی نظام تو یہ ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ دجلہ کے کنارے اگر کوئی کُتا بھوکا رہ گیا تو خطاب کا بیٹا پکڑا جائے گا'۔ (المرشد (ٹی۔وی پروگرام)، قسط نمبر 9)

ان الفاظ پر غور کیجئے اور ذرا جائزہ لیجئے کہ ہم تقریباً تین دہائیاں گزر جانے کے باوجود بھی عوام الناس کے معاشی حالات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں لا سکے۔ بلکہ ہم عالمی قرضوں اور غُربت کی دلدل میں مزید دھنس چکے ہیں۔ نامور دانشور اور سیاست دان دن رات ٹی وی پہ بیٹھ کر تجزیے کرتے ہیں۔ حکومت اپنی معاشی ٹیم کو بھی کئی بار تبدیل کر چکی ہے لیکن نتیجہ ندارد۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ''حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ'' اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام تر معاشی پالیسی اور نظام کی بنیاد ہی غلط اصولوں پر رکھی گئی ہے۔

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کے معاشی افکار کا مزید گہرائی میں جائزہ لینے سے پہلے آیئے ذرا دُنیا میں مروجہ معاشی نظاموں کی طرف نظر دوڑاتے ہیں امریکہ، برطانیہ اور بیشتر مغربی ممالک میں گذشتہ کئی دہائیوں سے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) رائج ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے چند بنیادی پہلو، دولت حاصل کرنے اور ملکیت کی آزادی، سود پر مبنی بنکاری و مالی نظام اور تصرّف کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ اس نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام سود پر لئے گئے قرضوں سے خوشحالی کا ایک سراب خرید رہے ہیں بظاہر اُن کی زندگیاں مادی سہولیات اور سامانِ تعیش سے بھری ہوئی دکھائی دیتی ہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ ان کا بال بال قرضے میں جکڑا ہوا ہے جو بسا اوقات ان کے مرنے کے بعد ان کی املاک اور جائیداد کی نیلامی سے ادا ہوتا ہے۔ زیادہ پیچھے مت جایئے۔ 2008ء کے عالمی معاشی بحران کا جائزہ لیجئے۔ اس بحران نے امریکہ اور مغربی دنیا میں لاکھوں لوگوں سے اُن کی تمام عمر کی جمع پونجی چھین لی اور انھیں غربت کی لکیر سے نیچے دھکیل دیا۔ اس بحران کی بنیادی وجہ بینکوں اور بڑے مالیاتی اداروں کا منافع کا جنون تھا۔ اس جنون نے انفرادی معاشی حقوق کو مکمل طور پر بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے، (The Shock Doctrine by Naomi Klein

دوسری جانب سوشلزم (Socialism) یا کمیونزم (Communism) کے پیروکار ممالک ہیں جہاں انفرادی ملکیت کا تصور بہت محدود ہے۔ ریاست تمام تر وسائل پر قابض ہے اور عوام کو صرف مشینی انداز میں دن رات کام میں مشغول رکھا جاتا ہے۔ نارتھ کوریا اس نظام کی ایک مثال ہے۔ اس کی جزوی مثال چین اور روس بھی ہیں ۔ عوام میں اس نظام سے پیدا ہونے والی بے چینی کے باعث ان ممالک نے بھی کچھ عرصے سے اپنے معاشی نظام کو ازسرِنو ترتیب دینے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ مگر افسوس کہ تقلید کے لئے وہ سرمایہ دارانہ نظام (Cpitalism) کو ہی اپنا رہے ہیں جو بذاتِ خود ایک استحصالی نظام ہے۔

(The Communist Manifesto by Karl Marx)

بین الاقوامی تجزیوں کے مطابق دنیا کی آبادی کے چند مطمئن ترین افراد ان ممالک میں رہتے ہیں جنھیں سیکنڈے نیوئین (Scandinavian) ممالک کہا جاتا ہے۔

ملاحظہ کیجئے اقوام متحدہ کی World Happiness Report 2018)

ان میں ڈنمارک، ناروے، سویڈن، فن لینڈ اور آئس لینڈ شامل ہیں۔ ان ممالک میں بہت حد تک ایک فلاحی ریاست کا نظام رائج ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان ممالک میں غریب اور امیر کا فرق بہت کم ہے۔ زندگی کی بنیادی سہولیات جیسے، تعلیم، صحت، ذرائع معاش اختیار کرنے کے مواقع یکساں بنیادوں پر مہیا ہیں۔ حکومتی آمدنی کا بڑا حصہ عوام کی بہبود پر خرچ کیا جاتا ہے۔ رہائش، تعلیم، صحت، بچوں اور بزرگوں کی فلاح و بہبود، معذور افراد کے لئے خصوصی سہولیات، وہ تمام شعبے ہیں جہاں حکومت کے خزانے سے ایک وسیع رقم خرچ کی جاتی ہے۔ یعنی معاشرے کے کمزور ترین طبقات کو ان کے حال پر چھوڑنے کے بجائے حکومت ہر ممکن حد تک انھیں ایک آسودہ زندگی مہیا کرنے کا ذمہ اپنے سر لئے ہوئے ہے۔ یہ نظام بہت حد تک ایک اسلامی فلاحی ریاست کے اصولوں سے قریب ہے، اگرچہ مکمل طور پر نہیں۔ اب آپ اس کا تقابل اپنے ہاں رائج معاشی نظام سے کر لیجئے تو صورت حال واضح ہو جائے گی کہ کس طرح امیر طبقہ امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیونکہ دولت کے ارتکاز کو دور کرنے کے لئے ریاستی سطح پر کوئی اقدام نہیں کیے جا رہے۔

اس مختصر پس منظر کے بعد آیئے اب حضرتؒ کے معاشی افکار پر نظر ڈالتے ہیں جن کا منبع قرآنِ کریم، سنتِ مبارکہ اور خلفائے راشدینؓ کی حیات طیبہ ہیں۔ ان تمام ذرائع سے حاصل کردہ علم کو انتہائی مؤثر طریقے سے دورِ حاضر کے حالات اور تقاضوں سے جوڑا گیا ہے۔ (تفصیل دیکھئے، اکرم التفاسیر، ج:2، 237، ج:3، ص:100)

بہتر انداز سے سمجھنے کے لئے ان افکار کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ انفرادی پہلو اور ریاستی یا حکومتی پہلو۔

آیئے پہلے انفرادی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔ اکثر اوقات ایسا تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دین کی پیروی کرتے ہوئے دنیاوی کامیابی حاصل کرنا ممکن نہیں یا ایسا کرنا کوئی ناپسندیدہ عمل ہے۔ تاہم سورہ بقرہ کی تشریح کرتے ہوئے حضرتؒ فرماتے ہیں کہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے اسبابِ ظاہری کو اختیار کرنا اور جائز وسائل کو بروئے کار لانا اللہ کی سنت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

''جائز وسائل کو چھوڑنا بھی اُتنا ہی جرم ہے جتنا ناجائز وسائل کو اختیار کرنا''۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسلامی معاشرے کو بے عمل انسان نہیں چاہئیں۔ قوت ارادی سے بھرپور، محنت اور جانفشانی سے کام کرنے والے اور نظم وضبط کے پابند مسلمان ہی اجتماعی معاشی ترقی کے ضامن ہیں۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک پریشان حال، فرسودہ لباس اور بکھرے بالوں والا شخص آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمھارے پاس مال ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آسودہ حال ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کو فرسودہ حال ہونا پسند نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ اس نے بندے کو جتنی حیثیت دی ہے۔ اس کے مطابق نظر آئے اگر تمہارے پاس مال ہے تو یہ حلیہ کیوں بنا رکھا ہے۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ محنت کی کمائی سے مالدار ہونا بری بات نہیں۔ لیکن مال کو ہر جائز و ناجائز طریقے سے جمع کرنا اور صرف مال جمع کرنے کو مقصد حیات بنا لینا غلط ہے۔ تو گویا ہمیں بحیثیت فرد اور قوم اسلامی تقاضوں اور اصولوں پر کار بند رہتے ہوئے معاشی استحکام کے حصول کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ حضرتؒ، نبی کریم ﷺ کی ایک اور حدیث پاک کا حوالہ دیتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ افلاس سے بچو کہ بندہ مفلس ہو تو ایمان بھی

خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

حضرتؒ نے واضح کیا ہے کہ اسلامی طور پر معروف ذرائع معاش چار ہیں۔کھیتی باڑی۔تجارت۔مزدوری اور ملازمت۔معروف طریقے سے دولت کے حصول پر کوئی پابندی نہیں۔رزق حلال کمانا اور اس کو اہل وعیال اور معاشرے کی فلاح پر خرچ کرنا عین عبادت ہے۔

حضرت۔نے حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ تحدیث نعمت ہے کہ تمہارے لباس سے، اُٹھنے بیٹھنے سے گاڑی موٹر سے پتہ چلے کہ تم پر اللہ کا اتنا احسان ہے۔دولت کو دبا کر، سانپ بن کر بیٹھ جانا، پرانے کپڑے پہن لینا یہ اسلام میں نہیں ہے اور یہ نیکی کی دلیل نہیں ہے، یہ مکاری ہے۔وانفق علی عیالک من طولک (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح) ''اور اپنی حیثیت کے مطابق بال بچوں پر خرچ کرو''۔

(ماہنامہ المرشد، اگست 2019ء، ص:37)

حضرتؒ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نہ صرف دولت کمانے بلکہ اسے خرچ کرنے کی طرف بھی مکمل رہنمائی فرماتا ہے۔صاحب ثروت لوگوں پر یہ واضح کرتا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی دولت ان کے پاس ایک امانت کی طرح ہے جس کے بارے میں ان سے استفسار ہوگا کہ کیا اس دولت کو انسانیت کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے خرچ کیا یا صرف عیش و عشرت، پر اڑا دیا گیا۔اللہ کی دی گئی دولت میں سے غریب و نادار، بیوہ و مسکین کی حاجت روائی کی گئی یا نہیں؟ یعنی معاشرے کا ہر فرد باقی افراد کے حقوق کا خیال رکھے اور ان کی دیکھ بھال کا اپنی حیثیت کے مطابق اہتمام کرے۔مزید یہ کہ کیا دولت کو حاصل کرنے کے لئے اسلام کے اصولوں پر عمل کیا گیا یا نہیں؟ رزق حلال کی بار بار تلقین فرماتے ہوئے حضرتؒ نے جوئے اور شراب جیسی لعنتوں سے بچنے اور ان کے مضر اثرات کے بارے تفصیل سے بیان فرمایا۔یہ تو ہے، وہ پیمانہ جس کے مطابق ہمیں انفرادی طور پر اپنا مواخذہ کرنا ہوگا تا کہ ہم دنیا و آخرت کی فلاح پا سکیں۔

اب آیئے ریاستی اور حکومتی ذمہ داریوں کی طرف سورۃ آل عمران کی تشریح بیان کرتے ہوئے حضرتؒ نے اسلامی معیشت کا مکمل ڈھانچہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔آپ بار بار تاکید فرماتے کہ کسی بھی قوم کی ترقی اور فروغ کا انحصار اُس کی معاشیات پر ہے۔بلکہ یہاں تک لکھتے ہیں کہ:''اسلام نے عبادات سے زیادہ معاشیات کی تاکید فرمائی ہے''۔

اس تناظر میں وہ مہاجرین اور انصار کی مواخات کا ذکر کرتے ہیں، یاد رہے کہ یہ مواخات نہ صرف اخلاقی اور روحانی تھی بلکہ معاشی بھی تھی۔ہر مہاجر کو انصار کا بھائی بنا کر زمین جائیداد اور اموال میں حصہ دیا گیا۔اس طرح نوزائیدہ اسلامی معاشرے کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی طاقت ملی۔طبقاتی محرومی کا راستہ روک کر معاشی مساوات کی بنیاد رکھی گئی جس نے آگے چل کر ریاست مدینہ کو ناقابلِ شکست بنایا۔غور طلب بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے معاشی نظام کی بنیاد رکھی۔آپ ﷺ کے اس عمل سے ہمیں جان لینا چاہیے کہ مضبوط معاشی نظام کسی بھی معاشرے کی بنیاد کا کام کرتا ہے۔اور مضبوط بنیاد کے بغیر مضبوط عمارت کا تصور ممکن نہیں۔

اب اگر اسلامی معاشی نظام کے بنیادی خدوخال کی بات کی جائے تو اس بارے میں بھی حضرتؒ نے قرآن وسنت کی روشنی میں مکمل وضاحت فرمائی ہے۔ان کے بیانیے میں سود کی مذمت واضح اور دوٹوک الفاظ میں کی گئی ہے۔جو لوگ سود خوری کی تاویلیں پیش کرتے ہیں، حضرتؒ ان کی مذمت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کسی اور کو نہیں بلکہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔حضرتؒ فرماتے ہیں اسلام نے سود نہ لینے کو شرط ایمان قرار دیا ہے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

''اے ایمان والو جنہیں نور ایمان نصیب ہوا ہے۔سود مت کھاؤ''۔

یعنی سود ایمان کے مقابل ہے۔ حضرت نے اپنی تحریروں اور بیانات میں سود خور کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے اعلانِ جنگ کے طرف توجہ دلائی فرماتے ہیں۔ سود جہاں جاتا ہے ایمان کی رمق باقی نہیں رہنے دیتا۔ مزید فرماتے ہیں:

''ہم کھاتے سود ہیں نام ہم نے اس کا منافع رکھ دیا ہے۔ مارک اپ (Markup) رکھ دیا ہے۔ یعنی کتے کا نام دنبہ رکھ دیں اور کھاتے رہیں تو کیا نام بدلنے سے کتا دنبہ ہو جائے گا۔ حکمرانوں نے سود کا نام مارک اپ رکھ دیا ہے۔ یہ وہی ابلیسی بہانے ہیں جیسے اس نے اپنی طرف سے فیصلہ کر کے کہہ دیا کہ آگ مٹی سے بہتر ہے جبکہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا''۔ (نقوش، (حصہ اول)، ص:598)

حضرتؒ فرماتے ہیں:

''اسلام نے اسی لئے سود کو حرام قرار دیا ہے کہ یہ رقم دوگنی چوگنی تو کر دیتا ہے اور محنت کے بغیر کر دیتا ہے لیکن یہ قومی زندگی کے لئے سم قاتل ہے''۔

اسی تناظر میں سود سے پاک بینکاری اور مالی نظام قائم کرنا ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ سود ارتکازِ دولت کا سب سے بڑا باعث ہے۔ حضرتؒ اس بارے میں فرماتے ہیں۔

''سرمایہ بدن میں خون کی طرح ہوتا ہے۔ اگر وہ ایک جگہ جمع ہو جائے تو بندہ مرجائے گا اسی طرح معاشرہ بھی سرمایہ ایک جگہ جمع ہونے سے موت کا شکار ہو جاتا ہے''۔ (نقوش، (حصہ اول)، ص: 602)

معاشی نظام کے بارے میں حضرتؒ نے ایک نہایت اہم نکتہ اضافی یا سرپلس سرمائے کو معاشرہ میں رواں (Circulate) کرنے کے حوالے سے بیان فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے کسی نظام میں زکوٰۃ کی طرز کا کوئی انتظام نہیں جس کے تحت سرمایہ معاشرے میں گردش کرتا ہے۔ اور امیر اور غریب کے درمیان تفاوت جنم نہیں لیتا۔ اب اس ضمن میں حضرت کے محصولاتی نظام کا تجزیہ بھی قابل غور ہے۔

اسلامی فلاحی ریاست کے قیام و انتظام اور اس کے افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے یقینی طور پر وسائل کی ضرورت ہے۔ عموی طور پر ریاست یہ وسائل ٹیکسز جمع کر کے حاصل کرتی ہے۔ حضرتؒ نے اس موضوع پر بھی سیر حاصل بحث کرتے ہوئے دور حاضر کے ایک اہم مسئلے کی نشاندہی کی ہے جس کا تعلق (Multiple axes) سے ہے۔ یعنی ایک ہی چیز کی خریداری پر کئی کئی بار ٹیکس لگایا جاتا ہے جس کے باعث عوام مہنگائی کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اسلامی معاشی نظام میں دُہرے تہرے ٹیکس کی ممانعت ہے۔ اس کی بجائے زکوٰۃ کا ایک جامع نظام دیا گیا ہے۔ اس نظام کے باعث دولت کی گردش کا اہتمام ہو جاتا ہے اور تمام معاشرہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ حضرتؒ نے زکوٰۃ کے مصارف اور فوائد پر سورۃ توبہ کی تشریح میں مفصل بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح اسلام صدقات و خیرات کی بہت ترغیب دیتا ہے۔ (اکرم التفاسیر، ج:10)

اگر آپ آج کے پاکستانی تناظر میں دیکھیں تو عوام پر ٹیکسوں کا بے انتہا بوجھ لاد دیا گیا ہے۔ تقریباً دس قسم کے مختلف ٹیکس لاگو ہیں۔ استعمال کی اشیاء پر کئی کئی بار لگایا جاتا ہے۔ فیکٹری کی سطح پر۔ ہول سیل کی سطح پر اور پھر جب آپ دوکاندار سے خریدنے جاتے ہیں تو ریٹیل ٹیکس علیحدہ۔ اس کے علاوہ آمدنی پر ٹیکس الگ سے ہے۔ مزید یہ کہ ٹیکس کا بوجھ امیر طبقے کی بجائے متوسط اور تنخواہ دار طبقے پر زیادہ ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کا واحد حل ٹیکس کے نظام کو سادہ اور شفاف بنانا ہے۔ زکوٰۃ جو کہ اسلامی معاشی نظام کا ستون ہے ایک بہترین نظام محصولات ہے۔ زکوٰۃ جمع کرنا اور اسے ضرورت مندوں تک پہنچانا ریاست کی ذمہ داری ہے تاکہ کسی کو کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے اور ہر کسی کی عزت محفوظ رہے۔ موجودہ حکومت نے غریب طبقے کے لئے "احساس" کے نام سے ایک منصوبہ شروع کیا ہے۔ (تفصیل کیلئے Online سرچ کریں۔)

لنگر خانوں کا افتتاح بھی ذرائع ابلاغ پر دکھایا جارہا ہے۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ چند مخصوص منصوبوں یا اقدامات کی بجائے

پورے معاشی نظام کی تعمیر نو اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے۔ صرف ایسا کرنا ہی انفرادی اور اجتماعی معاشی خوش حالی کا ضامن ہوگا ورنہ یہ عام دیکھا گیا ہے کہ ایک حکومت کے شروع کئے گئے فلاحی منصوبے دوسری حکومت کے دور میں ٹھپ کر دیئے جاتے ہیں۔

اپنے بیانات اور تحریروں میں حضرتؒ نے ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی کیا ہے۔ جس کا تعلق اسلام میں خواتین کے معاشرتی کردار کے حوالے سے ہے۔ عمومی طور پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اسلام عورت پر ایسی قدغنیں لگاتا ہے جس کے باعث وہ اپنی صلاحیتوں کو معاشی اہداف کے لئے بروئے کار نہیں لاسکتی۔ جس بیان کا ذکر مضمون کے ابتدا میں کیا گیا ہے اسی میں اس حوالے سے بات کرتے ہوئے حضرتؒ فرماتے ہیں:

''کیا قرونِ اولیٰ میں خواتین نے بزنس نہیں کئے؟ کیا قرونِ اولیٰ کی خواتین آپ کو میدان کارزار میں نظر نہیں آتیں؟ کیا قرونِ اولیٰ کی خواتین آپ کو بہترین تیرانداز شمشیرزن نظر نہیں آتیں؟ اسلام وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا''۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کو عورت کے غلامانہ طرزِ زندگی سے جوڑنے والے، ایک مذموم ایجنڈا پر کام کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے گھر اور بچوں کو مکمل توجہ دیتے ہوئے، عورت ایک بااثر معاشی کردار ادا کر سکتی ہے۔ ایسا کرنا دورِ حاضر کا تقاضا بھی ہے جبکہ مملکت پاکستان کی نصف آبادی خواتین پر مشتمل ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ انھیں معاشی نظام سے تفریق کر کے آسودہ حالی ممکن ہو سکے؟

حضرتؒ کے معاشی افکار کو چند صفحات کے ایک مضمون میں ڈھالنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے دریا کو کوزے میں بند کرنے کی سعی۔ تاہم قاری تک یہ پیغام پہنچانا ضروری تھا کہ حضرتؒ نے انفرادی اور ریاستی معاشی ذمہ داریوں اور معاشی نظام کو قرآن وسنت کی روشنی اور صحابہ کرامؓ کی تعلیمات سے اخذ کر کے انتہائی مؤثر انداز میں ہم تک پہنچایا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی انفرادی زندگیوں میں بھی ان اصولوں پر کاربند ہوں اور اجتماعی طور پر بھی ریاست کو اسلامی نظام کے احیاء کے لئے مائل کریں۔

ورنہ بقول حضرتؒ:

''اسلام کے نظام کی نظام معیشت سے ابتدا نہ ہو تو مجھے خدشہ یہ ہے کہ وہ غریب آدمی جو افلاس کے ہاتھوں تنگ ہے۔ شاید وہ میری اور آپ کی مدبرانہ تقریروں کو سننے کی زحمت بھی نہ گوارا کرے''۔

(المرشد (ٹی۔وی پروگرام)، قسط نمبر 9)

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرتؒ کی تعلیمات کی ترویج کی ذمہ داری اب شیخ سلسلہ امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی ایک موثر اور بھرپور انداز سے ادا کر رہے ہیں۔ گویا نہ تو برکات کے تسلسل میں انقطاع آیا ہے نہ شعبہ ہائے زندگی میں ہدایت کی کمی واقع ہوئی ہے۔ کمی ہے تو صرف خلوص دل سے کی گئی طلب کی۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ہمیں دینِ اسلام کی پیروی کی طلب اور توفیقِ عمل عطا فرمائیں۔ آمین!

(بقیہ صفحہ 70 سے آگے)

وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ کر نہیں گئے، اپنے ہاتھوں سے سینچ کے ایک پودے کو چھتناور درخت بنایا اور ہمیں اِس کی چھاؤں میں بٹھا کر گئے ہیں۔ آج بھی اُن کے منبر سے صدا بلند ہو رہی ہے۔ اس خود غرض دور میں حضرت جی مدظلہ العالی کی بڑی ہی بے غرض صدا، ایک بلاوا کہ آؤ تمہیں دامانِ مصطفٰی ﷺ سے جوڑ دوں کہ تمہیں یہ یقین نصیب ہوجائے تم آج بھی نبی آخرالزماں ﷺ کے امتی ہو۔ گناہ تم کرتے ہو اور تکلیف آپ ﷺ کو ہوتی ہے، وہ تم سے بڑھ کر تمہاری بخشش کے خواہاں ہیں۔

اس یقین سے بڑھ کر کوئی دینے والا، کسی لینے والے کو اور کیا دے سکتا ہے! اللہ کریم اِس در کو سدا آباد رکھے اور ہمیں اُن کی تعلیمات سے کما حقہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

رفعتِ شیخ

پروفیسر حافظ خالد محمود، لاہور

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے امیر حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کی شخصیت نہایت ہمہ جہت، منفرد، وسیع و جامع، دل کش و دلفریب اور جدید و قدیم کا سنگم ہے۔صدیاں ہی ایسی شخصیت پیدا کرتی ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور علامہ اقبالؒ کے بقول:

دِگر دانائے راز آید کہ نا آید

آپؒ کی شخصیت بلا مبالغہ "دِگر دانائے راز" کی حقیقی تعبیر بلکہ اُس سے بھی کہیں آگے ہے۔ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کی ''The Hundred'' کی طرز پر لکھی گئی کتاب "مسلمانوں کی پانچ سو عظیم شخصیات" میں آپؒ کا نامِ نامی بھی موجود ہے۔انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور پہلو ایسا نہیں جس کی جامعیت اللہ کریم نے آپؒ کی شخصیت میں نہ رکھی ہو۔چند صفحوں میں آپؒ کی شخصیت کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں، ضخیم جلدیں درکار ہیں۔دارالعرفان آنے سے پہلے میں آپؒ کی ذات سے بالکل نا آشنا تھا سوائے قرآن اکیڈمی لاہور میں آپؒ کا ایک خطاب سننے کے۔ملاقات کی چاہت کے باوجود سال ہا سال گزر گئے کیونکہ احباب نے حوصلہ افزائی نہ کی۔مارچ 2003ء میں مسلسل آنا جانا شروع ہوا۔حضرت جیؒ کے ڈیرے پر آپؒ سے ایک بالکل ذاتی ملاقات اللہ کریم نے نصیب فرما دی جس میں آپؒ کا صرف ایک خادم موجود تھا۔میں نے مختلف موضوعات پر حضرت جیؒ سے سوالات کرنا شروع کر دیے بالخصوص اسلام کا معاشی، سیاسی اور معاشرتی نظام، غلبۂ دین اور قرآن مجید کی عظمت کے ضمن میں۔آپؒ ڈاک دیکھ رہے تھے آپؒ نے سب خطوط میز پر رکھ دیے اور میرے تمام سوالات کے انتہائی تسلی بخش جوابات ارشاد فرمائے اور یہ بھی فرمایا:

''اب جتنے سوال کرنے ہیں کر لو بیعت کے بعد کرو گے تو نقصان ہوگا۔''

ایک دوسری نشست میں ایک سوال یہ بھی تھا، سب مفسرین نے سوائے ایک دو کی تَنَزَّلُ الْمَلَآئِکَۃُ وَالرُّوحُ... (القدر:4) ''اس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں'' میں ''والروح'' سے جبرئیل کو مراد لیا ہے۔آپؒ نے ''ارواح'' مراد لیا ہے۔خاموش ہو گئے۔میں نے پھر سوال دُہرایا تو فرمایا: ''اگر کوئی اپنی آنکھ سے دیکھتا ہو تو وہ کیا کرے۔''

یہاں آنے سے پہلے مجھے سب سے بڑا دھڑکا یہی تھا کہ یہاں صرف روحانی تربیت کا یکطرفہ معاملہ ہے اور غلبۂ دین، عظمتِ قرآن، معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام کی بات یہاں نہیں ہوگی۔میں نے حضرت جیؒ کی سینکڑوں کیسٹس سنیں اور آپؒ کی تحریروں کا جوں جوں مطالعہ کرتا گیا تو میری حیرت بڑھتی گئی کہ آپؒ تو ہر جہت سے نہ صرف گہرا سمندر ہیں بلکہ قدیم و جدید کا سنگم بھی ہیں۔جون 2004ء میں اللہ کریم نے حضرت خالد محمود چشتیؒ کی کوشش سے بیعت کی سعادت سے مالا مال فرمایا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میرا ایک پیمانہ یہ بھی تھا کہ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کا نامِ نامی کتنی محبت سے لیتے ہیں! جب دارالعرفان آنا جانا نصیب ہوا تو حضرت جیؒ کو سنا، بالکل ایسے لگا جیسے آپؒ کے دہن مبارک سے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کی محبت کے پھول جھڑ رہے ہوں، بلا مبالغہ ہے۔ اب میں آپؒ کی شخصیت کے کچھ پہلو آپؒ کی تحریروں کے آئینے میں بیان کرتا ہوں:

برکاتِ نبوت ﷺ:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کا اصل مشن "ذکر قلبی" سالک کی روحانی تربیت بالخصوص آپ ﷺ کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت اور غلبہ دین کے لیے کاوش ہے۔ جب حضرت جیؒ کے شیخ اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ دنیا سے پردہ فرما گئے تو قاسمِ فیوضات حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ شیخ سلسلہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ اُس وقت سے لے کر اپنے وصال تک آپؒ برکاتِ نبوت ﷺ کے نور کے موتی نہ صرف اہلِ پاکستان بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں پر نچھاور فرماتے رہے ہیں۔ اِس مشن میں آپؒ نے دن دیکھا نہ رات، نہ اہلِ خانہ کی تکالیف ومشکلات۔ آپؒ پوری دنیا میں تشریف لے گئے لیکن اپنے ہی Return Ticket پر۔ آپؒ کی محنتِ شاقہ اور سوزِ دروں نے قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔ آپؒ نے اپنی حیاتِ مستعار میں سینکڑوں سالکین کو تربیتی مراحل سے گزار کر روحانی طور پر حضورِ اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی سعادت سے مالا مال فرمایا۔ یہ نایاب نعمت صرف سلسلہ عالیہ کا ہی طرۂ امتیاز ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"کہ میڈیا پر اسلام کی تبلیغ ہو رہی ہے، ہر جگہ وعظ ہو رہے ہیں، جمعۃ المبارک میں وعظ، تبلیغی جماعت کام کر رہی ہے، حاجی کثرت سے ہیں، نمازی بھی، ہم كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ... (ال عمران:110) "تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے واسطے ظاہر کی گئی ہے۔" تھے۔ مظلوموں کو پناہ دینے والے تھے۔ ظلم کا پنجہ مروڑنے والے تھے لیکن آج ہم ہر جگہ مار کھا رہے ہیں۔ زمین ہمارے خون سے لہولہان ہے۔ ہم سے کیا چیز چھوٹی ہے؟ برکاتِ نبوت ﷺ چھوٹی ہیں۔" (ماہنامہ المرشد، 2006ء، ص:10)

فرمایا: "آپ ﷺ کا سینۂ اطہر آج بھی سب جہانوں کو روشن کر رہا ہے ہم دور ہو گئے ہیں۔" (ایضاً ص:11)

تصوف اور روحانی بلندی کے ضمن میں بہت ہی جامع انداز میں وضاحت فرمائی۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"آج پھر نام نہاد صاحبزادگان ہیں۔ بڑے بڑے آستانے ہیں، کیا وہاں کوئی کیفیت محسوس ہوتی ہے؟ خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو بظاہر صوفوں پر بٹھایا جائے، مُرغ کھلائے جائیں تو کیا فائدہ؟ اگر کوئی قلبی کیفیت نہ ملے اور ذکر کی نعمت حاصل نہ ہو لیکن جہاں کیفیت ملے وہاں دھکے بھی ملیں تو قیمتی ہیں۔ محض شجرہ خوانی، ٹوپی و خرقہ و جُبہ، لمبی تسبیح، قوالی، وجد و تواجد اور ناچنے کودنے سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ تصوف میں اتباعِ شریعت لازم ہے۔"

ذکر قلبی:

حضرت جیؒ نے ہمیشہ پوری قوت اور شد و مد کے ساتھ ذکر قلبی کی اہمیت کو واضح فرمایا جیسا کہ آپؒ فرماتے ہیں:

"جسے ذکر قلبی نصیب نہیں ہے کاش وہ دنیا میں نہ آتا۔ آیا تھا تو مر گیا ہوتا کیونکہ اگر اُس کا نام دل میں نہیں تو پھر کون سی جائے پناہ ہو گی؟" (ماہنامہ المرشد، جولائی 2014ء، ص:28)

؎ تیرا ذکر ہے میری زندگی
تجھے بھولنا میری موت ہے

ذکر کی نعمت کتنی بیش بہا اور کتنی بڑی بادشاہی ہے، اس کا اندازہ قلزمِ فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے الفاظ مبارک سے لگایئے۔ حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ فرماتے ہیں:

"میں نے اعلیٰ حضرت جیؒ کو کئی بار فرماتے ہوئے سنا اگر کوئی

مجھے کہے کہ ساری دنیا کی حکومت لے لو اور یہ دل کا کام اور ذکرِ الٰہی چھوڑ دو تو میں اُسے ٹھوکر مار کر کہتا کہ یہ اتنا قیمتی ہے کہ دنیا کی سلطنت کے مقابلے میں چھوڑا نہیں جاسکتا۔"

(ماہنامہ المرشد، دسمبر 2013ء، ص:13)

سلسلہ عالیہ کی یہ عظیم ذمہ داری حضرت جیؒ کو بارگاہ نبوی ﷺ سے عطا فرمائی گئی۔ اپنی ذمہ داری کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

"مجھے اس خدمت پر مامور فرمایا گیا ہے۔ آپ (لوگوں) کی نسبت میری توجہ اُس بارگاہ کی طرف زیادہ ہوتی ہے جہاں سے میری یہ ذمہ داری لگی ہے۔ میں آپ پر احسان نہیں کرتا۔ دن بھر مصروف رہتا ہوں یا راتوں کو جاگتا ہوں تو کسی پر احسان نہیں۔ یہ میری ذمہ داری ہے اور میرے لیے برابر ہے بادشاہ آجائے، جرنیل، تاجر، کروڑ پتی، امیر، فقیر وغریب یا درویش ومحتاج۔ میرے پاس آنے والا طالبِ حق ہونا چاہیے (کسے باشد) لیکن لوگ اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات لے کر آجاتے ہیں۔ بچہ ملازم ہوجائے، بیماری وتنگی دور ہوجائے، فلاں کام ہو جائے، یہ ہوجائے وہ ہوجائے۔ جوہری کے پاس لوگ آکر کہیں مجھے گاجر دلا دو، مولی دلا دو۔ ارے! یہاں تو جواہرات بٹ رہے ہیں۔"

(ماہنامہ المرشد، اکتوبر، 2012ء، ص:10)

؎ میں کہ میری نوا میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

(اقبالؒ)

کیفیات پہنچانا:

آپؒ نے ہمیشہ ساتھیوں اور مجازین حضرات کو کیفیات وبرکات مخلوقِ خدا تک پہنچانے کی تلقین فرمائی یعنی ذکر کرنے اور کرانے پہ اور اِس ضمن میں گاہے بگاہے انتہائی اعلیٰ انداز سے ساتھیوں کو توجہ دلاتے اور جھنجوڑتے رہے۔ آپؒ نے فرمایا:

"کیفیات پہنچاؤ گے تو اُس بارگاہ کے قاصد بن جاؤ گے۔"

حیرت ہے، لوگ گویوں سے گانا سیکھ کر اُسے دنیا میں پھیلاتے ہیں، شعبدہ باز شعبدہ سیکھ کر تماشہ دکھاتے ہیں۔ ہمارے پاس کیفیات ہیں اور ہم آرام سے بیٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ساتھی تو ساری زندگی گھر والوں اور گلی محلے والوں کو ذکر اور برکات وکیفیات کے بارے میں نہیں بتلاتے۔ یار! چور چوری کے لیے گینگ بناتے ہیں، چرسی بھنگی ساتھی بناتے ہیں، کبوتر باز اور بٹیر باز ساتھی بناتے ہیں تو اللہ والے کیوں خاموش بیٹھے ہیں؟ اپنی دنیا کے لیے تو ہر کوئی پاگل بنتا ہے کوئی تو اللہ کے لیے بھی پاگل بنے۔ دنیوی کاموں کے لیے لوگوں سے چٹ کرمنت کرتے ہیں انہیں کھلاتے پلاتے ہیں تو اللہ کے لیے کیوں نہیں؟ بلّغوا عنّي ولو آية (الجامع الصحيح للبخاري، كتاب احاديث الا نبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل، رقم الحديث: 3461) آپ ﷺ نے فرمایا: "میرا پیغام لوگوں کو پہنچاؤ، اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔" کفر اپنے مشن کے لیے کیا کچھ نہیں کر رہا اور ہم اتنی عظیم نعمت "کیفیات وبرکاتِ نبوت ﷺ" کو اپنے سینوں میں چھپا کے بیٹھے ہیں۔ (ماہنامہ المرشد، مئی 2011ء، ص:45)

حضرت جیؒ مزید فرماتے ہیں:

"ہمارا یہ کیسا عشق ہے مجنوں کو تو تیرہ صدیوں سے ہر دور میں دنیا جانتی ہے تو ہمارا عشق کیسا ہے کہ ہمیں کوئی نہیں جانتا؟"

ساتھیوں کو اُبھارتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارا ہونا نہ ہونا برابر ہے تاریخِ انسانی میں، بلکہ قومی تاریخ میں بھی ہم ہزاروں ہیں پر ہمیں کوئی نہیں جانتا، یہ کون سی محبت ہے، یہ کون سا عشق ہے! لوگ تو آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ جی! سستی ہوجاتی ہے ذکر نہیں ہوتا تہجد نہیں پڑھی جاتی، کہیں تو کوئی کمی ہے۔ نماز و ذکر میں کہیں کوئی سودا بازی ہے۔" (ماہنامہ المرشد، نومبر 2006ء، ص:35)

ماہانہ، سالانہ اجتماع اور اعتکاف:

دارالعرفان کی حاضری کو بامقصد بنانے کے لیے ہمیشہ ساتھیوں کو یاددہانی کراتے رہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"یہاں آؤ تو ایک مقصد لے کر آؤ۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ آج میں

ہوں کل کوئی اور ہوگا۔ جانے والے (چھوڑنے والے) خود محروم ہوں گے۔ ظہورِ مہدی تک ان شاء اللہ برکات تقسیم ہوتی رہیں گی۔ ہزاروں لوگوں کی زندگیاں اور راتیں اِس دین پر قربان ہوگئیں، وہ خوش نصیب تھے انہوں نے اچھا سودا کیا۔ یہ کوئی محض آنا جانا، ملنا ملانا نہیں ہے اپنا محاسبہ کرو کتنی تبدیلی آئی؟ کیا حاصل ہوا؟'' (ماہنامہ المرشد، جنوری 2006ء، ص:13)

مزید توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دارالعرفان آؤ تو سب فکریں بُھلا کر آؤ۔ ہر ایک کی اپنے اپنے انداز کی فکریں ہیں، اپنے اپنے مسائل ہیں، کوئی بھی اِس سے خالی نہیں۔ کیا یہاں بیٹھ کر آپ وہ ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں؟ مسائل حل کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے تو پھر دو دن یا دس دن لے کر آئیں تو سمجھ لو کہ میں قبر میں اُتر گیا، نہ میری دوستی نہ میری دُشمنی، نہ بیوی نہ بچے، نہ گھر نہ دفتر، نہ کاروبار۔ ہاں! جب فارغ ہو کر گیٹ سے باہر جاؤ تو آپ کی دنیا آپ کے سامنے ہے۔'' (ماہنامہ المرشد، جون 2004ء، ص:37)

ساتھیوں سے محبت:

سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں اور اُن کے ایمان بچانے کی حضرت جیؒ کو کتنی فکر تھی اور اِس کے لیے آپؒ کتنے کڑھتے تھے۔ ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ:

''ایک شخص جس سے ساری جماعت ناراض تھی کے بارے اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا میرے بعد اِسے جماعت سے نہ نکالنا۔ تب سے لے کر اب تک میں نے کسی شخص کو نہیں نکالا۔ کوئی خود جاتا ہے اُس کی اپنی مرضی، اللہ کریم کسی کو دھکا دے دیتا ہے تو وہ بے نیاز ہے۔ میں نے زندگی کا اُصول بنا لیا ہے، کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی کو نکالا ہو، میں نہیں نکال سکتا، میں کون ہوتا ہوں، وہ بے نیاز ہے۔ میں تو اپنے لیے اور سب کے لیے ہمیشہ معافی طلب کرتا ہوں بلکہ میں ایک اور دُعا کیا کرتا ہوں کہ خدایا! جو جماعت میں نہیں رہ سکتا اُسے ایمان پر موت دے دے اور اے اللہ! اُسے اپنے بندوں سے خارج نہ کرنا۔ اب آگے اُس (اللہ تعالیٰ) کی اپنی مرضی وہ کیا کرتا ہے۔'' (ماہنامہ المرشد، اکتوبر و نومبر کا مشترکہ شمارہ، ص:45)۔

بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ:

• الحمد للہ! اِس موضوع کا آغاز آپؒ کا ہی طرۂ امتیاز ہے۔ آپؒ نے قوم کو سمجھایا اور آگاہ فرمایا کہ ولادت باسعادت بھی مناؤ (شرعی حدود کے اندر) لیکن اصل چیز حضور ﷺ کی حقیقی محبت، غلامی اور ہر گوشہ میں اُس نظام کی پیروی ہے جو بعثت کے بعد اللہ کریم کی جانب سے آپ ﷺ کو عطا ہوا اور یہی بندۂ مومن کا اصل سرمایۂ حیات ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

''ربیع الاول کے مہینے میں قریہ قریہ، بستی بستی ہر شہر اور تقریباً ہر ادارے میں ولادت باسعادت کے پروگرام ہوتے ہیں، اُن برکات کا بیان کیا جاتا ہے جو ولادت باسعادت کے طفیل انسانیت کو نصیب ہوئیں۔ ولادت سے متعلق معجزات مبارک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ کثرت سے درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ ولادت باسعادت کا تذکرہ اِس مہینے کا، نہ خاص دن کا محتاج ہے بلکہ ہماری ہر سانس، ہر لمحہ، ہر دن اور ہر رات کو اِس سے منور رہنا چاہیے۔ آپ ﷺ سے متعلق ہر چیز کا ذکر مبارک ہے۔ سواری مبارک، لباس مبارک، اسلحہ مبارک، نعلین مبارک، اونٹنی مبارک۔ آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہر لحہ دنیا میں ہو رہا ہے۔ اذان میں چوبیس گھنٹے دنیا میں آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو رہا ہے۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الم نشرح:4) ''اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔''

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد (ﷺ) سے اُجالا کر دے

آپؒ فرماتے ہیں:

''جن برکات کا تعلق ولادت مبارک سے ہے وہ ساری کائنات کے لیے مجموعی ہیں۔ کسی ایک قوم، معاشرے یا گروہ کے لیے مختص نہیں ہیں۔ وجودِ مبارک رحمۃ للعالمین ﷺ ہے۔ رحمت کی

برکات اللہ کی طرف سے ہر مخلوق کو پہنچتی ہیں۔ جن، فرشتے، انسان، خشکی، تری، جنگلوں کی، صحراؤں کی مخلوق سب کو پہنچتی ہیں۔ لہٰذا آسمان، زمین، جن، فرشتے، جنت اور اُس کی حوریں سب خوشی منائیں، کافر بھی منائے کہ اُس کے لیے بھی حضور ﷺ رحمت بن کر آئے ہیں، وہ قبول نہ کرے تو اُس کی مرضی۔ لیکن بندۂ مومن کے لیے اِس کے ساتھ اصل نعمت بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ ہے۔ جو اتنا بڑا انقلاب ہے کہ اس سے بڑے ہونے کا تصور بھی ممکن نہیں لیکن حیرت اِس بات پر ہے کہ بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ کو کوئی نہیں مناتا۔ نہ کوئی اس کی تاریخ بتاتا ہے (17 رمضان المبارک) نہ اِس دن کوئی جلوس، نہ جلسہ نہ چھٹی۔ کبھی کسی نے سنا ہے کہ آج بعثت کا جلسہ ہے۔ وہ بعثت کہ جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صحابیت کے درجے پر فائز ہوئے۔ پھر یہ نفوسِ قدسیہ بعثت کے پیغام کی روشنی کو لے کر دنیا پر اِس طرح پھیل گئے جس طرح بادِ صحر پھولوں کی خوشبو لے کر پھیل جاتی ہے۔ کفر و باطل اور ظلم و جور پر لرزہ طاری ہو گیا۔ جہاں بھی گئے کسی کی جان و مال اور عزت کو نقصان نہیں پہنچایا۔ ہاں! ظلم و بربریت کا پنجہ توڑا۔ بتوں کی خدائی کو مٹایا۔ فرعونوں اور متکبروں کے تاج اور خزائن غریبوں میں تقسیم کیے۔ لیکن کسی غیر مسلم مرد و عورت کی چیخ سنائی نہیں دیتی کہ ہم پر ظلم ہوا ہے۔ یہ ساری تبدیلیاں بعثت سے آئیں، یہ سارا نظام بعثت سے ملا، جس میں ہر ایک کی جان و مال اور عزت کا تحفظ کیا گیا، سب کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوئیں۔ بعثت سے پہلے ہر طرف ظلم و جور تھا۔ انصاف، شرافت اور انسانیت کہاں تھی؟ غلاموں اور قیدیوں پر بھوکے شیر چھوڑے جاتے۔ بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا۔ بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ سے پہلے روئے زمین پر اللہ کا نام (صحیح صفات کے ساتھ) بتلانے والا کوئی ایک انسان نہیں ملتا۔'' آپؒ مزید فرماتے ہیں:

''عجیب بات ہے کہ آج خود مسلمانوں نے بعثت کا ذکرِ خیر ختم کر دیا ہے۔ کیوں؟ تذکرہ کریں گے تو پھر اپنی پسند کو چھوڑنا پڑے گا۔ آپ ﷺ کی غلامی کرنی ہوگی دفتر میں، کاروبار میں، شادی بیاہ، معاشرت، معیشت اور سیاست و عدالت میں۔''

؎ کی محمد (ﷺ) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

غلبۂ دین اور نفاذِ اسلام کی کوشش:

ذکر اللہ اور سالکین کی روحانی تربیت کے لیے آپؒ تمام ادوار حتیٰ کہ زندگی کے آخری لمحے تک اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے برسرِ پیکار رہے۔ آپؒ کی ساری حیات ذکر اللہ کی اہمیت سے آشنائی اور سالکین کی روحانی تربیت کے لیے کوشاں رہنے میں گزری۔

؎ میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اِسی لیے مسلماں میں اِسی لیے نمازی

حضرت جیؒ نے کسی سے بھی کبھی کوئی گرانٹ وصول نہیں کی۔ آپؒ نے ملکی سیاست پر بھی ہمیشہ حقیقی، بے لاگ اور چشم کشا تجزیے فرمائے جن کو آج بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ آپؒ عالمی پائے کے مدبّر اور سیاست دان تھے بلکہ آپؒ کی ذات سیاست دانوں کی حقیقی تربیت گاہ تھی۔ آپؒ نے ہمیشہ حق کو حق کہا اور باطل کو باطل۔ فرمایا: ''پاکستان جاگیرداروں کے پھلنے پھولنے کے لیے نہیں بنا۔ نہ سودی نظام کی نشوونما کے لیے بلکہ گنبدِ خضریٰ تک رسائی کے لیے بنا ہے۔''

؎ لا الٰہ کی تیغ کاٹے گی پھر اندھیرے کا جگر
گنبدِ خضریٰ سے روشن ہو گی پھر اپنی سحر

(حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ)

ملکِ خداداد کے حصول کے لیے جان و مال و عزت کی قربانی اس لیے دی گئی تھی کہ یہاں قرآن و سنت کی حکومت ہوگی، حاکم امین ہوں گے، انصاف ہوگا ہر ایک کو اُس کا حق ملے گا اور کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

بہت ہی پُر درد اور سوزِ دروں سے لبریز تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر ہم مخلص ہوتے تو غیر قوموں کا پس خوردہ کھانے پر مجبور نہ ہوتے، نو آبادیاتی نظام ہمارے گلے کا طوق نہ ہوتا، سودی نظام نہ پھلتا

پھولتا، ملک فلاحی ریاست ہوتا، امن کا گہوارہ ہوتا، ریموٹ کنٹرول نہ ہوتا۔ ہر آنے والا دن بدتر سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ برائی اور ظلم آخری حد تک پہنچ چکے ہیں۔ باطل ڈنکے کی چوٹ پر دندناتا پھرتا ہے۔ غیر اسلامی عدلیہ، نظامِ تعلیم، نظامِ معیشت و سیاست اور غیر اسلامی اصولِ حکمرانی، ان سب چیزوں نے مل کر لوگوں سے اُن کا ایمان چھین لیا ہے۔ ہمارا نظام رشوت پر مجبور کرتا ہے۔ حلال ذرائع سے روزی کو روکتا ہے۔ زندگی اور جینے کا حق چھین لیتا ہے۔ ایسے میں عام بندوں کا اسلام پر رہنا مشکل ہے۔ آج ہر نوالے میں سود ہے، کفن کی تاروں میں یہاں تک کہ مساجد کی تعمیر میں بھی سود ہے۔''

آپؒ نے سود کی شناعت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''کیا سود اور اسلام ایک خانے میں جمع ہو سکتے ہیں؟''

اپنے ساتھیوں اور دینی جماعتوں کے زعماء اور پرہیز گار لوگوں کو جھنجوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خالی تلاوت و ذکر اور تسبیحات و عبادت سے کام نہیں چلے گا۔ آواز بلند کرنا ہوگی۔ کھڑا ہونا ہوگا۔ چاہے حکومتیں ناراض ہوں، سلطان بگڑیں، سیاسی دباؤ آئیں، قید کیا جائے یا جان جائے، یہ ہرگز خسارے کا سودا نہیں۔ حالات کا رونا رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مبلّغین، مدرسین، ذاکرین، حاجی و نمازی دیکھیں کہ کفر و ظلم ہمارے دروازوں تک پہنچ چکا ہے۔ بدی و بے حیائی بھی! ہر لحاظ سے ملک تباہی کے دہانے تک پہنچ چکا ہے۔ اگر ہم صرف مراقبوں پر لگے رہے، نظامِ باطل پھلتا پھولتا رہا تو اللہ معاف فرمائے کہ کہیں نجات بھی مخدوش نہ ہو جائے۔ ڈر ہے کہ غیرتِ الٰہی ہمارے سجدے و تقدس ہمارے منہ پر نہ دے مارے، لے جاؤ اپنی پارسائی! دین پامال ہو رہا تھا اور تم سجدوں اور تسبیحات و ذکر میں لگے رہے، لے جاؤ اپنا پاکیزہ دامن اور جھوٹے آنسو! اس کا مطلب ہے ہم کافرانہ و ظالمانہ نظام جاری رکھنے کے جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ آپؒ نے فرمایا:

''یہ نظام نافذ کرنے سے پہلے اپنے اوپر اور اپنے گھر والوں کے اوپر نافذ کرو۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً... (البقرۃ: 208) ''اے ایمان والو! سارے کے سارے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

اپنے اوپر نافذ نہیں کرتے تو پھر سب کہانیاں ہیں۔''

روشن خیالوں اور جدید دانشوروں نے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے پروپیگنڈہ کیا کہ اسلام لوہے کا پنجرہ ہے۔ آپؒ نے اسے چیلنج کیا۔ حضرت جیؒ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''اسلام لوہے کا پنجرہ نہیں بلکہ حقیقتاً قرآن و سنت سے ناواقف لوگ اسے پنجرہ قرار دیتے ہیں کہ جس میں حرکت کرنا ممکن نہیں۔ نفاذِ اسلام کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ ذاتی طور پر اور قومی طور پر کردار کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔ نفاذِ اسلام صاف ستھرا ماحول اور تمام جائز ضروریات و سہولیات عطا فرماتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مومن دنیا میں بھی زندگی انجوائے کرے (شرعی حدود کے اندر) رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً ... (البقرۃ: 201) ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دیں اور آخرت کی بھلائی بھی عطا کریں۔"

کھانے میں لذت ہو، لباس میں عزت ہو، ہر آدمی کو اُس کا حق ملے، ساتھ عبادات بھی ہوں تو زندگی جنت کا نمونہ ہو۔ ہاں! ایک حد تک وہ لوگ بھی قصوروار ہیں کہ جنھوں نے اسلام کی غلط تاویلیں کیں، یورپ نے بھی سازشیں کیں، یوں اسلام کا تصور بدل دیا گیا۔ علامہؒ کے بقول ان تاویلوں سے خدا، رسولؐ اور جبرئیل تینوں حیران ہیں کہ اسے کیا بنا دیا گیا ہے:

زِمَن بر صوفی و ملا سلامے کہ پیغامِ خدا دادند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبرئیل و مصطفےٰؐ را

(بقیہ صفحہ 64 پر)

نفسیاتی معالجوں کے معالج

ڈاکٹر عائشہ سطوت (Ph.D)، لاہور

1994ء کی سردیوں کی ایک ڈھلتی شام جس میں ہمارے شعبہ کلینکی نفسیات، پنجاب یونیورسٹی میں حضرت المکرمؒ کے لیکچر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ ربِ جلیل نے کس عظیم ہستی کی میزبانی کا شرف بخشا ہے۔ لیکچر کے صرف 10 منٹ میسر آئے۔ لیکچر کا آخری حصہ سنا اور کچھ سوال و جواب ہوئے۔ لیکچر ختم ہو گیا لیکن یہ کیا، جب آپ تشریف لے جانے لگے تو ساری دنیا معدوم ہو گئی اور میں نے حضرت جیؒ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ایسے محسوس کیا کہ جیسے بے حد طاقتور مقناطیس کے پیچھے لوہے کا ذرہ کھنچا چلا جائے۔ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ دعائیں کیسے بارآور ہوتی ہیں، کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر کسی دل میں اللہ کو جاننے کی آرزو پیدا ہو جائے تو اللہ کریم اس شخص کو اپنے نیک بندوں کے پاس پہنچا دیتے ہیں یا ان سے ملنے کے ذرائع پیدا فرما دیتے ہیں۔

میں حضرت جیؒ کے پیچھے چلتی جا رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میرا دل شدت سے، یقین کی گہرائی سے کہہ رہا تھا۔ یہ تو وہی شخص ہے، یہ بالکل وہی شخص ہے، جو میرے دل کو اپنے رب کی بارگاہ سے آشنا کر سکتا ہے۔ مگر یہ تو معلوم ہی نہ تھا کہ اس 10 منٹ کے لیکچر کے بعد، حضرت المکرمؒ سے اتنی مختصر ملاقات کے بعد ان تمام علوم کو جن پر مجھے بہت ناز تھا اور جو میری پہچان تھی یعنی جس نے مجھے ''ماہرِ نفسیات'' کے اونچے "status" پر فائز کیا تھا، وہ تمام علوم جنہیں میں نے برسوں کی محنتِ شاقہ سے حاصل کیا تھا نہ صرف خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے بلکہ نفسیات کے مغرب سے درآمد شدہ ''سنہری اصولوں'' سے تعمیر شدہ میری شخصیت بھی ریت کا گھروندہ ثابت ہو گی۔

مجھے یہ بھی ہرگز علم نہ تھا کہ یہ ملاقات مجھ میں کن خطرناک لیکن بے حد اہم سوالات کو جنم دے جائے گی۔ تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ تمہاری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ تمہیں کیوں پیدا کیا گیا؟ تم کیا کر رہی ہو؟ تمہاری منزل کیا ہے؟ زندگی کن اصولوں پر گزار رہی ہو؟ کیا ان اصولوں کے تحت زندگی گزار کر تم کسی کے سامنے جواب دہ ہو۔ کس سراب کے پیچھے عمر ضائع کر رہی ہو؟ تمہاری اصلاح کیسے ہو گی؟ اس اصلاح کے لیے ہمت، حوصلہ اور درکار قوت کہاں سے آئے گی؟ تم تو دوسروں کی مدد اور اصلاح کے شعبہ سے وابستہ ہو، سچائی سے کہو، اپنی ذات کی اصلاح سے بےخبر ہو کر دوسروں کی مدد کیسے ہو گی؟ حقیقی نفسیات کے اصول کہاں سے ملیں گے؟ شخصیت کی تعمیر کس نہج پر اور کن اصول و ضوابط کے تحت ہو گی؟ ہمارے ذاتی مسائل و پریشانیاں، گھریلو مسائل، معاشرے کے مسائل کیسے حل ہوں گے؟ یہ تو معلوم تھا کہ اللہ کریم جب کسی پر رحم کرنے، ہدایت دینے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تب ہی تو اپنے مقرب بندوں تک پہنچنے کا وسیلہ بنا دیتے ہیں۔

مگر یہ ہرگز معلوم نہ تھا کہ ان کے سینے اُن برکاتِ نبوت ﷺ سے مزیّن ہوتے ہیں جن کی ترسیل سینۂ اطہر رسول اللہ ﷺ سے سینہ بہ سینہ ہوتی چلی آ رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ جو بھی ہدایت کا طالب ہو تو یہ مقربینِ بارگاہِ الٰہی، طالب کے سینے میں یہ تجلیاتِ باری انڈیل دیتے ہیں اور اِس بے کراں نور کے دھارے میں ثبات صرف اس شے کو ہوتا ہے جو خالقِ کائنات کے عظیم system یعنی فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ باقی کسی شے کی حیثیت اس تند و تیز سیلاب میں ایک

تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ان ساری کیفیات کے ساتھ ہی حضرت المکرمؒ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ذکر شروع کیا۔صبح، شام باقاعدگی سے ذکر کرتی۔

حضرت جیؒ سے ملاقات کے بعد حالت عجیب تھی۔ایسا محسوس ہوتا کہ نفسیات کی جو کتابیں پڑھی تھیں وہ تو یاد ہی نہیں، لیکچر کیسے دوں۔ اپنی اس کیفیت نے مجھ پر خوف طاری کر دیا کہ میں تو کچھ نہیں جانتی۔ ہمت کر کے لیکچر تیار کرتی تو اب اس کے مختلف معنی سمجھ آتے۔جیسے تیسے لیکچر دیتی ساتھ ہی ذکر بھی مسلسل کرتی رہی۔اب اپنا اندر بھی سامنے آنے لگا، شدت سے احساس ہوتا کہ زندگی کے اتنے ماہ و سال ضائع کر بیٹھی ہوں۔اب کیا ہوگا؟ ان کی تلافی کیسے ہوگی؟ جو غلطیاں ہوگئیں اُن کی معافی کیسے ہوگی؟ تکلیف ہوئی تو آنکھ تک پہنچی، ندامت آنکھوں کے راستے بہہ نکلی، رحمتِ الٰہی نے بڑھ کر تھاما کہ بس ٹھیک ہے اب آ گئی ہو نا اب واپس نہ جانا۔شدید احساس چین نہ لینے دیتا کہ جنہیں ہم چھوٹی بات سمجھتے تھے وہ تو بڑی غلطیاں نکلیں۔جتنا جتنا غلطیوں، کوتاہیوں اور اللہ کی نافرمانی کا احساس ہوتا اتنا ہی Depression کی کیفیت طاری ہوتی جاتی مگر ساتھ ہی اللہ کی رحمت کی امید بندھ جاتی۔شکر کا احساس ہوتا کہ اس نے پلٹنے کی توفیق عطا فرمائی۔اہل اللہ کی صحبت کتنی قیمتی شے ہے ان سے وابستگی کتنی ضروری ہے، اب معلوم ہوا کہ:

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

ذکر سے پہلے جب قرآنِ حکیم پڑھتی، ترجمہ پڑھتی تو بہت اچھا لگتا مگر ایک پریشانی دامن گیر رہتی کہ میں نے تو علماء سے سنا تھا کہ قرآنِ کریم کی آیات مربوط ہیں اور پہلی آیت دوسری کو explain کرتی ہے مگر مجھے یہ ربط محسوس نہ ہوتا۔ہر مرتبہ قرآنِ حکیم کو ترجمہ سے پڑھتی تو یہ احساس مجھے شدید پریشان کر دیتا کہ مجھے یہ ربط کیوں محسوس نہیں ہوتا۔ہر آیت کا مطلب الگ الگ کیوں محسوس ہوتا ہے۔اللہ کریم سے اس کیفیت کے دور ہونے کی دُعا کرتی۔ایک دن ذکر میں بیٹھی تو محسوس ہوا کہ ایک نور کی شُعاع نے میرے دل، دماغ اور زبان میں ایک Connection پیدا کیا ہے گویا کہ ایک سرکٹ سا بن گیا ہے۔اس تجربے کے بعد قرآنِ حکیم ترجمہ سے پڑھا تو میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی کہ مجھے قرآنِ کریم کی آیات میں وہ ربط محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے پتہ چل رہا تھا کہ اللہ کریم مجھ سے کیا بات کر رہے ہیں اور کس واقعہ میں میرے لیے کیا سبق ہے۔اپنی غلطیوں کی نشاندہی ہونے لگی۔ غلطیوں کا احساس شدید لیکن ساتھ ہی توبہ کی توفیق اور اللہ کی رحمت کا احساس ہونے لگا۔دل میں اطمینان اور خوشی آنے لگی۔ذکر زیادہ سے زیادہ کرنے کو دل چاہنے لگا۔نماز پڑھنے کو دل چاہنے لگا۔جب کوئی غلطی یا کھٹکا پیدا ہوتا تو دل فوراً کہہ اُٹھتا کہ دیکھو کام غلط نہ ہو جائے۔ سیکھو، پوچھو کہ درست کام کرنے کا طریقہ کیا ہے، کون سا طریقہ شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہے۔جسم میں قوت اور چستی آنے لگی۔کام کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہونے کی قوت آ گئی، عرصے سے رُکے ہوئے کام کرنے کی توفیق ملی۔اب معلوم ہوا کہ جب مریض مجھ سے کہتے کہ ہمیں پتہ ہے کہ ہماری یہ عادت غلط ہے اس سے ہمیں پریشانی ہوتی ہے لیکن ہم اپنی اس عادت کو ختم نہیں کر سکتے ہم سے نہیں ہوتا اور میں سوچتی کہ ایسا تو میرے ساتھ بھی ہے کہ کچھ شدید عادات سے تو مجھے بھی چھٹکارا پانے میں ناکامی کا سامنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو ہر بیماری کا علاج پیدا کیا ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟

ماہرینِ نفسیات کی جب ٹریننگ ہوتی ہے تو اُس میں "Self growth" پر زور دیا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو جانیں اور اپنی شخصیت میں سے "Irrational" (بے معنی)، "Illogical" (غیر منطقی) باتیں نکال پھینکیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہو کہ آپ کو یہ معلوم ہو کہ مجھ میں یہ کمزوری ہے اور therapist (ماہر نفسیات) کی اس کمزوری کی وجہ سے مریض پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟ کوشش کریں کہ آپ کی یہ کمزوری نفسیاتی طریقہ علاج (Therapy) پہ اثر انداز نہ ہو۔

اب معلوم ہوا کہ اس کا کتنا آسان علاج ہے کہ انسان اصل "ماہر نفسیات" یعنی طبیبِ دل تلاش کرے اور اس کے دَر سے وابستہ ہو جائے، پھر جب برکاتِ نبوت ﷺ دل میں در آئیں گی، انڈیلی جائیں گی، دل صاف ہوں گے تو کردار خود بخود بدل جائیں گے۔ کتابیں اور پند و نصائح ہمیں یہ علم تو دیتے ہیں کہ غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے مگر ان میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ انسان غلط کو چھوڑے اور صحیح کو اختیار کرے۔ اس کے لیے بڑی مضبوط قوتِ ارادی، بہت حوصلہ اور ہمت درکار ہے، وہ کہاں سے آئے؟

لیکن حضرت جیؒ کے درِ دولت سے وابستہ ہو کر پتہ چلا کہ اللہ کریم نے آپؒ کی صورت میں ہمیں کس عظیم نعمت سے نوازا کہ آپؒ کی توجہ نے ہمیں نفسیات کے اصول صرف سمجھائے نہیں بلکہ فوری اس کے اثرات ہمیں محسوس کروا دیئے۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے کہ "اہل اللہ تعلیمات ہی نہیں ان کے ساتھ کیفیات بھی عطا فرماتے ہیں۔" یہی ہوا، گناہ کی کڑواہٹ محسوس ہونے لگی اور نیکی مزہ دینے لگی۔ دل میں جب اطمینان و سکون کا پہلا لمحہ محسوس کیا تو حیران رہ گئی کہ اس سے تو میں کبھی آشنا نہ تھی۔ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ پریشان، غمزدہ، دکھی انسانوں میں ہم Therapists (ماہرین نفسیات) سکون بانٹتے ہیں لیکن جسے ہم سکون سمجھتے تھے وہ تو Relaxation (وقتی آرام) ہے۔ سکون تو ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو تجلیاتِ باری کے دل پر وارد ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ جو صرف زبانی ذکر اذکار، عبادات کی کثرت، پند و نصائح اور social support (اخلاقی مدد) سے حاصل نہیں ہوتا۔ کوئی therapy جو محض دنیوی زندگی کی کامیابی اور adjustment (مطابقت) پہ فوکس کرے، سکون عطا نہیں کر سکتی۔ وقتی طور پر ذہنی آرام دے سکتی ہے۔ ابدی اور دائمی سکون اللہ تعالیٰ کے فرمان أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد:28) میں پوشیدہ ہے، کرنا شرط ہے۔

یہ ذکرِ قلبی ہی تھا جو حضرت المکرمؒ کے بتائے ہوئے طریقے سے کرنے کے بعد سکون بخش رہا تھا۔ یہ کیفیت سکون تک محدود نہ تھی بلکہ دل میں بے پناہ خوشی تھی۔ دل چاہتا کہ اللہ کریم نے جو نعمت، سکون اور خوشی کی عطا فرمائی ہے سب کو مل جائے۔ اللہ کی مخلوق سے محبت ہونے لگی۔ لوگوں کے ناپسندیدہ رویوں سے چڑنے کی بجائے ان سے ہمدردی پیدا ہونے لگی۔ دل چاہنے لگا کہ سب حضرت المکرمؒ سے جڑ جائیں، سب ذکر کرنے لگیں۔ سب کو ذکرِ الٰہی کی دولت حاصل ہوتا کہ ہمارے وہ رویے جو دنیا میں دوسروں کی ایذا کا باعث ہیں۔ معاشرے میں، گھروں میں، باہر ہر جگہ بگاڑ کا باعث ہیں بدل جائیں، مثبت ہو جائیں۔ شیخ المکرمؒ کے سینے سے برکاتِ نبوت ﷺ کی ترسیل ہمارے دلوں تک ہو اور نبی اکرم ﷺ کی برکات سے ہمارے قلوب بھی محبت سے جڑ جائیں مجھے یہ خوبصورت تجربہ ذکر کے بعد ہوا۔

خواتین کے ذکر کے حلقے میں جب میں پہلی مرتبہ گئی تو ذرہ برابر اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ سب خواتین مجھ سے ایسے ملیں جیسے ہماری پرانی جان پہچان اور گہری دوستی ہو۔ مجھے بھی ایسا لگا کہ انہیں تو میں ہمیشہ سے جانتی ہوں۔ یہ میرے شیخ کی کرامت باتباع اور بہ طرزِ رسول اللہ ﷺ تھی کہ برائی کی طرف تیزی سے بھاگتے لوگوں کا رُخ اللہ کی طرف ایسے موڑ دیں کہ اُن کی speed (رفتار) متاثر نہ ہو اور جب سب کا رُخ مرکز یعنی اللہ کی طرف ہو جائے تو وہ ایک دوسرے کے اس قدر قریب آ جاتے ہیں کہ ایک جسم بن جاتے ہیں، سارے موتی ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ... (الانفال: 63) کس قدر خوبصورت رشتہ کہ کسی کو یہ غرض نہیں کہ کس کا خاندانی پس منظر کیا ہے؟ اس کی ذات؟ اس کا معاشرتی مقام کیا ہے؟ بس اللہ کے لیے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ الحب للہ والبغض للہ (شعب الایمان) أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ... (الفتح:29)

ایک اور خوبصورت بات میں نے نوٹس کی کہ ذکر، اللہ کی رضا کے لیے شروع کریں تو آپ کے گرد سے ایسے لوگ چھٹنے شروع ہو جاتے ہیں جو دنیوی لذتوں میں سکون تلاش کرتے ہیں اور اللہ کریم آپ کو اُن لوگوں میں گھیر دیتے ہیں جو محض اللہ کی رضا کے لیے اس کا ذکر

کرتے ہیں۔ چنانچہ میری تمام پرانی دوستیں چھوٹ گئیں اور ایسے لوگ میسر آئے ایسی دوستیں کہ جو اللہ کے ذکر کی طالب تھیں۔ نہ ہی پرانی دوستیاں چھوٹنے کا پتہ چلا اور نہ ہی اس کا غم۔ صد شکر۔

؎ مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

حضرت المکرمؒ کے ساتھ بہت ذکر ملے۔ آپؒ تشریف لاتے۔ اور اپنی انتہائی مصروفیت میں ہمیں وقت عنایت فرماتے تو خوشی کی انتہا نہ رہتی یوں محسوس ہوتا کہ سکون اور خوشی کا سیلاب امڈا چلا آتا ہے۔ خوف اور عدم تحفظ کا غیر شعوری احساس غائب ہونا شروع ہو گیا۔ اللہ کریم کا ساتھ محسوس ہونے لگا۔ PhD کے لیے سکالرشپ ملا تھا اور امریکہ میں یونیورسٹی میں داخلہ بھی ہو چکا تھا مگر ویزہ نہ مل رہا تھا۔ میں ویزہ کی کوشش بھی ابھی تک بے دلی سے کر رہی تھی۔ اپنی کمزوری سے خوف آتا تھا کہ کہیں مغربی معاشرے کے رنگ میں نہ رنگی جاؤں۔ مگر حضرت جیؒ کی صحبت اور ذکر سے اعتماد پیدا ہو رہا تھا۔ حضرت جیؒ سے ویزہ کے بارے عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا امریکہ کا نہیں ملتا تو برطانیہ سے کر لو لیکن PhD ضرور کرو۔ حضرت جیؒ کے فرمانے کی دیر تھی کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں جا سکتی ہوں میرا اعتماد کئی گنا بڑھ گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ میں ثابت قدمی سے باہر رہ سکوں گی اور اللہ تو میرے ساتھ ہیں، مجھے کیا ہو سکتا ہے۔ کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ الحمدللہ حضرت المکرمؒ کی دعاؤں سے برطانیہ میں داخلہ بھی ہو گیا اور ویزہ بھی فوری مل گیا۔

حضرت المکرمؒ لاہور تشریف لاتے، اپنے قیمتی وقت سے ہمیں وقت عنایت فرماتے، تربیت بھی ہوتی اور ہماری نفسیات کے اصولوں کی طرف راہنمائی فرماتے۔ حضرت المکرمؒ کے کلام کی حسن و خوبی کو مجھ جیسی کم مایہ بندی کیا ماپ سکتی ہے۔ مجھے تو صرف یہ معلوم ہے حضرت جیؒ جس بات کی طرف اشارہ فرماتے کہ اسے درست ہونا چاہیے تو دل میں اس کی درستگی کی خواہش پیدا ہو جاتی، دل کی چاہت ہمارے قدموں کو اس راستے پر لے جاتی۔ نہ سوال پیدا ہوتا کہ ایسا کیوں کریں، کیسے کریں، بس دل اس طرف مڑ جاتا اور سمجھ آنے لگتی کہ چلنے کا راستہ تو ایک ہی ہے

نبی کریم ﷺ کے نقشِ کفِ پا تلاش کرو اور پیروی کرو بلکہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اصل بات تو صحبتِ شیخ سے تجلیاتِ باری کا عطا ہونا ہے جو آنکھوں کے پردے ہٹا دیتی ہے، بصارتِ قلب کو جلا بخشتی ہے، سماعتوں کے ثقل دور کر دیتی ہے تب ہم نقشِ کفِ پائے حبیب ﷺ کا پتہ پاتے ہیں ورنہ تو نقشِ کفِ پائے محمد رسول اللہ ﷺ تو سورج سے زیادہ روشن ہیں۔ قیامت تک اسی طرح جگمگاتے، روشنیاں بکھیرتے اور راستہ دکھاتے رہیں گے۔

فَجَآءَ مُحَمَّدٌ سِرَاجًا مُّنِيْرًا

فَصَلُّوْا عَلَيْهِ كَثِيْرًا كَثِيْرًا

لیکن یہ ہمیں اس لیے نظر نہیں آتے کہ ہم نے غفلت اور جہالت کے اندھیروں کو ترجیح دی اور قرآنِ حکیم کے مطابق پھر ہمارے دل اندھے ہو گئے، ان پر پردہ پڑ گیا اور ہم راہ گم کر بیٹھے، ہمارا احساس مر گیا۔ ایسے میں کسی ایسے ہی رہبر کی ضرورت تھی جو ہمیں اس ضرورت کا احساس دلائے کہ جس راہ پر ہم گامزن ہیں وہ تو تباہی کی طرف لے جاتی ہے، ہمیں اپنے چراغ سے راستہ ہی نہ دکھائے بلکہ ہمارے قلوب میں چراغاں کر دے، ہمارے قلوب کا اندھا پن دور کر دے۔ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں اس راستے پر لے جائے جو "فوزِ عظیم" کی طرف لے جاتا ہے۔ اس دور میں اِس نعمتِ عظمیٰ کو پانے کے لیے جس نے حضرت جیؒ کا دامن تھاما، دامانِ محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ فوزِ عظیم کی طرف گامزن ہوا۔

میں انگلینڈ جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ ڈیپارٹمنٹ میں چیزوں کو hand over کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ، ویزہ، ٹکٹ، یونیورسٹی سے NOC لینا وغیرہ درجنوں کام تھے۔ اس کے علاوہ جو مریض دیکھ رہی تھی ان کو بھی دوسرے therapists کو شفٹ کر رہی تھی تا کہ ان کے علاج کا تسلسل نہ ٹوٹے۔ ایک طالبہ علاج کے لیے میرے پاس آ گئی۔ اسے شدید ڈپریشن تھا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں تو بیرونِ ملک جا رہی ہوں اس لیے وہ کسی اور ماہرِ نفسیات سے رجوع

کرے اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ صرف مجھ سے ہی علاج کرائے گی ورنہ وہ یونیورسٹی کی نہر میں چھلانگ لگا کر مر جائے گی۔ اس سوچ سے کہ میں اسے relaxation بتاتی ہوں اور ساتھ ہی دوسرے معالج کو refer کرنے پر آمادہ کرلوں گی میں نے اُسے ذکر اللہ کرنے کو کہا اور اس کی افادیت بتائی۔ اس کی کچھ ہسٹری لی تو معلوم ہوا کہ گھر میں شدید مسائل ہیں۔ والدین بیمار ہیں۔ اتنا عدم تحفظ کا شکار ہے کہ اپنی دوست کو کسی دوسری لڑکی سے بات بھی کرنے نہیں دیتی اس کا ہاتھ پکڑ کر رکھتی۔ اسے لگتا کہ وہ اُسے چھوڑ دے گی۔ ہاسٹل میں ہر لڑکی سے چھوٹی سی بات پر سخت لڑائی ہو جاتی۔ کھانا زیادہ کھانے سے وزن بڑھ گیا تھا۔ وہ ہر وقت روتی رہتی تھی۔ اداسی اور پریشانی بے حد شدید تھی۔ چھوٹی سی غلطی پر اپنے آپ کو گرمی کی شدید دھوپ میں کھڑا رہ کر سزا دیتی۔ اُس نے ذکر شروع کیا اور بہت باقاعدگی اور استقلال سے کیا۔ دو دن میں اُس میں 20 فیصد بہتری آ گئی۔

اُسے میں نے چھ sessions ایک ایک دن چھوڑ کر دیئے اور صرف ذکر کی اہمیت بتاتی اور کرنے کو کہتی رہی اور دوسرے معالج کے پاس جانے کے لیے قائل کرتی رہی۔ مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُس کی دوست نے رپورٹ کرنا شروع کیا کہ اس کا رویہ مسلسل بہتر ہو رہا ہے۔ اب اس نے اس کا ہاتھ پکڑنا بند کر دیا ہے اور اسے دوسروں سے اس کے بات کرنے پر بھی اعتراض نہیں ہوتا۔ ہاسٹل میں جس جس سے اس نے زیادتی کی اس سے معافی مانگ رہی ہے۔ نماز پڑھنا شروع کر دی ہے اور اپنی پڑھائی پر توجہ دے رہی ہے۔ اس نے خود بھی اپنی حالت، موڈ اور رویوں میں تبدیلی اور پڑھائی کی طرف بہتری رپورٹ کی۔ فون پر اب وہ گھر والوں سے بھی نہ لڑتی۔ تیرھویں دن جب وہ میرے پاس آئی تو عبایہ میں ملبوس تھی اور اُس نے مجھے کہا کہ مجھے اب کسی معالج کی ضرورت نہیں اور میں بالکل ٹھیک ہوں اور اپنے thesis کے کام پر فوکس کر سکتی ہوں۔ میں نے کہا یہ میرے حضرت المکرم کا بتایا طریقہ ہے۔ اس ذکر قلبی سے میرے شیخؒ کے مبارک سینے سے برکات نبوت ﷺ منعکس ہو رہی ہیں۔ ایسا تو ہوگا، کردار تو بدلے گا۔ بعد میں اُس نے بیعت بھی کی اور انگلینڈ مجھے خط بھی لکھتی رہی۔ اتنی تیزی سے صحتیابی، وہ بھی ادویات کے بغیر، میرے ساتھیوں کا خیال تھا کہ یہ شفا وقتی ہے اور جیسے ہی میری سپورٹ ہٹے گی، دوبارہ اس کی کیفیت وہی ہوگی۔ مگر نفسیات کی دنیا کو یہ پتہ نہ تھا کہ شیخ کے سینے سے برکاتِ نبوت ﷺ کی ترسیل تو کبھی رکتی ہی نہیں، نہ ہی اللہ کریم اپنے بندوں کو بے یار و مددگار چھوڑتے ہیں وہ تو دوست بن جاتے ہیں۔ شیخ کی بے پایاں محبت و شفقت سے راہنمائی اور ایک ایک بندے پر سخت محنت انسان کو کردار کی وہ مضبوطی عطا کرتی ہے کہ ایسے کردار کے حامل لوگ مشکلات سے پریشان ہونا تو کجا اللہ پر یقین کی قوت سے طوفانوں کا رُخ موڑ دیا کرتے ہیں۔ اللہ کریم ہمیں ذکر پر محنت کی توفیق عطا فرمائیں۔

ایک میڈیکل کی بے حد ذہین، گولڈ میڈلسٹ طالبہ جو ڈپریشن کی شدید کیفیت میں تھی، سارا دن بند کمرے میں لیٹی گانے سنتی رہتی۔ پڑھائی چھوڑ دی اور شدید اداسی، نیند کی کمی کا شکار تھی۔ بہت اصرار سے تھوڑا کھا لیتی۔ اپنی ذات کی طرف بھی توجہ نہ دیتی۔ کالج جانے کو ہرگز تیار نہ تھی۔ ذکر اللہ سے 3 سے 4 ہفتوں میں اُس نے بغیر کہے کالج جوائن کر لیا اور زندگی میں بھر پور حصہ لینے لگی اور اگلے امتحان میں 3rd اور اُس سے اگلے امتحان میں فرسٹ پوزیشن لی۔ حضرت المکرمؒ سے بیعت ہوئی اور اعزاز سے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔

میں انگلینڈ روانہ ہوگئی۔ اسی دسمبر کی کرسمس کی چھٹیوں میں حضرت المکرمؒ انگلینڈ تشریف لائے۔ میری سپر وائزر نے ایک مکمل کتاب پڑھنے کو دی۔ حضرت جیؒ کو بتایا تو آپؒ نے فرمایا جو پڑھو، شام کو مجھے بتایا کرو۔ ساتھ ہی فرمایا ایک دفعہ پورے مضمون کو پڑھ ڈالو اور دوسری دفعہ توجہ سے اُس کے نکات پر غور کرو۔ حضرت جیؒ کے پروگرام میں بھی شامل ہوتی اور اپنی پڑھائی بھی کرتی۔ حضرت المکرمؒ روز پڑھائی کے بارے دریافت فرماتے اور فرماتے سناؤ، کیا پڑھا۔ قریباً دس دن کے قیام میں حضرت جیؒ نے ذکر بھی کرایا، اسباق بھی دیئے اور اپنی

defnitions درست کرنے کا فرمایا اور یوں سپروائزر کی کتاب مجھے احساس دلائے بغیر ازبر ہوگئی۔

آپؒ کس شدت سے امتِ مسلمہ کا درد محسوس فرماتے، خصوصاً دیارِ غیر میں رہنے والے لوگوں کے مسائل پر آپؒ بہت دکھی نظر آئے۔ آپؒ کے انگلینڈ قیام کے دوران ایک خاتون ملنے آئیں، کچھ عرصہ سے ذکر کر رہی تھیں۔ کہنے لگیں حضرت جیؒ میرے شوہر کی دکان پر اور اشیاء کے علاوہ شراب بھی بکتی ہے اور خنزیر بھی، میرے چار بیٹے ہیں، میں پڑھی لکھی بھی نہیں، گھر کے کاموں سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ کما کر بچوں کا پیٹ پال سکوں۔ حضرت جیؒ نہایت آزردہ ہوئے۔ اسے مسئلے کا حل تجویز فرمایا۔ ان خاتون کے جانے کے بعد فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ بچیوں کی شادی کے وقت ماں باپ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ جہاں جا رہی ہے اس کا ایمان بھی سلامت رہے گا یا نہیں صرف دنیا کی فراوانی دیکھ کر بیاہ دیتے ہیں۔

دورانِ قیام سلسلہ عالیہ کے ساتھی آپؒ کو علاقے کی سیر کے لیے لے گئے۔ واپس تشریف لائے، آپؒ سے ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا۔ آپ کی سیر کیسی رہی؟ آپؒ نے شدید اداسی سے فرمایا۔ کیسی سیر! ایک جیسے مکان ہیں اور ایک جیسے انسانوں کے حالات، ہر طرف بے حیائی ہے، سر میں شدید درد ہوگیا۔ آپؒ نے اپنے بیان میں خواتین کو ذکر میں لانے کی اہمیت اُجاگر فرمائی۔ وہاں غیر مسلم تو پریشانی اور بے سکونی کا شکار ہیں ہی مگر مسلمان خواتین بھی ماحول کے زیرِ اثر ذہنی و نفسیاتی مسائل اور ذہنی دباؤ کا شکار نظر آتی ہیں۔ حضرت جیؒ فرماتے کہ خواتین معاشرے کی سدھار کا بنیادی ستون ہیں۔ ان کی ڈگر صحیح ہوگی تو ہی وہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کر پائیں گی۔

آپؒ واپس تشریف لے گئے تاکید فرمائی کہ خط سے رابطہ رکھیں۔ حضرت جیؒ کے جانے کے بعد مجھے عجیب تجربہ ہوا۔ میں جہاں جاتی آپؒ کی خوشبو ساتھ ہوتی۔ کبھی مجھے محسوس ہوتا کہ میں یہاں اکیلی نہیں ہوں بلکہ حضرت جیؒ میرے ساتھ چل رہے ہیں اور اُن کی مخصوص خوشبو مجھے ساتھ ساتھ محسوس ہوتی۔ حضرت جیؒ فرماتے یہ ذکر کی خوشبو ہے۔

اب میرا دل چاہتا تھا ہر کسی کو حضرت جیؒ کی صحبت میسر آجائے۔ ہر کوئی ذکر کرے اور دین و دنیا کی فلاح پا جائے۔ کچھ دن بعد میری سُپر وائزر "Supervisor" نے مجھے ایک اسائنمنٹ دے دی جو اگلے دن 12:30 پہ دینا تھی۔ صبح اُٹھی اور دعا کر کے کام شروع کیا۔ کافی دیر بعد مجھے لگا کہ شاید وقت ہو گیا ہوگا اور میرا کام تو ابھی مکمل نہیں ہوا مگر گھڑی کی سوئیاں جیسے نہایت سست روی سے چل رہی تھیں۔ 11:30 بجے اور میری اسائنمنٹ مکمل ہوگئی۔ سبحان اللہ! وقت میں برکت کا تجربہ پہلی مرتبہ ہوا۔

دوسری مرتبہ تو صورتحال اور زیادہ سنگین تھی۔ Ph.D کا Thesis جمع کرانا تھا اور اس میں ایک عبارت کا reference چاہیے تھا جو کسی آرٹیکل سے لیا گیا تھا۔ درجنوں آرٹیکل تھے اور وقت بہت کم۔ پریشان بیٹھی تھی کہ کیسے ڈھونڈوں، بے دلی سے آرٹیکلز کی File سے ایک آرٹیکل کھینچ لیا اور صد ہزار شکر کہ آرٹیکل وہی تھا جس کی ضرورت تھی۔ کروڑوں رحمتیں اس ہستی پر جس کے زیرِ سایہ اللہ کرنے سے معیتِ باری کا شدید احساس ہوا کہ اللہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ ہمارے ساتھ ہے۔ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ [البقرۃ 186:2] اس کے ساتھ سے کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی۔

حضرت المکرمؒ کو خط میں سارے حالات لکھتی۔ آپؒ تاکید فرماتے کہ ''بیٹے آپ وہاں اعتماد سے رہیے۔ کمزوری اپنے اندر ہوتی ہے باہر سے کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' آپؒ کو احساس تھا کہ ایک نئے معاشرے میں نت نئے مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ آپؒ کی بات نے بے حد حوصلہ دیا۔ آپؒ میرے خطوط کا فوری جواب دیتے، ہر مسئلے میں راہنمائی فرماتے۔ آپؒ کا جواب مختصر ہوتا مگر اپنے اندر ایک سمندر لیے ہوئے۔ میں ایک مسئلے کا حل پوچھتی مگر آپؒ کے جواب سے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں راہنمائی مل جاتی۔

الحمدللہ! سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

PhD کے آخری سال میں یونیورسٹی کے قریب ایک گھر میں کرائے کا کمرہ لیا۔ اس کی مسافت قریباً یونیورسٹی سے تقریباً 20 منٹ تھی۔ ایک مرتبہ مجھے یونیورسٹی میں کام کرتے کافی دیر ہوگئی، وقت کا پتہ نہ چلا۔ نکلی تو دل میں اکیلے رات کو گھر جاتے وقت کچھ بے چینی تھی۔ اللہ کا نام لیا۔ آیت الکرسی پڑھی اور چل پڑی۔ تیز قدم اُٹھاتی جا رہی تھی اور دل میں تھا کہ جلد بحفاظت گھر پہنچوں کہ اچانک میں نے اتنی بڑی ڈھال دیکھی وہ اتنی بڑی تھی جیسے آسمان جیسی اور اس پر انتہائی باریک خوبصورت نقش و نگار بنے تھے اور اس پر ایک کنڈا لگا تھا جیسے اُسے پکڑنے کے لیے۔ اُس نے مجھے ڈھک لیا اور مجھے محسوس ہوا جیسے اللہ کریم نے فرمایا۔ میں ہوں نا، فکر کیوں کرتی ہو۔ معیتِ باری کے اِس احساس کو میں کبھی بھول نہیں سکتی۔ میں ایک دم سے سکون اور اطمینان میں آ گئی کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کیا کروڑوں زندگیاں پا کر بھی ہم اس ہستی کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں جس نے برکات نبوت ﷺ سے ہمارے دلوں کو مزیّن کیا، دین کو ستھرا اور اصل و آسان شکل میں پیش کیا۔ اللہ حاضری، اللہ ناظری اور اللہ معی کا احساس عطا فرما دیا۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ حاضری، اللہ ناظری اور اللہ معی کا مفہوم ایک نئی جہت سے بھی سامنے آیا۔ میں اکثر سوچتی کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ادراک بھی نہیں کر سکتے۔ ہم کون سی پریشانیوں کو پریشانی کہتے ہیں؟ اور کس بات کو نفسیاتی مسئلہ (Psychological Problem) کہتے ہیں؟ جب آپ کے بوجھ ختم کر دیے جائیں۔ درست راستہ متعین کر کے دکھا دیا جائے۔ خالقِ کائنات جو ہر جگہ موجود ہے ہماری شہ رگ سے قریب ہے سے رشتہ استوار کر دیا جائے تو کیا ایک پُر اعتماد، پُرخلوص، یقین سے مزین، قوی شخصیت کی تعمیر نہیں کی جا رہی ہوتی۔ جس بندۂ عاجز میں اپنی حیثیت کا احساس پیدا ہو جائے، خالق کائنات سے رشتہ استوار ہو جائے، اس کی عظمت کا اپنی حیثیت کے مطابق ادراک ہو جائے تو ہی وہ اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز ہوگا۔ خلافت اسی کو ملے گی جو ثابت کرے اور حضرت جیؒ نے جو راستہ دکھایا وہ ہے اتباعِ محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ، محبت و عشقِ رسول ﷺ کا راستہ جو سورج سے زیادہ روشن ہے۔

کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است
کارِ مردان روشنی و گرمی است

جب ایسا شیخ مل جائے تو اُسکی جوتیوں کی مٹی میں جگہ تلاش کر۔

آپؒ نے ہمیشہ عملی زندگی کو اطاعتِ پیمبر ﷺ میں ڈھالنے کی تاکید فرمائی۔ آپؒ فرماتے کہ عمل، دعویٰ کا گواہ ہوتا ہے عمل نکل جائے تو نرا دعویٰ ہے اور صرف دعویٰ پر کیا اجر مرتب ہوگا، الٹا گستاخی تصور ہوگی۔

میں حضرتؒ کو مشاہدات اور خواب لکھتی رہی۔ حضرت المکرمؒ نے ایک خط میں خوابوں سے نکل کر عملی دنیا میں اتباعِ پیمبر ﷺ ملحوظ رکھتے ہوئے زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی۔ آپؒ نے اپنے بیانات میں بدر جہا اس بات پر زور دیا کہ نبی کریم ﷺ نے دین کو کامل صورت میں ہم تک پہنچا دیا۔

حضرت جیؒ سے تعلق ایسا جڑ گیا تھا کہ جونہی حضرت شیخ المکرمؒ کمرے سے باہر تشریف لاتے تو اپنے کمرے میں بیٹھے فوراً پتہ چلتا کہ آپؒ باہر تشریف لائے ہیں۔ اسی طرح جب پاکستان سے خط کا جواب آتا تو Common room میں ہماری ڈاک کے خانے جن کو pigeon holes کہتے تھے میں رکھ دیا جاتا۔ جیسے ہی خط پہنچتا، نچلی منزل میں بیٹھے بیٹھے مجھے یقین ہو جاتا کہ حضرت المکرمؒ کا خط آن پہنچا، لپک کر جاتی اور آپؒ کا خط موجود ہوتا۔

کسی کو ذکر بتاتی تو ایسی مثال دل میں آتی کہ میں حیران ہو جاتی کہ یہ کہاں سے آ گئی۔ پھر پاکستان سے حضرت جیؒ کی آئی کیسٹ سنتی تو آپؒ کے بیان میں وہی مثال ہوتی۔ گویا علوم حضرت المکرمؒ، اپنے عظیم المرتبت شیخ کے مبارک سینہ سے منعکس ہو جاتے۔ سبحان اللہ! روحانی رشتے کی عظمت اور خوبصورتی صرف اللہ والوں سے جڑ کر ہی سمجھ آتی ہے۔ حضرت المکرمؒ فرماتے کہ جس کا دل مجھ سے جڑ جائے گا اس کی

زبان پر میری باتیں جاری ہو جائیں گی۔ کوئی کام کرتے ہوئے اگر دل میں ہچکچاہٹ ہوتی اور پھر بھی اس پر عمل پیرا ہو جاتی تو وہ کام درست نہ ہوتا۔ حضرت جیؒ کا بیان سنتے وقت، پڑھتے وقت محسوس ہوتا کہ یہ بیان تو میری موجودہ حالت کے مطابق ہے اور میرے مسئلے کا حل مجھے اس سے مل جاتا اور مزے کی بات یہ تھی کہ جتنی مرتبہ اس بیان کو پڑھتی یا سنتی تو اس وقت کے مسئلے اور حالت کے مطابق حل مل جاتا۔ اپنی غلطی کا ادراک ہوتا اور اصلاح کا طریقہ بھی سمجھ آ جاتا۔

قرآنِ حکیم قلبِ اطہر محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور اس کا اعجاز ہے کہ جب، جہاں سے کوئی بھی شخص قرآنِ حکیم کو سمجھ کر پڑھے اس کو ہر بار مطالعے سے اپنے حال کے مطابق ہدایت عطا ہوگی اور جس عظیم ہستی نے محنتوں اور مشائخ عظام کی صحبتِ عالیہ سے قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ سے کیفیات حاصل کیں، علومِ قرآن حاصل کیے بلکہ عطا کیے گئے ان کی تحاریر اور تقاریر میں یہی کرامت کیوں کر نہ ہوگی۔ حضرت جیؒ فرماتے:

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں
زبان میری ہے بات ان کی
میرا فقط ہاتھ چل رہا ہے
انہی کا مطلب نکل رہا ہے
انہی کا کاغذ، انہی کا مضموں
قلم انہی کا، دوات ان کی

ہاسٹل میں دورانِ قیام ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔ ایک Chinese لڑکی جو اپنے آپ کو 'لادین' کہتی تھی نے اپنی دن رات کی routine کو درست کرنے کے لیے مدد چاہی۔ اُسے ذکر بتانے کی توفیق ہوئی تو تین دن کے اندر اُس نے بہت تبدیلی محسوس کی۔ ایک دن پوچھنے لگی کہ اگر اللہ ہے تو ہمیں کیسے پتہ چلے کہ وہ ہے اور اللہ کو کہاں ڈھونڈیں۔ میں نے اُسے کہا کہ اگر تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ گھر میں کوئی ہے یا نہیں تو دروازہ کھٹکھٹاؤ، اندر کوئی ہوگا تو جواب آ جائے گا۔ اللہ کو پکارو، ہوگا تو جواب ملے گا۔ اسی دن ہی کسی نے حضرت المکرمؒ کی تفسیر اکرم التفاسیر کی سورہ فاتحہ کی تشریح کی انگلش ٹرانسلیشن بھیجی تھی۔ میں نے اس کا پرنٹ اسے مطالعہ کرنے کو دیا۔ صبح مجھے کہنے لگی تمہیں تو مجھے گائیڈ کرنا نہیں آتا کہ اللہ کو کیسے ڈھونڈیں، میں بتاتی ہوں، پہلے اس کی تعریف بیان کرتے ہیں، پھر اُس کی بڑائی کو مانتے ہیں پھر اس سے مدد مانگتے ہیں پھر اُس سے کہتے ہیں گمراہی سے بچا۔ دروازے نہیں کھٹکھٹاتے پھرتے۔

حضرت المکرمؒ کی کیسی خوبصورت تفسیر اور اس میں موجزن کیفیات نے ایک atheist (لادین) کو اللہ تک پہنچا دیا۔ وہ مسلسل ذکر کرتی رہی اور جب اپنے گھر گئی تو اس کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا اور ان کی کسی ''روحانی شخصیت'' نے اُسے ایک گلوب میں دیکھنے کو کہا اور پوچھا۔ اس میں اپنا مستقبل دیکھ کر بتاؤ کہ کیا نظر آتا ہے؟ کہنے لگی میں مستقبل میں اپنے آپ کو مسلمان دیکھتی ہوں۔ محفل پر سناٹا چھا گیا۔ اس نے حالات کی نزاکت وسنجیدگی کو محسوس کیا اور کہا میں تو مذاق کر رہی تھی۔ مگر دل میں خواہش یہی تھی۔ ہم سے پوچھتی کہ اس پورے دہریہ معاشرے میں مسلمان ہونا تو کس قدر مشکل ہوگا۔ اسے بتایا کہ اللہ ہی سبیل بناتا ہے۔ اللہ اسے استقامت عطا فرمائیں۔

پڑھائی کے ساتھ ساتھ میں weekend پر لندن چلی جاتی۔ وہاں ایک فیملی سے میری اچھی دوستی تھی۔ لندن میں قریباً ہر سال کوئی نہ کوئی صاحب مجاز ذکر کروانے آتے تو کوشش ہوتی کہ ان کے ساتھ ذکر ضرور کیا جائے۔

PhD کے آخری دور میں ایک صاحب مجاز لندن آئے۔ ذکر کے لیے جاتے وقت ہی میں نے دل میں شدید گھبراہٹ محسوس کی مگر اسے میں نے اپنی غلطیوں کا اثر سمجھا۔ ذکر کیا تو لگا جیسے میرے دل میں کسی نے جلتے کوئلے رکھ دیے ہیں میں نے اسی صاحب مجاز کو بتایا اور اس پر طرّہ یہ ہوا کہ انہوں نے مجھے دم کر دیا۔ اُس کے بعد تو میری گھبراہٹ ناقابلِ برداشت ہوگئی پھر بھی میں سمجھنے سے قاصر تھی کہ میں

نے ایسی کیا غلطی کی ہے؟ مجھ سے کوئی کام نہ ہورہا تھا، توجہ ختم ہوگئی تھی۔ شدید ترین گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار تھی۔ دو دن بعد پتہ چلا کہ اس صاحب مجاز کے ساتھ حضرت المکرمؒ نے ذکر کرنے سے منع فرمایا تھا۔ انگلینڈ کے احباب یہ بات نہیں جانتے تھے۔ میری حالت بہت بگڑی، لگا کہ میرا دل ختم ہوگیا ہے اور اب میں کچھ کرنے کے قابل نہ تھی۔ میری حالت دیکھ کر میری دوست مجھے اپنے گھر لے گئی اور وہاں سے اُس نے حضرت المکرمؒ کو فون کیا۔ میری بات کروائی، مجھے یکدم اپنی حالت میں بہتری محسوس ہوئی۔ حضرتؒ نے مجھے لندن جانے کی تلقین فرمائی، جن کے گھر ذکر ہوتا تھا۔ وہاں 2، 3 دن رہنے اور ذکر کرنے سے میری حالت بہتر ہوئی۔ لیکن پہلے والی حالت اور سکون نہ تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ نادانستہ بھی شیخ المکرمؒ کی نافرمانی دل کی دنیا الٹ دیتی ہے۔ حضرت المکرمؒ نے ہی حوصلہ دیا اور PhD کا امتحان دے کر واپس آئی۔ فوراً حضرت المکرمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؒ نے میری حالت دیکھ کر گویا میری بکھری ذات کو پھر سے سمیٹا۔ تسلی دی، اتنی شفقت فرمائی، اتنا وقت اور توجہ عطا فرمائی کہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہونے لگی۔ اعتماد واپس آنے لگا۔ مگر یہ ایک بہت بڑا سبق تھا۔ حضرت المکرمؒ نے فرمایا کہ یہ پلگ دیکھ رہی ہو یہ socket میں لگا ہو تو بجلی کی ترسیل رہتی ہے اور روشنی رہتی ہے اور اگر یہ پلگ نکال لیا جائے تو اندھیرا رہ جاتا ہے۔ صاحب مجاز کا بھی جب تک پلگ لگا رہے گا اس کا شیخ سے connection رہے گا بجلی کی ترسیل اور روشنی آتی رہے گی۔ پلگ نکل گیا تو سب آناً فاناً ختم ہوگیا۔ اللہ کریم اپنی پناہ میں رکھیں اور ہماری نسبت ہمیشہ ہمیشہ اپنے محبوب شیخ سے قائم رکھے۔ سلسلۂ عالیہ سے ہمیشہ جوڑے رکھے۔ ایک سبق جو بہت ضروری ہے وہ یہ کہ اپنا تعلق براہِ راست اپنے شیخ سے رکھے۔ درمیان میں کوئی واسطہ نہ آنے دے تو دل کی نگری مین روشنی رہے گی ورنہ۔۔۔۔

پاکستان واپس آ کر ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی ایک ورکشاپ میں حضرت المکرمؒ کو بھی مدعو کیا گیا۔ اپنی مصروفیت کی وجہ سے آپؒ تشریف نہ لا سکے مگر ازراہِ شفقت اپنے دستِ مبارک سے مقالہ تحریر فرما کر بھیجا جو بعد میں استفادۂ عام کے لیے المرشد جون 2006ء کے شمارہ میں "دماغی کیفیات کا علاج بذریعۂ ذکرِ الٰہی" کے عنوان سے شائع بھی ہوا۔ اس مقالہ کو پڑھنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔ اس مقالہ کی بنیاد پر میں نے بہت سی ورکشاپس منعقد کیں اور لیکچرز بھی دیئے۔ اتنے آسان فہم انداز میں لوگوں کو جسم اور روح کا تعلق سمجھنے میں بے انتہا آسانی ہوئی، عمومی نفسیات کا مقصد اور دین میں نفسیات کے منشاء کے فرق کو سمجھنے میں مدد ملی۔ چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

حضرت المکرمؒ فرماتے ہیں:

"دماغ جسم کا سیکرٹریٹ ہے اور جسم کے ہر حصے کی حرکت اس کی محتاج ہے۔ دماغ کے مختلف حصے جسم کے مختلف اعضاء سے جڑے ہوتے ہیں جب وہ حکم دیتا ہے تو اس کے مطابق ہی حرکت و سکون پیدا ہوتے ہیں۔ اور بڑی عجیب بات یہ بھی ہے اور یہ خصوصاً قابلِ غور ہے کہ اعضاء کی حرکت سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان سے دماغ ضرور متاثر ہوتا ہے۔ دماغ کسی خواہش کی تکمیل کے لیے اعضاء کو احکام جاری کرتا ہے۔ اگر نتیجہ اس کے مطابق ہو تو دماغ کو فرحت و انبساط نصیب ہوتا ہے لیکن نتیجہ خلافِ توقع ہو تو دماغ پریشان ہو جاتا ہے اور اگر یہ پریشانیاں مسلسل ہوں یا کوئی ایک بڑی پریشانی ہو تو دماغی امراض کا سبب بن سکتی ہے اور پھر ماہرین مختلف طریقوں سے اس کی توجہ مبذول کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ اس کے اثرات سے اسے نکالا جا سکے لیکن۔۔۔ سوال یہ ہے کہ یہ خواہش کہاں سے آتی ہے کیا دماغ ازخود خواہش کرتا ہے یا کوئی دوسرا ہے جو دماغ سے بھی بڑی طاقت ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے کام بھی کرتے ہیں جن کو خود اُن کی عقل بھی درست نہیں سمجھتی تو پھر ایسا کام کرتے کیوں ہیں مثلاً ایک آدمی نشہ کرتا ہے۔۔۔ اس کا اپنا دماغ بھی کہتا ہے کہ یہ غلط ہے مگر دل کرتا ہے اس لیے کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل دماغ پر حکومت کرتا ہے اور خواہش و آرزو دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مگر دل تو

محض ایک مشین ہے جو بدن کو خون پہنچاتی ہے اور بس۔ ایسا نہیں ہے۔ اسی مشین کے اندر ایک لطیفۂ ربانی ہے جسے قلب کہا گیا ہے اور کتاب اللہ میں اس کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔۔۔ دراصل انسانی زندگی کی تمام خواہشات اور آرزوؤں کا مرکز یہی لطیفۂ قلب ہے اس میں عجیب صلاحتیں ہیں کہ یہ اپنے خالقِ حقیقی سے مربوط ہوسکتا ہے۔ روشن اور صاف ہوجاتا ہے تو اس کی خواہشات بھی اُجلی اُجلی اور شفاف ہوتی ہیں۔ اگر دماغی حکومت اُن کی تکمیل کر پاتی ہے تو یہ شکر کے جذبات سے لبریز ہوکر روحانی خوشی اور جسمانی صحت دونوں نعمتیں حاصل کرتا ہے۔ بعض اوقات امور کی تکمیل اس کی آرزو کے مطابق نہیں ہو پاتی مگر دل کو صدمہ نہیں ہوتا کہ وہ لذتِ آشنائی کے باعث اسی بات پر خوش ہوجاتا ہے کہ میں نے اپنے محبوب کی خاطر ایک کوشش تو کی لہٰذا دماغی صحت بھی بہت بہتر رہتی ہے۔

مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دل اس استعداد کو غلط بھی استعمال کر لیتا ہے اور اِس کا رابطہ بدی کی طاقت سے ہوجاتا ہے یعنی شیطان سے متعلق ہوجاتا ہے جو اسے بری خواہشات میں الجھا دیتا ہے۔ لہٰذا غلط خواہشات بطورِ احکام دماغ کو جاتی ہیں اگر ان کی تکمیل ہوتی ہے تو وقتی لذت ضرور ملتی ہے لیکن اس کے اثراتِ بد سے جسمانی صحت بھی متاثر ہوتی ہے اور دماغی صحت اس سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اگر اس میں تسلسل ہے تو جسمانی کمزوریوں اور امراض کے ساتھ دماغی امراض پیدا ہونے لگتے ہیں اور پھر ان سے واپسی محال ہونے لگتی ہے انسان مزید آگے بڑھنے لگتا ہے اور بعض اوقات پاگل پن تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات لاعلاج ہوجاتا ہے۔''

آپؒ مزید فرماتے ہیں: ''اس کا علاج ذکرِ الٰہی ہے۔۔۔ ایمان قبول کرنے کے بعد اول کام تزکیہ ہے یعنی دل یا لطیفۂ قلب سے جہالت کا غبار صاف کر کے اسے انوارات سے روشن کرنا۔ اسی روشنی کے طفیل وہ ان کیفیات سے لبریز ہوجاتا ہے جو بن دیکھے اللہ کو پورے یقین سے ماننے لگتا ہے۔۔۔ جب اِن کیفیات سے دل لبریز ہوتا ہے تو صفاتِ الٰہی کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سمجھنے لگتا ہے اور اس کی مرضیات میں راہنمی ہونا چاہتا ہے اور ان امور سے بھی آگاہی چاہتا ہے جن سے اللہ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو لہٰذا یہ ایک طلب ہے جو اُس کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اور اُن کے مطابق اُس کے قلب میں آرزوئیں جنم لیتی ہیں جو پوری ہوکر بھی خوشی فراہم کرتی ہیں اور اگر انسانی توقعات کے خلاف نتیجہ آئے تو بھی ایک قسم کی خوشی فراہم کرتا ہے جس کے نتیجے میں جسمانی صحت بھی درست رہتی ہے اور دماغی صلاحتیں بھی ترقی کرتی ہیں۔''

اب یہاں سوال ہے کہ تزکیہ کو کیسے حاصل کیا جائے؟ حصولِ تزکیہ کے لیے دو امور کی ضرورت ہے۔

اول: کوئی ایسی ہستی جس کا قلب تزکیہ حاصل کر چکا ہو اور اُس میں اتنی قوت ہو کہ دوسرے کا قلب منور کرسکتا ہو۔

دوئم: اپنی ذات اور اپنے قلب کے ساتھ مجاہدہ کہ وہ کیفیات تزکیہ حاصل کر سکے۔

کیونکہ تزکیہ کا پھل ذکرِ الٰہی تھا اور ہر شجر کا پھل ہی اس کا بیج بھی ہوتا ہے کہ اصول کے مطابق ذکرِ الٰہی کو ہی بیج اور اصل کے طور پر منتخب کیا گیا جس سے مسلمانوں میں شیخ اور طالب کا رشتہ استوار ہوا جو بعد میں بدلتے بدلتے رسمی پیری مریدی میں ڈھل گیا ورنہ اِس کا مقصد آج بھی وہی ہے، طریقہ بھی وہی ہے اور حاصل بھی وہی چنانچہ کوئی ایسا بندہ جس کا قلب نہ صرف منور ہو بلکہ دوسرے کے قلب کو منور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو وہ توجہ کرے، طالب ذکر کرے، مجاہدہ کرے اور یوں کیفیات اس کے دل میں منعکس ہو کر اس کا تزکیہ کریں تو نتیجتاً دل صاف ہوگا تو آرزو اجلی ہوگی۔ دماغ کو شفاف خواہش پہنچے گی۔ اس کی تکمیل کے ذرائع جائز اور خوشگوار ہوں گے۔ اس کا حال اطمینان اور خوشی ہوگا جو بدن کو بھی صحت فراہم کرے گا اور دماغ کو بھی فرحت بخشے گا اور جو اُس کی صحت وسلامتی کا سبب بنے گا۔''

حضرت جیؒ ایک عظیم محقق تھے اور وہ چاہتے تھے کہ ہم بھی تحقیق

کی طرف توجہ دیں۔ آپؒ نے ایک تحقیق مجھے عنایت فرمائی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ مغربی دنیا میں کئی دہائیوں کی تحقیقات کے بعد دل میں ایسی بافتیں یا نسیں دریافت کر لی ہوئی ہیں جس سے یہ پتہ چلا ہے کہ master mind دراصل دل ہے دماغ نہیں۔اور یہ کہ دل کی دو حالتیں مثبت اور منفی ہیں اور دل کی مثبت حالت، دماغ میں مثبت سوچ اور اور مثبت رویے کو جنم دیتی ہے جبکہ منفی حالت، منفی سوچ اور منفی رویے۔ ہر شخص کے گرد اس کے دل کی حالت کے مطابق 15 فٹ تک کے دائرے میں ایک طرح کا منفی یا مثبت Electromagnetic field (برقی مقناطیسی دائرۂ اثر) ہوتا ہے۔اس تحقیق کے مطابق اگر آپ کے دل کی مثبت حالت مضبوط ہے تو آپ کے اس دائرۂ اثر میں آنے والے پر مثبت اثر ہوگا، خواہ اس دل کی حالت مثبت ہو یا منفی۔اور اگر دوسرے کی منفی حالت آپ کی مثبت حالت سے مضبوط ہے تو آپ اُس کی برائی سے متاثر ہو جائیں گے۔ہم اسے صحبت کا اثر کہتے ہیں۔ اہل اللہ کے سینے میں برکاتِ نبوت ﷺ اس قوت سے موجزن ہیں کہ اُن کا وہ دائرۂ اثر کائنات میں مثبت اثر پیدا کرتا ہے اور جس زمانے میں وہ اس دارِ دنیا میں تشریف فرما ہوتے ہیں، زمانے کی روش مثبت ہونے لگتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں بے چین لوگ حق کی تلاش کرتے اور اسلام کے دامن میں پناہ لیتے نظر آتے ہیں۔

دل کی یہ مثبت حالت رویوں میں نظر آتی ہے حضرت المکرمؒ کی ذات ایک بے مثال عملی نمونہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔آپؒ صرف دوسرے کا دکھ ہی محسوس نہ کرتے بلکہ دوسروں کی تکالیف دور کرنے کی عملاً کوشش فرماتے۔ مجھے یاد ہے کہ اجتماع میں آپؒ بیعت کے لیے خواتین کے حصے میں تشریف لائے۔ایک خاتون (جن کے بارے میں بعد میں پتہ چلا کہ اُن کے شوہر کو کینسر تھا اور اُن کے مالی حالات بہت خراب تھے) سے حال چال پوچھا اور پھر اُس کے ساتھ بیٹھے اُس کے بچے کو 5000 کا نوٹ نکال کر عنایت فرمایا۔مدد بھی ہوگئی اور دوسرے کی عزتِ نفس بھی محفوظ رہی۔دوسروں کی عزتِ نفس آپؒ کو بہت عزیز ہوتی۔کسی کو اُس کے جھوٹ پر بھی شرمندہ نہ فرماتے۔انسانی نفسیات کے اصول سیکھنے کے لیے ہمارے سامنے آپؒ کی شخصیت ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے نفسیات کے اصول آپؒ کی ذات میں کارفرما دیکھے بلکہ آپؒ کی عملی زندگی سے سیکھے۔یہ تو وہ اصول ہیں جو ہم نے نفسیات کی کتابوں میں پڑھے۔دوسروں کو پوری توجہ سے سننا (Active Listening)، دوسروں کے دُکھ اور مسئلے کو محسوس کرنا (Empathy)، دوسروں کا پردہ رکھنا (Confidentiality)، دوسروں کو اس کی خامیوں اور خوبیوں سمیت قبول فرما لینا (Unconditional Positive Regard)، ہر خاص و عام سے ایک سا برتاؤ (non discrimination)، خیر خواہی کے جذبے اور Sincerity ہر مسئلے کا حل بتانا، ہر شخص کے مسائل کا حل بتانا (Problem Solving Ability)، دوسرے کو اپنے میں مثبت تبدیلی لانے کے لیے آمادہ کرنا (Motivational skills))، صبر و برداشت (Patience)، ہر شخص سے اُس کی عقل کے مطابق بات کرنا (Excellent Communication skills)، لوگوں کی حالت، ان کی حرکات سے بھانپ لینا (Observant)۔

آپؒ ماہرینِ نفسیات کے معالج تھے۔وہ روحانی بیماریاں جن سے مغربی دنیا نا آشنا ہے اور یہ نظریہ کہ مذہب کی علمِ نفسیات میں کوئی جگہ نہیں اور یہ کہ صرف اس دنیا کی لذت اور یہاں زندگی میں مطابقت ہی زندگی کے لیے کافی ہے۔شیخ المکرمؒ سے مل کر، آپؒ سے فیض یاب ہونے کے بعد یہ پتہ چلا کہ سراب اور حقیقت میں کیا فرق ہے اور یہ کہ اس زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ اسے آخرت کی تیاری میں گزارا جائے۔ اس زندگی کے معیار اور اصول صرف دینِ اسلام کی تعلیمات سے وضع کیے جا سکتے ہیں۔تب ہی انسان کی فطری صلاحیتیں ابھر کر سامنے آ سکتی ہیں اور وہ اپنی بھرپور مثبت استعداد کے ساتھ اس دنیا کو رہنے کی ایک اچھی، عارضی رہائش گاہ بنا سکتا ہے۔

وقت کا درست اور بھرپور استعمال (excellent time management) اور بے مثال نظم ونسق آپؒ کی مصروفیات میں بدرجہ اتم دیکھا جاسکتا ہے۔ آپؒ فرماتے کہ "ہمارا سرمایہ تو وقت ہے اگر یہ بھی نہ رہا تو بچا کیا۔ اپنے اور دوسرے کے وقت کی حفاظت فرماتے کہ لمحہ لمحہ آخرت کی تعمیر ہو رہی ہو، ہر لمحہ قیمتی ہے۔ آپؒ ہر چیز قرینے، سلیقے اور اپنی جگہ پر رکھنا بے حد پسند فرماتے۔ صفائی، نزاکت، پاکیزگی اور ماحول کو خوشگوار رکھنا آپؒ کی شخصیت کے روشن پہلو ہیں۔ حسنِ کلام، گفتار کی شائستگی، بے ساختہ پن اور کردار کی خوبصورتی سب کو آپؒ کا گرویدہ کر دیتی۔ آپؒ کی حدود وقیود بہت واضح تھیں۔ اگر کوئی آپؒ کو غیر ضروری اہمیت دیتا تو کمال خوبی سے اس کا رخ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف موڑ دیتے۔

آپؒ ہر شخص کی بلاتخصیص اور کسی بدلے کی توقع کے بغیر راہنمائی فرماتے۔ ہر شخص محسوس کرتا کہ اُسے حضرت جیؒ کی خاص توجہ حاصل ہے۔ آپؒ لوگوں سے محبت فرماتے کہ اللہ کی پیاری مخلوق ہے۔ آپؒ فرماتے انسان کو نہیں اُس کی برائی کو برا جانو۔ برائی سے چھٹکارا پانے میں اُس کی مدد کرو۔ آپؒ فرماتے کہ اسلام ایک آفاقی دین ہے اور قرآنِ حکیم ایک آفاقی کتاب جس میں رہتی دنیا تک ہر عہد کے مسائل کا حل موجود ہے اور ہر عہد میں قرآنِ حکیم پر عمل کرنا زندگی کو سہل بناتا ہے۔ آپؒ نے اپنے عمل سے اس کو ثابت فرمایا: ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً [البقرۃ 2:208] اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسی میں سلامتی ہے، اسلام کے باہر سلامتی کا تصور نہیں۔ آپؒ کا Life Discipline بے مثال تھا۔ ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا تھا اور آپؒ نہایت پابندی سے اس پر کاربند رہتے۔

آپؒ علم حاصل کرنے پر بہت زور دیتے اور فرماتے کہ عملی زندگی کا علم حاصل کر کے ہی آپ دوسروں کی راہنمائی کر سکتے ہیں۔ حضرت جیؒ، نبی اکرم ﷺ کی طرز پر لوگوں کی گردنوں اور کندھوں کے بوجھ ہلکے کرتے نظر آتے۔ انگلینڈ میں کپڑے کمرشل واشنگ مشینوں میں دھوئے جاتے ہیں۔ ہر یونیورسٹی میں یہ مشینیں لگی ہیں جہاں پیسے ڈالیں اور کپڑے دھو بھی لیں اور سکھا بھی لیں۔ جب میں نے کچھ دفعہ مشین میں کپڑے دھوئے تو ایک مسلمان لڑکی کہنے لگی کہ یہیں غیر مسلم بھی اپنے کپڑے دھوتے ہیں اور وہ تو ناپاک ہوتے ہیں تو ناپاک مشینوں میں تم کپڑے دھوتی ہو تو کپڑے تو پاک نہیں ہوں گے۔ میں نے کپڑے خود سے دھونا شروع کر دیئے مگر یہ بہت مشکل کام تھا کہ نہ کپڑے لٹکانے کی جگہ ملتی اور کئی دن میں سوکھتے مگر جیسے تیسے کام چل رہا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت جیؒ کو فون کیا، آپؒ نے پوچھا کہ کیا کر رہی تھیں میں نے بتایا کہ میں ہاتھ سے کپڑے دھو رہی تھی اور ساتھ ہی مشین میں کپڑے نہ دھونے کی وجہ بھی بتائی۔ آپؒ نے فرمایا وہاں دو طرح کی مشینیں ہوتی ہیں ایک کے اوپر دو Rinse اور ایک پر تین Rinse لکھا ہوتا ہے۔ اگر آپ کی مشینیں 3Rinse والی ہیں تو 3 مرتبہ کپڑا دُھل کر نچڑتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں دھو سکتے ہیں۔ میں نے فوراً مشینوں پہ دیکھا تو 3 Rinse والی مشینیں تھیں۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھے لگا کہ میرا بوجھ اتر گیا ہے۔ آپؒ دین و دنیا کے علوم سیکھنے پر زور دیتے اور خود عملی زندگی میں آپؒ کا تجربہ اور آپؒ کا علم دونوں لوگوں کی درست راہنمائی کرتا۔ آپؒ فرماتے جو شخص پریکٹیکل زندگی کا تجربہ نہیں رکھتا وہ لوگوں کو غلط اور صحیح میں تمیز کرنا کیسے سکھا سکتا ہے۔ اِس شعبے کے اصول اور مشکلات کیسے سمجھا سکتا ہے اور اِس میں کامیابی کے گُر کیسے بتا سکتا ہے۔ لوگوں کے کندھوں کے بوجھ کیسے اتار سکتا ہے۔ ان کی پریشانی کا اندازہ کیسے لگا سکتا ہے۔ حضرت جیؒ فرماتے میں کسی سے نہیں ڈرتا مجھے سائیکل سے لے کر جہاز تک چلانا آتا ہے۔ اور یہ بات سچ تھی۔ آپؒ کو جو چیز سیکھنے کو ملتی، سیکھتے۔ آپؒ نے جدید ترین Technology اور Social Media کا دین کی ترویج کے لیے استعمال فرمایا۔ جو دینی اور دنیوی علوم میں اچھی کارکردگی دکھاتا۔ آپؒ اُس پر بہت خوش ہوتے اور فرماتے مومن کو دین و دنیا دونوں کے علوم میں دسترس ہونی چاہیے تب ہی وہ اپنا کھویا ہوا وقار اور مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ آپؒ کی

چاہت اور خواہش ہوتی کہ ہر شخص اپنے شعبے میں بہت اچھا اور دوسروں سے بہتر کام کرے اور دین و دنیا کے علوم کا حسین امتزاج آپؒ کی شکل میں ہمیں نظر آتا ہے۔ آپؒ کی شخصیت ایک بہترین عملی نمونہ تھی۔ آپؒ فرماتے کہ دنیا کا وجود دینے سے ہے لینے سے نہیں۔ انسان کی بقا کا دارو مدار بھی دینے پر ہے۔ آپؒ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ دوسروں کی، اللہ کی مخلوق کی، بھلائی کے کاموں میں صرف کیا۔ حضرت جیؒ کی تحاریر، تقاریر، تفاسیر سے زندگی گزارنے اور بہترین طور پر گزارنے کی راہنمائی لی جاسکتی ہے اور مختلف اوقات میں آپؒ نے راہنمائی فرمائی اور نفسیاتی مسائل کی وجہ ارشاد فرمائی۔ اکثر لوگ جنات کے سائے اور جادو کو نفسیاتی مسائل کی وجہ سمجھتے ہیں۔ اس بارے حضرتؒ نے فرمایا کہ 99 فیصد نفسیاتی مسائل کی وجہ بھی نفسیاتی ہوتی ہے۔ جنات کا اثر شاذ و نادر ہوتا ہے اور نفسیاتی طریقہ علاج بھی انسان کو مضبوط بنانے پر کام کرتا ہے تو اِس سے اُن لوگوں کا علاج بھی کیا جاسکتا ہے جو اثرات کا شکار ہوں۔ وساوس کا شدت سے شکار ہونا نفسیاتی امراض میں کافی عام ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ وساوس کا ایک ہی علاج ہے کہ اسے سختی سے نظر انداز کر دیا جائے۔ ہم نے دریافت کیا کہ اگر اس کی جڑیں مضبوط ہو گئی ہوں۔ آپؒ نے فرمایا، وہم کی جڑ نہیں ہوتی آپ اِسے سختی سے نظر انداز کر دیں تو یہ کچھ دیر میں خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

میں نے حضرت جیؒ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہونے والے depression and anxiety (ذہنی پریشانی اور تناؤ) (OCD) وہم کا شکار، panic (گھبراہٹ) اور (Phobias)، (بے وجہ خوف) کے مریضوں کو ٹھیک ہوتے دیکھا، بے شمار اقسام کے کینسر، ایچ آئی وی ایڈز (HIV-AIDS) اور ہیپاٹائٹس کے مریضوں نے صحت یابی حاصل کی۔ آپؒ کی کرامتیں بے شمار ہیں مگر آپؒ کی سب سے بڑی کرامت انسان کو انسانیت کا راستہ دکھانا ہے اس کو اللہ سے آشنا کرنا، بارگاہ نبوی ﷺ کے درِ اقدس پر پہنچا دینا ہے کہ جنؒ کے دربارِ اقدس سے تمام خوبیاں زمانے کو عطا ہوتی ہیں۔ آپؒ کے مقدس سینے سے جو برکات نبوت ﷺ بٹتی ہیں لوگوں کے کردار کو اس نہج پر سنوار دیتی ہیں جو مقبولِ بارگاہِ رسالت ﷺ ہیں، مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ اس روشنی سے ہر شعبۂ حیات کے ماہرین، اپنے شعبوں کے علوم میں سقم تلاش کر کے اسے اوجِ کمال تک پہنچا سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ اللہ کریم ہماری سلسلۂ عالیہ سے نسبت ایسی مضبوط کر دے کہ قیامت کا زلزلہ بھی اسے نقصان نہ پہنچا سکے۔ اللہ کریم آپؒ کے درجات ہمیشہ بلند فرماتے رہیں۔ (آمین)۔

بقیہ صفحہ نمبر 51 سے آگے

حضرت جیؒ کے بقول امریکہ و جاپان اور مغرب نے آدھے سے زیادہ اسلام اپنا رکھا ہے اور ان گوشوں میں وہ انتہائی خوش حال ہیں۔ جن گوشوں کو نہیں اپنایا اُن میں وہ انتہائی ذلیل و رسوا ہیں۔ کاش! ہمارے وطن میں اتنا اسلام ہی نافذ ہو جاتا جتنا یورپ میں ہے۔

یہ حضرت جیؒ کی پرکشش شخصیت کے چند پہلو ہیں۔ لیکن حقیقت میں اِس ہیرے کے سینکڑوں کٹ ہیں۔ ہر ایک کی اپنی چمک دمک اور اپنے انداز کی جگ مگ ہے۔ عظمتِ توحید، محبت و غلامی رسول ﷺ، سیرتِ رسول ﷺ، نور و بشر کی حقیقت، عظمتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مدارس و علماء، دینی جماعتیں، تصوف میں غلط اور صحیح کا امتیاز، نام نہاد صوفیا اور اُن کے باطل کمالات کا رد، وحدت الوجود اور وحدت الشہود، کشف و کرامات کی حقیقت، منازلِ اولیاء، عظمت شیخ، گوشہ نشینی کی حقیقت، دعا اور اس کا سلیقہ، اجتہاد، حکومتی علماء کمیٹیوں کے تجزیے، حدود آرڈیننس، نکاح و طلاق، تصویر اور کیمرہ، اسلامی تہذیب، العلم علمان، ملکی نظامِ تعلیم و صقارہ نظامِ تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی، معیشت و عدالتی نظام، معاشرت و سیاست، اسلام اور مغربی ڈیموکریسی کی حقیقت، دفاعی اور انتظامی شعبے، نظم و ضبط اور ایثار و قربانی، خدمتِ خلق کے ادارے، (بقیہ صفحہ نمبر 156 پر)

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔ ذات باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ O اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ O اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ O اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O پھر ذکر شروع کردیں طریقہ نیچے درج ہے۔

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور پانچویں لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

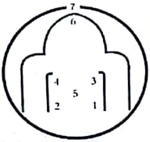

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لاکر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

"میرے ابوؒ"

(اُمِ فاران۔ راولپنڈی)

دو دہائیاں قبل بھی یہی مسئلہ درپیش تھا جو آج درپیش ہے کہ کسی ناپیدا کنار بحر کو تحریر کے ہجوں، گولائیوں اور نقطوں میں کیسے قید کیا جائے جس کی وسعت اور طلاطم سدا کی طرح ہنگامہ خیز بھی ہے اور مسلسل بھی، ہاں واردات فرق ہوگئی ہے۔

؎ یہ بجا کہ خلوتِ جاں میں تُو ہے ہزار رنگ سے جلوہ گر
مگر آ کے سامنے بیٹھ جا کہ نظر کو خوئے مجاز ہے

قلم کا تلوار ہونا سنتے آئے ہیں آج شہتیر ہونا دیکھ لیا۔ اس قدر گراں بار ہے کہ بار ہا قلم اُٹھایا اور رکھ دیا۔ دل سنبھلے تو کوئی بات کرے۔ یہ فقط تحریر نہیں ہے، اِک ذرا سی جھلک ہے زندگی کے اس سنہرے دور کی جس کا حرف حرف اُن کی یادوں اور باتوں سے درخشاں ہے۔ جو آج بھی میرے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

گزشتہ تحریر سَن دو ہزار میں "رہ نوردِ شوق" میں چھپی تھی، اس غرض سے اُٹھا کر پڑھی کہ شاید کچھ مدد مل سکے۔ میرے لیے اُن سے متعلق ہر بات ہی اِس قدر اہم ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا چھوڑوں اور کیا بیان کروں۔ کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ میں آج بھی اُسی موڑ پہ کھڑی ہوں، ایسے لگتا ہے ذہن و دل نے اس کے بعد مزید پختگی سے انکار کر دیا یا پھر قبل از وقت میچور (mature) ہوگئے کہ اگر میں اپنے والدِ گرامی کی ذات پہ دوبارہ کچھ لکھنے کی جسارت کروں گی تو بعینہٖ وہی باتیں دہرا دوں گی۔ سچ ہے کہ سچائی میں کسی کمی بیشی کی گنجائش ہوتی ہے نہ ضرورت۔

البتہ میں یہ کر سکتی ہوں کہ سَن دو ہزار سے آگے میری زندگی، میری ذات اور میری سوچ کو انہوں نے کہاں کہاں اور کیسے کیسے متاثر کیا، وہ بیان کر دوں۔ ساتھ ہی یہ اُن کی خانگی اور ذاتی زندگی کی مختصر سی جھلک ہے جو صرف اہلِ خانہ سے متعلق ہے اور فقط وہی جانتے ہیں۔ باقی ان کے نظریات، زندگی بھر کی جدو جہد اور مشن تو سب آن ریکارڈ (On Record) موجود ہے۔

گزشتہ تحریر جس دور میں لکھی گئی تب میری زندگی کا واحد محور و مرکز اُن کی ذات تھی، میرے صبح کو شام اور رات کو دن کرنے کا واحد مقصد ان کے پیچھے پیچھے چلنا تھا۔ ہماری ساری روٹین اُن کی روٹین کے مطابق ہوتی تھی۔ ہمیں دنیا کی اور کسی بات سے کوئی غرض ہی نہ تھی۔ جولائی، اگست میں سالانہ اجتماع اور دسمبر میں اُن کے ساتھ عمرہ پہ جانا سال بھر میں یہ دو مواقع تھے۔ تربیت بھی اور تطہیر بھی، بنا ہمیں خبر ہوئے، ہو جاتی۔ وہ علوم کا چلتا پھرتا خزانہ تھے اور کیفیات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ ہم نے کب کہاں اُن سے کیا سیکھا، ہم میں سے یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ باتیں ہمارے لیے اوڑھنا بچھونا تھیں عام زندگی کا حصّہ، یہی کہہ سکتی ہوں۔

؎ ہم کچی مٹی تھے اُن مشاق ہاتھوں میں
جو بنایا بن گئے، جیسے ڈھالا ڈھل گئے

وہ ہمارے لیے تب بھی کامل رہنما تھے، یہ دو دہائیاں بھی اُن ہی کی طرف دیکھتے گزر گئیں اور دعا ہے ان ہی کے نشانِ منزل، تادمِ واپسیں زینۂ حیات رہیں۔ وہ اس جڑ کی مانند ہیں جو سامنے نظر تو نہیں آتی لیکن اِس کے باعث درخت اپنی حیات برقرار رکھتا ہے۔ اس ستون کی

طرح جس کے سہارے عمارت اپنی جگہ پہ مضبوطی سے قائم رہتی ہے۔

ان کے سایہ عاطفت سے نکل کر دیکھا تو باہر کی دنیا ہماری دنیا سے بڑی فرق تھی۔ لوگ بہت فرق تھے، اُن کی ترجیحات بڑی مختلف تھیں۔ لگا زندگی کا جہاز کسی اور سیارے پہ اُتر گیا ہے جس کا مدار تک فرق ہے۔ تب ایک ہی بات کام آئی، اگر وہ یہاں ہوتے تو کیا پسند فرماتے۔

زندگی کے ہر پہلو میں اور ہر جگہ اس احتیاط نے کبھی دامن نہ چھوڑا کہ میرا کوئی عمل ایسا نہ ہو کہ اُن کے علم میں آئے تو انہیں گراں گزرے۔ میرے لیے ہر چھوٹی بڑی بات میں اُن کی تائید سانس کی طرح لازم رہی۔ شاید ہر بیٹی کا اپنے باپ سے ایسا ہی تعلق ہوتا ہے۔

ایک بات وہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ ''بڑا باپ اولاد کے لیے آزمائش ہوتا ہے۔ لوگ اولاد کے فعل کو اُس کا نہیں کہتے، بلکہ وہ اگر اچھا کرے تو کہیں گے آخر اولاد کس باپ کی ہے! اور اگر غلط کرے تو کہیں گے اس باپ کی اولاد ہو کر یہ کام کرتا ہے!'' ہمارے لیے اُن کی اولاد ہونا اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے۔ ہاں اِس اعزاز کے اپنے تقاضے ہیں۔ از خود ذہن و دل میں ایک عدالت ہمہ وقت لگی رہتی ہے کہ ہمارا کوئی بھی عمل صرف ہماری ذات سے متعلق نہیں۔ وہاں پہ منصفی فقط ضمیر کی چلتی ہے اور انسان کا ضمیر ایسا نہیں ہے کہ اسے دھوکہ دیا جا سکے۔ اُن کی خوشی اور رضا تو دراصل ایک وسیلہ بنی ہمارے لیے دنیا کی بھول بھلیوں سے بچ کر اپنی راہ چلنے کا، ورنہ انہوں نے کبھی کسی کو اپنی ذات پہ روکا نہیں اور اُن کی برکت سے ہمیں بھی اُس راہ کے مسافر ہونے کی سعادت نصیب ہو گئی جس کی منزل بارگاہِ رسالت مآب ﷺ ہے۔ اللہ کریم یہ سلسلے قائم رکھے اور اِس تعلق کو اور زیادہ مضبوطی عطا فرمائے (آمین)

بیٹوں کی شادی ہم لوگ بڑے فخر سے کرتے ہیں لیکن بیٹیوں کی دفعہ کمزور پڑ جاتے ہیں مگر میرا تجربہ مختلف رہا۔ میری رائے لینے وہ خود میرے پاس میرے سٹڈی روم (Study Room) میں آئے۔ خریداری کے دوران چیزوں کے رنگ تک چننے میں میری پسند مدنظر رکھی۔ مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر ہر اس جگہ پہ لے گئے جہاں ہم بچپن میں جاتے تھے، اپنی زمینوں پہ، اپنے ڈیموں پہ، ندی نالوں، جنگلوں اور پہاڑوں تک پہ، جہاں اُن کے ساتھ hiking کے لیے جاتے تھے۔ مجھے اتنا VIP بنا دیا کہ مجھے لگا شادی تو بڑا خوبصورت مرحلہ ہے، یہاں تک کہ مجھے شادی کے آخری دن جا کر ادراک ہوا کہ یہ صرف خوشی کا موقع تو نہیں بچھڑنے کا بھی ہے۔ رونے پھر بھی نہ دیا۔ میرے اوپر چادر ڈالی، بانہوں میں بھرا اور گاڑی میں بٹھا دیا۔ اتنی وسیع القلبی کہ ہر نئے موڑ، نئے رشتے کو نہ صرف قبول کیا بلکہ خوبصورت بنا دیا۔

اس سے ایک خوبصورت بات یاد آئی جو غالباً ہر بیٹی کے کام آ سکتی ہے۔ شادی کے بعد انہوں نے مجھے میکے میں کبھی چند دن سے زیادہ نہیں رہنے دیا۔ فرماتے تھے ''اب اس کا گھر وہ ہے، وہ بھی اِس کے ماں باپ ہیں۔'' پوچھتے ''واپس کب جانا ہے؟'' (میری خواہش ہوتی تھی کہ وہ مجھ سے یہ سوال نہ پوچھا کریں)۔ چند روز کا سن کر فرماتے ''اچھی بات ہے، بیٹیوں سے گھر کی رونق ہوتی ہے۔'' (گویا اب میں اُس گھر کی رونق ہوں، اُس گھر کی بیٹی ہوں)۔ وہ کبھی ڈائریکٹ حکم نہیں دیتے تھے لیکن کسی نہ کسی بات سے اُن کی منشاء معلوم ہو جاتی کہ اِس وقت وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر امی کہہ دیتیں ''وہاں اکیلی ہے کچھ دن رہ لے۔'' تو فرماتے ''شوہر اگر گھر سے دور ہے تو گھر والے تو گھر پہ ہیں، شادی ایک فرد سے نہیں ہوتی بلکہ خاندان کے ہر فرد سے علیحدہ رشتہ استوار ہوتا ہے۔''

اُن اجنبی در و دیوار کو میں اپنا گھر کہہ سکوں اس کے لیے اُن کے اِس طرح کے جملے جو وقتاً فوقتاً وہ فرمایا کرتے تھے، مجھے بڑے غیر محسوس طریقے سے نئے ماحول میں ڈھالتے گئے اور اِس بات کا ادراک مجھے اب جا کر ہو رہا ہے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ جب میں اُس گھر کا فرد بن چکی۔ اس کے غم، خوشیاں، تکلیفیں اور راحتیں جب میری بھی ہو چکیں تو اُن کا سوال بدل گیا۔ ''کتنے دن رہو گی؟''۔ سوچتی ہوں ماں باپ کو اپنا دل کتنا کڑا کرنا پڑتا ہے جب وہ اپنی ہی اولاد سے کئی معاملات میں دستبردار

ہو جاتے ہیں۔

وہ باتیں جو ہم ماں باپ آپس میں کرتے ہیں اور بچے گاڑی میں پیچھے بیٹھے ہوئے یا ہمارے آس پاس کھیلتے ہوئے، آتے جاتے یا اُٹھتے بیٹھتے سنتے رہتے ہیں، ہمیں علم ہی نہیں ہوتا اور کل یہی باتیں ان کی سوچ بن جاتی ہیں اور ان کی زندگی کے اسلوب طے کرنے لگتی ہیں۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ انہوں نے کبھی سامنے بٹھا کر ہمیں کچھ سمجھایا ہو لیکن کسی نئے واقعہ یا صورتحال پہ ان کا ردِعمل، تبصرہ یا رائے، وہ باتیں ہیں جو جرعہ جرعہ کر کے گھٹی میں ڈلتی رہیں اور بروقت کام آئیں۔

زندگی میں سبھی طرح کا وقت آتا اور جاتا رہتا ہے، اُن کی جو بات میرے سب سے زیادہ کام آئی وہ یہ تھی کہ "یہ دنیا آزمائشوں کا گھر ہے، وہ مکین ہیں اور ہم مہمان اور ہم تمام عمر یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ مکینوں کو نکال باہر کریں اور خود سکون اور راحت سے زندگی گزاریں تو یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ سکون اور راحت کا وعدہ جنت کا ہے۔ اِس لیے یہاں آزردہ اور تنگ ہونے کی بجائے صبر اور شکر کے ساتھ سر اٹھا کر زندگی گزارو اور اُس جہاں کے لیے اسباب تیار کرو جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔"

جو انہوں نے فرمایا یہ طے ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے جو دل اللہ کی یاد سے آباد ہوں جنہیں حضورِ حق نصیب ہو جائے اُن کے قالب تو یہاں رہتے ہیں لیکن اُن کی جانیں اس دنیا کی اُفتاد سے پرے بڑی شادکام رہتی ہیں۔ بالکل اَن چھوئی۔ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ [الحجر 15:88] حزن وملال انہیں چھو کر بھی نہیں گزرتا، چاہے بظاہر وہ مسائل، پریشانی یا بیماری سے دوچار ہوں۔

؎ وہ جو تیرے فقیر ہوتے ہیں
آدمی بے نظیر ہوتے ہیں
تیری محفل میں بیٹھنے والے
کتنے روشن ضمیر ہوتے ہیں

ابو جی کی زندگی کے اصول بڑے سادہ اور سیدھے تھے۔ انہوں نے کبھی کسی سے اپنی امیدیں وابستہ نہیں رکھیں۔ شاید اِسی لیے وہ کبھی کسی سے نا اُمید بھی نہیں ہوتے تھے۔ نہ کبھی انہوں نے کچھ دو اور لو کے اصول کو اپنایا۔ اُن سے جو کچھ بَن پڑتا کرتے، وہ اپنے پرائے سب کے لیے یکساں محبت رکھتے تھے۔ بنا کہے، بنا جتائے، مالی، جذباتی اور روحانی جیسی کسی کو ضرورت درپیش ہوتی مدد فرماتے چلے جاتے۔ نہ صلے کی توقع نہ تشکر کے محتاج۔ ہر کام کا مقصد اللہ کی رضا کو پانا تھا اور کچھ بھی نہیں۔ اگر سوچا جائے تو وہی حاصلِ زندگی ہے۔ بندہ، بندے کو کیا دے سکتا ہے۔

انہوں نے کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی، نہ کسی کا حق مارا۔ کسی کی زندگی میں کبھی بے جا دخل نہیں دیا اِسی طرح انہوں نے کبھی کسی کو اپنے معاملات میں دخل دینے کی اجازت بھی نہ دی کہ کوئی ان کی جگہ ہو کر فیصلے لے سکے۔ خصوصاً اپنے بچوں کے معاملے میں وہ بہت Protective تھے لیکن کسی حصار کی طرح نہیں کہ انسان کا دم گھٹنے لگے بلکہ اُن کی Protection میں اور پیار کی چھتری تلے ہم نے بڑی آزاد زندگی گزاری۔ جو کرنا چاہا کیا، جو سیکھنا چاہا سیکھا۔ بندوق چلانا، گھوڑا دوڑانا، گاڑی چلانا، تیراکی یا کشتی رانی جیسے کام جو پہلے علاقے یا خاندان میں کسی نے نہ کیے ہوں، وہ ہم نے کیے۔ انہوں نے قدم قدم ہمیں خود چلنا سکھایا۔ زندگی کے چیلنجز کے لیے خود تیار کیا۔ کسی ادارے یا فرد کے رحم وکرم پہ نہ چھوڑا۔

ہمیں ضرورت بعد میں پیش آتی تھی اور وہ اس کے پورا کرنے کا اہتمام پہلے فرما دیتے۔ صرف ضرورتیں ہی نہیں وہ ہمارے شوق بھی اسی خوبی کے ساتھ پورے کرتے تھے۔ مجھے کاغذ، قلم اور کتاب کا شغف اُن سے وراثت میں ملا۔ 99ء میں میری تحریر پہلی مرتبہ کسی رسالے میں چھپی اور اِس پہ رسالے والوں کی طرف سے ایوارڈ ملا۔ اب دیکھوں تو وہ بہت چھوٹی سی کاوش تھی لیکن ابو اِس قدر خوش ہوئے کہ مجھے ایوارڈ وصول کرنے کے لیے مختلف اوقات میں دو مرتبہ کراچی بھیجا۔ شعری ذوق کو اُن کے اشعار سُن سُن کر جلا ملی۔ جب کچھ وارد ہوتا تو مجھے ڈھونڈ کر اپنے اشعار سناتے۔ اکثر ہم ایک ہی مصرعے پہ آبدیدہ ہوئے۔

تصوف پہ ایک تحقیقی مقالے پہ کام کرتے ہوئے میں نے اُن کی ذاتی لائبریری سے تین سال تک استفادہ کیا۔عربی زبان سے اردو ترجمہ مقصود ہوتا یا کوئی مبہم نکتہ وہ اس قدر سہولت سے وضاحت فرماتے کہ اپنے سوال پہ شرمندگی ہونے لگتی۔ وہ صاحب الرائے ہستی تھے، ہمیشہ بہت واضح اور صاف بات ارشاد فرماتے جو کسی طور بھی کتابی علم نہیں تھا۔نہ ہی کبھی سوالات سے تنگ پڑتے۔ جواب اِس قدر تسلی بخش ہوتا کہ مزید سوالات جنم ہی نہ لیتے۔

کچھ رشتوں اور تعلقات کو دوری و نزدیکی، قرب و بُعد، عمر، مدت، وقت، زمانہ، مرورِ زمانہ، طلب، مجبوریاں، ضرورتیں حتیٰ کہ فاصلے تک کچھ بھی نہیں چھو سکتا وہ سدا اُجلے رہتے ہیں۔ جب بھی ملے تو یوں لگا کبھی یہاں سے اُٹھ کر گئے ہی نہ تھے۔شیخ اور طالب کا تعلق بھی ایسا ہی ہے اور پھر خون کا رشتہ نورٌ علیٰ نور۔سب رب کریم کی عطا ہے ورنہ اہلیت پہ بات ہوتی تو ہم اس غلامی جس پہ اِس قدر نازاں ہیں، کے اہل ہی کہاں تھے۔اور اس پہ مستزاد اُن کا وہ ناز اُٹھانا۔انہیں تحائف دینا بہت پسند تھا اور وہ بھی ''سرپرائز گفٹ''۔

انوکھے انوکھے طریقوں سے اکثر وہ تحفے دیتے ہی رہتے تھے جو کہ ہمیشہ بہت قیمتی اور نایاب ہوتے البتہ میرے لیے اُن کی قدر، قیمت کے باعث نہ تھی بلکہ یہ احساس کہ ''ابو نے وہ تحفہ دیا'' اسے قیمتی بنا دیتا۔انہوں نے میرے بارے میں سوچا، میرے لیے اہتمام کیا، میری خوشی چاہی۔کسی کو چاہنا بہت خوبصورت احساس ہے لیکن چاہے جانے کا احساس اِس سے بھی سوا ہے اور در پردہ ہر دل اِس کا متمنی بھی ہوتا ہے۔ آپ کی یہ طلب اگر ایسی ہستی سے پوری ہو رہی ہو تو پھر مانگنے کو پیچھے رہ کیا جاتا ہے۔یہ دنیا اس سے بڑھ کر اور کیا دے سکتی ہے۔

کچھ ہستیوں کے وجود اور اُن کی توجہ اور پیار کے باعث آپ کی زندگی اتنی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ایسے ہی جیسے روشنی کی ایک کرن اندھیرے کا سینہ چیر کر رکھ دیتی ہے، ویسے ہی دنیا کی بدصورتی اُس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔پھر یہاں تو محبتوں کا بحرِ بیکراں تھا جس سے ہم نے جب سے آنکھ کھولی سیراب ہوا کیے۔صرف اِس ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیں تو ممکن نہیں کہ انہوں نے ہمیں صرف جینا نہیں سر اُٹھا کر جینا سکھایا۔

اُن کے نزدیک نیک یا اچھا ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ مظلوم یا مسکین بن کر جئیں۔جس اللہ کریم نے آپ کو فرائض کا ذمہ دار بنایا ہے اس نے حقوق بھی عطا کیے ہیں۔اپنی خودداری اور عزتِ نفس کا پاس رکھنا ہر مسلمان کا اعزاز ہے کیونکہ اللہ نے اُسے عزت دار بنایا ہے اور معزز ہونا پسند فرمایا ہے۔ایک بار اِس عظمت کا احساس ہو جائے تو پھر آپ خود بھی کوئی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتے۔آزمودہ ہے کہ ایک عزت دار شخص ہی ہمیشہ دوسروں کی عزت کا پاس رکھ سکتا ہے چاہے مقام و مرتبے میں فرق ہی کیوں نہ ہو لیکن بحیثیت انسان وہ معزز ہے۔

؎ انساں کی کسی روپ میں تذلیل نہ کر
پھرتا ہے زمانے میں خدا بھیس بدل کر

وہ ایک زندگی میں کئی زندگیوں جتنا کام کر گئے ہیں۔اُن کے ارشادات نے اَن گنت قلوب کو چھوا، اذہان کو جلا بخشی اور زندگیوں کو سنوار دیا۔سننے والے کے ذہن و دل کو نئی سوچ عطا کی۔

کبھی صبح کبھی شام میں، کبھی سفر میں، دن کا کوئی نہ کوئی پہر اُن کی صحبت میں گزرتا۔اب بھی اُن کی آواز اور پُرکیف باتیں کانوں میں رس گھولتی ہیں اور روح تک کو سیراب کر جاتی ہیں۔وہ باتیں جو دنیا میں اور کہیں سے نہیں سنائی دیتیں ایسے ایسے درواکرتی جاتی ہیں جن کی موجودگی کا بھی ہم جیسے کم نظروں کو علم نہیں۔سُن کر حیرت میں ڈوب جاتے ہیں کہ اِس بات کا ایک پہلو یہ بھی تھا! یا اِس حکم میں ایک حکمت یہ بھی تھی!

عشقِ الٰہی اور عشقِ مصطفی ﷺ کی راہ کے نازک نکتے وہ اتنے سہل انداز میں اتنی سہولت سے ارشاد فرماتے کہ ان کی باتیں ہمارے منجمد بحر میں بھی طلاطم پیدا کر دیتیں۔کیفیات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اِس کی تہہ کو بالا کر دیتا تو خیال آتا کہ خود اُن کے اندر کس قدر طغیانی ہوگی! پھر وہ کیسے ہمیشہ ٹھہرے ہوئے پانیوں کی طرح پُرسکون نظر

آتے تھے۔ایک عام آدمی کی طرح سب کے درمیان جیا کیئے نہ کوئی جُبہ و دستار نہ پارسائی کا غرور، نہ عام عوام سے فاصلہ نہ خواص کے لیے کوئی دستور۔اک سادہ غذا، سادہ لباس اپنی زمین سے جُڑا ہوا کسانوں میں کسان، شاعروں میں شاعر، ادیبوں میں ادیب، ناخواندہ لوگوں سے اُن کی سطح پر جا کہ بات کرنے والا اور مقرروں میں چوٹی کا مقرر۔ گھر میں اپنے بیوی بچوں کی ذمہ داریاں پوری کرنے والا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا ہر کام کرنے والا ایک عام آدمی۔

اور اپنا یہ حال ہے کہ انہی کے توسط سے ادراک کا، کیفیات کا کوئی شمہ اگر نصیب ہو جائے تو دل بسمل ہو جاتا ہے۔میرا ظرف شاید بہت کم ہے کہ اکثر میرے دل میں یہ خیال آتا ہے وہ جو مجذوب ہو گئے ان کا اتنا قصور نہیں تھا۔ہم عشقِ الٰہی، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا دعویٰ کریں، ہماری اتنی اوقات کہاں؟ ڈر لگتا ہے لیکن انہیں دیکھ کر، زندگی میں اُن کی ترجیحات کو جانتے ہوئے دل نے یہ ضرور گواہی دی ''تو وہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے بھی نہیں رہتے۔''

زندگی مسلسل سیکھنے کا عمل ہے۔''المرشد پروگرام'' میں سوالوں کے جواب سُن کر ہمیشہ یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کا جواب ایک عام سے سوال کو بھی خاص بنا دیتا ہے اور بڑی دیر تک اور بڑی دُور تک ان کی باتیں ذہن و دل کے بند دریچے وا کرتی چلی جاتی ہیں۔اتنا جامع جواب، نہ ایک حرف کم نہ ایک نقطہ زیادہ، کبھی نہ پرانی ہونے والی باتیں، اَچھوتی اور اَن کہی باتیں۔

معلومات اور فی نفسہٖ علم میں جو فرق ہے وہ فرق اُن کی اور دیگر لوگوں کی گفتگو میں ہوتا۔تب سمجھ میں آتا ہے کہ الہامی علم کیسا ہوتا ہے؟ لفظ اُن کے در پہ دست بستہ باریابی کے یوں منتظر رہتے کہ انہیں کبھی سوچنے کی بھی زحمت نہ کرنا پڑتی۔

اُن کی ذات کی صورت میں اسلام کا اتنا سچا اور پکا رنگ دیکھا کہ پھر دنیا کا کوئی دوسرا رنگ اِس کے مقابلے میں دل کو بھایا ہی نہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَةً... [البقرۃ 2:138] '' اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے'' دنیا اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت دنیا ہی رہی، رہنے کی جگہ، برتنے کی چیز اور مطمع نظر سدا دنیا بنانے والا ہی رہا اور مقصود اس کی رضا۔

انہوں نے اپنے حصے کا کام اِس خوبی سے کیا کہ ہم سب اُن کے مقروض ہو گئے، یہ وہ قرض ہے جو ایک نسل دوسری تک پہنچا کر ہی ادا کرتی ہے۔صدیوں سے یہ سلسلہ یونہی قائم ہے۔یہ بھار سفینہ در سفینہ چلا، جو ہم نے دیکھا جو ہم نے سیکھا اسے میدانِ عمل میں بروئے کار لایا جائے اور اِس سے اگلی نسل کی جڑوں کی آبیاری کی جائے۔

میرے نزدیک اِس دور میں سب سے بڑی ولایت یہی ہے کہ دور و نزدیک، حاضر و غائب ہم سے منسلک لوگوں کو ہم سے کوئی تکلیف نہ پہنچے انہیں ہماری طرف سے کوئی خطرہ نہ ہو کوئی اندیشہ نہ ہو۔صرف خیر خواہی اور خلوصِ دل کی توقع ہو۔آج بھی جب ان کیفیات میں کمی آنے لگتی ہے تو جانے انجانے میں سرزنش ہو جاتی ہے، کبھی اُن کی تحریر پڑھ کر یا تقریر سنتے ہوئے۔جب انہوں نے خود احتسابی کا عمل عمر بھر نہ چھوڑا تو ہم خود کو اِس سے مبرا کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ انسان بڑا بھلکڑ اور سخت ناشکرا ہے۔فوراً ہی اپنی حیثیت بھول جاتا ہے۔ذرا سی تکلیف پہ ایسے سخت کلمات منہ سے نکال بیٹھتا ہے کہ وہ مالک اگر رحیم نہ ہو تو ہم گرفت میں آ جائیں (معاذ اللہ)۔

نبی کریم ﷺ سے صدیوں دور اِس دورِ پُرفتن میں جب انسانوں کی تعداد تو ہمیشہ سے کہیں بڑھ چکی ہے لیکن انسانیت ناپید ہو گئی ہے۔کھوکھلے وجود، مردہ ضمیر، خالی باتیں اور سطحی نظریات ہمارے معاشرے میں اِس طرح سرایت کر گئے ہیں کہ آدمی ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ایمان کمزور اور عقائد مشکوک ہو چکے ہیں۔ایسے میں اُن کے چلے جانے کے بعد بھی اُن کی ذات اور تعلیمات اس مینارۂ نور کی طرح ہیں جو اِس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں دور تک روشن ہیں اور اِس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ اللہ کے بندوں سے دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی۔

(بقیہ صفحہ نمبر 45 پر)

سیمابؔ کے شعروں نے کئی رنگ بکھیرے

عابدہ سرور اعوان۔ شیخوپورہ

مجھے جماعت میں شامل ہوئے چند سال ہی ہوئے ہوں گے، گرمیوں میں گوجرانوالہ جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک دن میری نظر میز پر رکھی ایک کتاب پر پڑی۔ اُس کے نام میں کچھ ایسی کشش تھی کہ بے اختیار اُسے ہاتھوں میں لے لیا۔ تھوڑی دیر کے لیے اُس کی ورق گردانی کیا کی کہ ''گردِ سفر'' نے مجھ پہ ایک سحر انگیز کیفیت طاری کر دی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں خود شوقِ سفر کے جنوں میں مبتلا، چاہتِ منزل فراموش کیے، راہِ وفا کی گرد ہو گئی ہوں۔

دور پیچھے رہ گئے ارض و سما
تیری راہوں نے کہاں پہنچا دیا

حضرت جیؒ شاعری بھی کرتے ہیں! ایک خوشگوار حیرت دنوں تک میری سوچوں کا احاطہ کیے رہی۔ جب سے حضرت جیؒ کے قدموں میں جگہ پانے کا شرف حاصل ہوا تھا، آپؒ کی شخصیت کا ایک سے ایک انوکھا پہلو سامنے آتا جا رہا تھا۔ ایک آزمودہ کار بزنس مین، نہایت محنتی کاشتکار، انتہائی مشتاق ڈرائیور، ماہر نشانہ باز اور بہترین شکاری بلکہ پاکستان میں برفانی چیتے کا شکار کرنے والے چند شکاریوں میں سے ایک شکاری، علاقے کے بہترین مویشی پال (جن کے پالے ہوئے بیل پورے علاقے میں پہلے نمبر پر مانے جاتے ہیں)۔

اِن دل چسپیوں کا حامل، عام طور پر لطیف جذبوں کا مالک نہیں ہوتا لیکن حضرت جیؒ تو قلم پر بھی اتنی ہی گرفت رکھتے تھے جتنی کہ اپنی بندوق پر۔ آپؒ تو فنِ خطابت میں اِس درجہ کی کاملیت رکھتے تھے کہ اپنے دل سے اُٹھا کر بات آسانی سے دوسرے کے دل میں بٹھا دیتے۔ کیسا اندازِ بیان تھا کہ ایک ان پڑھ سادہ دل سے لے کر ایک جید عالم تک کو یکساں سمجھ میں آ جاتا تھا --- اور اب یہ شاعری!

اس سے پہلا سب کچھ ہی اتنا متنوع تھا کہ سننے دیکھنے والے بحرِ حیرت میں ڈوب ڈوب جاتے۔ اب ایک اور پہلو، آپؒ کی ذات کی ایک اور جہت سامنے آئی تو مجھے اندازہ نہیں کہ میں خوش زیادہ تھی یا حیران زیادہ۔

شعر و ادب سے میری آشنائی میرے ہوش سنبھالنے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ میں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، وہاں دو چیزیں فراواں و بافراط تھیں۔ ایک اسلحہ اور دوسری کتابیں۔ خاندان کا ہر تیسرا فرد کتاب دوست تھا، ہاں ذوق جدا جدا تھے۔ اِس ماحول نے مجھے کتاب کی وہ محبت بخشی جس کے سحر سے شاید میں تادمِ واپسیں آزاد نہ ہو سکوں۔ میں ہر ہاتھ آنے والی کتاب پڑھ ڈالتی لیکن میرا خصوصی رجحان شعر و ادب کی طرف تھا۔ کلاسیکی ادب سے ترقی پسند ادب تک مطالعہ کیا لیکن شاعری کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ شاعری کو میں ایک قاری کی حیثیت سے نہیں پڑھتی تھی۔ اشعار میرے ہمراز دوست تھے اور شاعری میری ہمدم و شناسائے حال رفیق۔ ولی دکنی اور خسروؔ سے لے کر میرؔ و غالبؔ، حالیؔ اور اقبالؔ اور فیضؔ تک بیشمار استاد شعراء کے ساتھ ساتھ جدید شاعروں کا کلام میری نظروں ہی سے نہیں، میرے فہم و ادراک کے ایوانوں سے ہو کر گزرا۔

فارسی شاعری کی جانے کسی زمانے کی لکھی گئی شرحیں میرے چچا جان کے پاس تھیں جن میں حافظؔ، سعدیؒ، شیرازی، جلال الدین رومیؒ،

حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ، عمر خیام، عرفیؔ اور نظیریؔ کا کلام شامل تھا۔ اِن بوسیدہ کتابوں کی مٹی مٹی سی تحریروں نے میرے ذوقِ جمال کو وہ جلا بخشی، میری سوچ کو وہ بال و پر عطا کیے، سوچ و فکر کی پرواز کو وہ سمتیں اور جہتیں بخشیں کہ مجھے اپنے اندر افلاک کی وسعتوں کا احساس ہونے لگا۔ میں آج بھی اپنی اِس کیفیت کو محسوس کرنے کی کوشش کرتی ہوں جو لذت آمیز بھی تھی اور حیرت انگیز بھی۔

اسرارِ خودی سے رموزِ بے خودی تک اور مثنوی مولانا روم پڑھنے کے بعد تو شعروسخن کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ نئے شعراء میں سے کم ہی کوئی شاعر ایسا ہوتا جو میرے معیارِ ذوق پر پورا اترتا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میری اِس سوچ کے پیچھے میرا غرور بھی کارفرما ہو جو نوعمری کے زُعم سخن شناسی کا شاخسانہ ہو۔

بہرحال جب حضرت جیؒ کی کتابیں یکے بعد دیگرے میرے ہاتھوں میں آئیں۔ آپؒ کی شاعری کا معیار، ندرتِ فکر، خیال آفرینی اور انداز کی بے ساختگی و برجستگی، مجھے آپؒ کی شاعری کا گرویدہ بناتی چلی گئی۔ بار بار آپؒ کے کلام کو پڑھنا بلکہ پڑھتے رہنا میری عادت سی بن گئی۔ شاعری نثر کی طرح نہیں ہوتی کہ ایک بار پڑھ کر رکھ دی جائے۔ اچھا شعر اچھے دوست کی طرح ہوتا ہے جس سے بار بار ملنے کو جی چاہتا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے کہ پہلے دن ہی سے، پہلا احساس جو آپؒ کے اشعار پڑھ کر میرے دل میں جاگزیں ہوا، وہ آپؒ کی پختہ کلامی تھی۔ آپؒ کی فکری بلند پروازی اور وسعتِ خیال تھی۔ آپؒ نے نہایت متنوع زندگی گزاری تھی۔ کوئی دشتِ حیات ایسا نہیں جس کی انہوں نے بادیہ پیمائی نہ کی ہو۔ آپؒ کے تجرباتِ حیات اس قدر رنگا رنگ تھے کہ خود آپؒ کی شخصیت کثیر الجہت ہوگئی۔ آپؒ حقیقتاً اپنی ذات میں ایک مکمل انجمن تھے۔ آپؒ کی شخصیت قوسِ قزح کے سے رنگ رکھتی تھی۔ ہر رنگ اپنی جگہ پر انوکھا تھا اور پکا بھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُنہوں نے اپنے جذبات و احساسات کو لفظوں کی زبان دی تو ایک رنگا رنگ کلام وجود پذیر ہوا۔ اس میں شاعری کے روایتی مضامین بھی ہیں، معاشرتی مسائل کا بیان اور مجوّزہ حل بھی۔ امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا رونا بھی ہے اور اپنے عالی شان ماضی کا احساس بھی۔ حال و ماضی کا احساس وہ نوجواں مسلم کے دل میں جگانا چاہتے ہیں۔ اُنہیں نشانِ منزل ہی نہیں دیتے، منزل تک پہنچنے کا راستہ بھی بتاتے ہیں۔ وطنِ عزیز کے سیاسی حالات اور اُن حالات کے ذمہ دار سیاستدان بھی حضرتؒ کی نوکِ قلم کے نیچے آئے ہیں۔ عالمی سیاست بھی موضوعِ سخن بنی ہے۔ ان کے قلم نے اشعار کی صورت الفاظ و معانی کے خزانے جمع کیے ہیں کوئی لفظ بے معنی نہیں اور کوئی معنی بے ضرورت نہیں۔ شاعر لفظوں کا کھلاڑی ہوتا ہے۔ وہ اُن کی خوبیِ ترتیب سے ایسی رعنائی و دلکشی اپنے کلام میں پیدا کرتا ہے جو پڑھنے والے کے احساسات کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ شاعر چاہے تو صحرا کو گلزار دکھادے، سراب کو دریا کردے، خزاں میں پھول کھلا دے۔ یہ اظہار کے فن کے معجزے ہیں جو شاعر کو خصوصی طور پر ودیعت کیے جاتے ہیں۔

شاعری لفظوں کی جادوگری ہے لیکن ایسے الفاظ جو معنی سے محروم ہوں، جن کی شریانوں میں مقصد کا لہو نہ دوڑ رہا ہو، ان کی مثال خالی پیمانوں کی سی ہے۔ حضرت جی علیہ الرحمہ نے شاعری کا ہر رنگ کسی مقصد کے تحت اختیار کیا ہے۔ آپؒ کی پوری شاعری کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں بیان کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے محبت۔ اللہ سے محبت، اُس کے رسول ﷺ سے محبت، اللہ کی مخلوق اور رسولِ اکرم ﷺ کی امت سے محبت اور ظاہر ہے کہ دین سے محبت۔ محبت ایثار اور خیر خواہی کا نام ہے، محبوب کی رضا کی خاطر سب کچھ کر گزرنے کا نام ہے۔ حضرت جیؒ کی تو ساری زندگی ہی محبت سے عبارت ہے اور اس کی وجہ ان کی ذات کا وہ وصف ہے جو اُنؒ کی شخصیت کی تمام جہتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ وصف ہے انؒ کا صوفی ہونا۔ اُنؒ کی ذات اور اُنؒ کی شاعری ہیرے کی طرح بیشمار پہلو رکھتی ہے لیکن سوچ کی کوئی بھی ڈگر ہو، اُن کا صوفیانہ پن اس پر سایہ فگن ہے۔ صوفی کبھی بھی زاہدِ خشک نہیں ہوتا۔ جلال الدین رومیؒ، حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ، امیر خسرو اور سلطان باہوؒ اِس کی مثال

ہیں کہ صوفی کا رنگِ محبت کسی بھی دوسرے انسان کی نسبت گہرا اور پکا ہوتا ہے۔اس کے خلوص ومحبت کا دائرہ کبھی تنگ نہیں ہوتا۔یوں کہیے کہ صوفی ہی وہ ہستی ہے جو محبت کے اصل مفہوم سے آشنا ہوتی ہے۔اس کی ''لامحدود'' سے محبت، اس کی محبت کو لامحدود کر دیتی ہے۔اس کا جذبۂ شوق پانچ حواس کے قفس میں مقیّد نہیں ہوتا۔وہ محبوبِ حقیقی کا دیوانہ، حقیقت محبت کا راز داں ہوتا ہے۔وہ محبتِ الٰہی کا مفتوح ہوتا ہے اور اسی کے بل پر فاتحِ عالم بنتا ہے۔حضرت جی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

؎ سکھاتا ہے شاہوں کو طرزِ گدائی
فقیروں کو سلطاں بنانے کی شے ہے

حضرت جیؒ، محبت کی قوت، قوتِ کار اور اثر انگیزی سے خوب واقف تھے۔اسی سلطان نے تو اُن کی اپنی دل کی سلطنت زیر وزبر کر ڈالی تھی۔

؎ غمِ عاشقی سلامت یہ غضب کا فتنہ گر ہے
میری آرزو چرا لی میرا دل بدل دیا ہے

اُنؒ کی شاعری کا غالب حصہ اسی وارداتِ محبتِ حقیقی کا بیان ہے۔راہِ محبت ہی اُنؒ کے لیے راہِ حیات ہے۔اُنؒ کے نزدیک زندگی، زندگی کو محبوب کے نام کر دینے کا نام ہے۔محبوب کی خاطر ہر دکھ اٹھانا حتیٰ کہ جان تک دے دینا ہی اُنؒ کے نزدیک عین راحت بھی ہے اور مقصدِ حیات کی تکمیل بھی۔

؎ سنتا ہوں محتسب نے میری سزا بڑھا دی
کرنے کو عشق پر جو احسان جا رہا ہے
دیکھو چلے ہیں کیسے ہم دار کی طرف اب
یوں سُوئے تخت جیسے سلطان جا رہا ہے

اسی قوتِ عشق سے وہ ہر پست کو بالا کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔اسی عشق کے بل پر وہ دنیا کی تقدیر بدلنے کا عزم رکھتے ہیں۔ان کی صرف شاعری ہی نہیں، اُنؒ کی ساری زندگی اس عزم کی آئینہ دار ہے۔

؎ ہم نے دردِ عشق پایا زندگی کو ہار کر
اس کو ہم بزمِ جہاں میں دان کرتے جائیں گے

محبوبِ حقیقی کا اسیرِ محبت ہونا اُنؒ کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت تھی۔حضرت جیؒ نے شاعری میں عشقِ حقیقی کے علاوہ اردو شاعری کی روایت کے مطابق عشقِ مجازی کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے لیکن اُن کے ہاں ایک رکھ رکھاؤ ہے،ایک شائستگی ہے۔

؎ اُن سے ملنا بری ہی بات سہی
اُن سے ملتے نہیں تو کیا کرتے
کیسے ممکن تھا اک ہتھیلی پر
زر کو پارے سے ہم جدا کرتے

میں حضرت جیؒ کی شاعری پر ایک قاری کی حیثیت سے چند الفاظ لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں۔نقاد کی حیثیت سے اُنؒ کی شاعری کے فنی محاسن پر کچھ کہنا میری اوقات سے بہت اونچی بات ہے۔ہاں جس بھی حد تک میں شعر وسخن کی الف، بے جانتی ہوں، میں نے اُنؒ کی شاعری کو کسی بھی بلند پایہ شاعر کے برابر پایا ہے۔اشعار میں ہر صنعت شعر استعمال ہوئی ہے، خصوصاً صنعتِ تضاد کے استعمال نے آپؒ کے کلام میں جگہ جگہ گلکاریاں کی ہیں۔کلام میں سہلِ ممتنع زیادہ ہے لیکن اس میں عمومیت ہرگز نہیں ہے۔ان کے اشعار کی سادگی اپنے معانی کی کیاریوں میں رنگا رنگ گل بوٹے رکھتی ہے جو اپنے رنگ وبو سے حسن کی توانائی اور قوت میں اضافہ کرتے ہیں۔بیان کی بے ساختگی اور روانی، انداز کی برجستگی بتاتی ہے کہ ان کے اشعار " آمد" ہیں " آورد" نہیں، اور آمد کے تو کیا کہنے۔میں نے اتنا زود گو شاعر کبھی سنا نہ دیکھا۔محض دو منٹ میں پوری غزل کہہ دینا اُنہی کا خاصہ تھا۔کہنے پہ آتے تو اشعار اتنی تیزی سے اترتے کہ گویا موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہو۔کرنل محمد خان نے آپؒ کی اس خصوصیت خاصہ کے بارے میں کہا تھا:

''مولانا سکہ بند شعراء کی طرح شعر کہنے کے لیے فکر کرنے نہیں بیٹھ جاتے، نہ عروض کی باریکیوں میں الجھتے ہیں۔مولانا کی شعر گوئی میں غضب کا ارتجال ہے۔شعر کے بعد شعر نازل ہونے لگتا ہے۔''

یہی بے ساختگی اور انوکھا پن اُنؒ کی شاعری کو انفرادیت بخشتا ہے۔

کبھی وہ پوچھ بیٹھیں تو بتائیں زندگی بھر ہم
ہمیں تو حالِ دل کہنا ہے اپنا، ان جوابوں میں

ہو جن کا عشق صادق وہ سمندر چیر جاتے ہیں
بھلا دیوانہ کب محتاج ہوتا ہے سفینوں کا

سنبھل اے دل بنی آدم ہے وہ بھی
جہاں دل ہے وہیں ارماں بھی ہوگا

حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ کی طرح شیخ المکرمؒ کی شاعری میں دو محبوب نمایاں سے بھی نمایاں تر ہیں۔ ایک رب کائنات اور دوسرے وجہ وجودِ کائنات ﷺ۔ آپؒ کی بہت سی غزلیں نعتیہ اشعار سے مزین ہیں۔ تقریباً ہر تیسری غزل میں ایک دو اشعار ایسے مل جاتے ہیں جو حمدیہ ہوتے ہیں یا نعتیہ۔ آپؒ کی شاعری کا ایک بڑا حصہ نعتیہ شاعری ہے۔ آپؒ نے نعت کو ایک صنفِ شاعری کے طور پر لے کر اس پر طبع آزمائی نہیں کی ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ کے لیے آپؒ کا بے پایاں جذبۂ عشق و محبت اور اتھاہ عقیدت آپؒ کو نعت لکھنے تک لائے ہیں۔ نعت لکھنا آسان نہیں۔ یہ بال سے بھی باریک راستہ ہے جس میں ایک قدم اِدھر پڑ جائے تو شرک کا خطرہ ہے۔ ایک قدم اُدھر ہو جائے تو بے ادبی جیسا گناہ لازم آتا ہے۔ آپ ﷺ کے شایانِ شان نعت کہنا اس درجہ مشکل ہے شاعر کہہ اٹھتا ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ ﷺ کی شان اتنی بلند، آپ ﷺ کا مرتبہ اتنا اونچا ہے کہ زندگی گزر جائے شانِ محمدی ﷺ کما حقہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ یہ بات حضرت جیؒ یوں لکھتے ہیں:

میں کس طرح کروں بھلا تعریف آپ ﷺ کی
کتنا بلند آپ ﷺ کی ہے رفعتوں کا حال

صدیاں گزر گئیں تیری مدحت کی راہ میں
عاجز ہوئے زبان و قلم تھک گئے خیال

حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے شکر کی تعریف یہ کی ہے کہ اُس کی ذات کا شکر ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح مدحت رسول ﷺ حقیقت میں یہی ہے کہ آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کے مطابق آپ ﷺ کی مدحت کی ہی نہیں جاسکتی کیونکہ آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کی رفعتیں کہاں تک ہیں، کوئی نہیں جانتا۔

آدمی سمجھے گا کیا تیرا مقام
بعد اللہ کے فقط ہے تیرا نام

علمِ انساں اس سے آگے کچھ نہیں
تو ہے دو جگ کے حسینوں کا حسیں

حضرت جیؒ کی نعتوں میں تعریف و ثنائے رسول ﷺ کے بعد ایک نمایاں عنصر عرضِ حال کا ہے۔ خود فرماتے ہیں:

''نعت کے اشعار میں نہ صرف رسول ﷺ کے فضائل بیان کرنے کی کوشش کی جو عموماً نعت کا اسلوب ہے بلکہ اپنے احساسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔''

آپؒ عرضِ حال، صرف اپنی ذات ہی کے حوالے سے نہیں کرتے۔ امتِ مرحوم کا حالِ زار بھی حضورِ رسالت مآب ﷺ عرض کرتے ہیں۔ اظہارِ آرزو ہو یا اپنی تباہیوں کی داستان، پاسِ ادب ہمیشہ رکھتے ہیں۔ اظہارِ محبت میں بھی اِس بارگاہ کے آداب پیش نظر رکھتے ہیں۔ آپؒ اپنے خطابات میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''ان بارگاہوں میں سب سے پہلے ادب ہے۔ عشق و محبت کا منہ زور جذبہ بھی یہاں ادب کی بیڑیاں پہن کر آتا ہے۔''

یہاں عشق کی وحشت میں بھی اک حدِ ادب ہے
کیا خوب سکھایا ہے تیری یاد نے دل کو

آج کل اس مادہ پرستی کے دور میں عام شعراء نعت گوئی کو دریوزہ گری کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ درِ رسول ﷺ جیسی از عرش نازک بارگاہ سے، ذاتِ باری تعالیٰ سے تعلقِ محبت کی بجائے روٹیاں مانگتے ہیں۔ گویا جوہری کی دکان سے کنکر پتھر خریدنا چاہتے ہیں۔ حضرتؒ ایک

صوفی ہیں۔ عشقِ رسول ﷺ ہمارے قابلِ قدر صوفی شاعر کو خوب سمجھائے ہوئے ہے کہ درِ حبیب ﷺ سے مانگنے کی اصل چیز کیا ہے۔

؎ مانگے یہ خدا سے تجھے تجھ سے خدا کو
یہ کام بتایا ہے تیری یاد نے دل کو

؎ شاید وہ جذبِ دروں دے شاید ہو دردِ دل بھی عطا
اللہ کو پانے کا جذبہ دے سکتا ہے محبوب میرا

حضرتؒ درِ رسول ﷺ پر کاسہ لیے کھڑے ہیں۔ اُنؒ کی حاجتیں ایک عاشقِ صادق کی حاجتیں ہیں۔ دردِ دل مانگ رہے ہیں۔ خداشناسی خدارسیدگی چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ایک نظرِ کرم کا سوال کر رہے ہیں چاہتے ہیں گردن کو حلقۂ غلامی نصیب ہو جائے۔ راہِ محبت میں موت مانگ رہے ہیں۔

؎ عطا عشق کی آگ ہو بانٹنے کو
مسلماں کو دردِ آشنا تو کروں میں
ملے موت آقا (ﷺ) غلامی میں تیری
تیرا بن کے خادم جہاں میں جیوں میں

؎ سبز گنبد کے مکیں تیری عطا کی خیر ہو
اک نظر سے فانی انساں کو بقا مل جائے گی

؎ پھر دے ہم کو نورِ ہدایت
دردِ دل ہو پھر سے عطا
آقا (ﷺ) ہم یہ جان گئے
اب یہی علاج ہمارا ہے

؎ دستِ اقدس میں تو (ﷺ) اگر لے لے تو
کمانِ حق ہے تیرا تیر ہوں میں

حضرتؒ کی آرزو، قریۂ دل کو محبوب کے دم قدم سے آباد کرنے کی آرزو ہے جس کی تکمیل کے لیے وہ درِ رسول ﷺ کی چوکھٹ کو تھام کر کھڑے ہیں۔

؎ آیئے اک لمحہ بھر قلبِ حزیں میں ٹھہرئیے
مر رہی ہے ہجر میں، مردہ زمیں پر ٹھہرئیے

؎ کدی یار بن کے دستیں دل گھر بناواں تیرا
ہو وے مراد پوری، پوری توں کُجھ ودھیری

درِ محبوب پر صرف ذات ہی کے حوالے سے نہیں، پوری اُمت کے لیے سوالی بنے کھڑے ہیں۔ مانگ کیا رہے ہیں! حقِ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وہی پرانا تعلق، دین کی عظمت کا احساس، غیرتِ ایمانی، حق کی خاطر جان نثار نے کا جذبہ۔ کون سی دُعا ہے انہوںؒ نے امتِ مسلمہ کے لیے اُس عرش آسا چوکھٹ پر کھڑے ہو کر نہیں مانگی۔

؎ ہو جائے مداوا سب غم کا سینہ ہو روشن مسلم کا
چل نکلیں تیری راہوں پر ورنہ تو بھٹکتے رہتے ہیں
انہیں صدق وعدالت بھی ہو عطا عثمانؓ کی وراثت دو آقا ﷺ
دے قلب وجگر اُنہیں حیدرؓ کا جہاں نور برستے رہتے ہیں

؎ جرأت اور بے باکی دے اور اسلامی غیرت بھی
ورنہ تو کافر کے مقابل ابتر حال ہمارا ہے

؎ قانون ہوں رخصت کافر کے اسلام کا جھنڈا گاڑیں ہم
کر گزریں جان پہ کھیل کے ہم مل سکتا ہے محبوب میرا

اپنی نعتوں میں حضرت جیؒ نبی اکرم ﷺ کے عالمِ انسانیت پر بیشمار احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ ﷺ کے سامنے احسان مندی اور شکر گزاری سے سر جھکاتے ہیں۔

؎ معیشت سیاست ہو یا ہو عدالت
تیرے نقشِ پا دیکھ سکتا ہے راہی

؎ قہر و جبر کی سخت چٹانیں بوجھ بنی تھیں انساں پر
آپ (ﷺ) نے انسانوں کے سر سے ظلم کا بوجھ اُتارا ہے

كُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ... (آلِ عمران:103) کی تفسیر دیکھیے۔

؎ بن رہا تھا یہ جہاں جنگل درندوں کا حضور ﷺ
آپ ﷺ نے بانٹا بنی آدم میں پھر الفت کا نور

؎ وہ ہی بندے جو جہاں میں اپنے رب سے دور تھے

وہ ہی بندے بن گئے روشن منارے نور کے

اس شعر کی نزاکت آفرینی، خوبصورتی اور اس بے انداز لطف و عطا کی ایک بے پناہ کیفیت پڑھنے والے کے ہر مشامِ جان میں اتر جاتی ہے۔ ذرا سنئے!

ع دل بے بس و بے جان و بے حرف و کتاب تھا
دیکھا پلٹ کے آپؐ نے بس آفتاب تھا

انما بعثت معلما... (مسند، ج:۴، ص:۱۶۴) کی حدیثِ مبارکہ کو آپؒ نے شعر میں کیا خوب خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

ع تیری ذاتِ اُمّی (ﷺ) علم کا سمندر
جہالت کی ظلمت جہاں سے مٹا دی

شیخ المکرمؒ نے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے لیے اپنے عاجزانہ جذبات و احساسات نعتوں کی صورت صفحۂ قرطاس پر موتیوں کی صورت بکھیر دیے ہیں لیکن جذبۂ محبت کے اظہار کو محض لفظوں تک رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ عشقِ رسالت ﷺ کا اتھاہ، بے پایاں، بیکراں جذبہ اُنؒ کو اپنی ہر متاع بلکہ متاعِ جان تک نبی رحمت ﷺ کے قدموں پہ نثار کرنے پر ابھارتا ہے۔

ع ڈھالنا لفظوں کو شعروں میں نعت اسے بھی کہتے ہیں
ایسی نعتیں ہندو شاعر بھی تو کہتے رہتے ہیں
نعت کا ہے اک خاصِ قرینہ وہ کب سب کو آتا ہے
جان لٹانا نام پہ اُن کے نعت یہی کہلاتا ہے

ع نعت شعروں میں نہیں لکھتے فقیر
اس کی خاطر چاک سینہ چاہیے

ع اثاثہ ہے مومن کا الفت نبیؐ کی
چلو نعت اک آج لکھیں نئی سی

ع محمدؐ کی عظمت کا جھنڈا اٹھاؤ
کوئی نعت خون سے بھی لکھ کر دکھاؤ

اس طرح کے بیشمار اشعار حضرتؒ کی نعتوں میں نگینوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ حضرت جیؒ کے نزدیک عشقِ رسول ﷺ کا معیار اصلی وہ محبت ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ سے کی۔ اس دعویٰ محبت کے تمام ثبوت جو صحابۂ عظام رضی اللہ عنہم نے تاریخ کو فراہم کیے، وہ سب کے سب خون سے لکھے گئے ہیں۔ ذاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت جیؒ کے لیے معیارِ محبت اور رہبر راہِ محبت ہیں۔ نبیوںؑ کے بعد صحابہ رسول ﷺ ساری انسانیت سے افضل ہیں۔ شمعِ رسالت ﷺ کے ان پروانوں کے اوصاف شیخ المکرمؒ کے خطابات و اشعار میں جابجا ستاروں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔

ع جن کو کیا تھا عشق نے بیگانۂ خرد
اُٹھے وہ دشت سے تو زمانے پہ چھا گئے
آپؐ ہی کے خدام کو دیکھو کیسے نادر لوگ تھے، وہ
آپؐ ہی کی شفقت نے اُنؓ کو کیسا خوب نکھارا ہے

ع یہی اب جہاں میں امیدوں کی راہ ہے
جو بدر و احد کے شہیدوں کی راہ ہے

حضرتؒ نے شاعری ایک خاص عمر میں آ کر شروع کی۔ کب شروع کی، یہ تو معلوم نہیں لیکن یہ ضرور جانتی ہوں کہ یہ اُن کے بچپن کا شوق ہرگز نہیں تھا (غالباً حافظ عبدالرزاق صاحب نے کہیں لکھا ہے کہ حضرتؒ نے اٹھاون سال کی عمر میں شاعری شروع کی) یہ صلاحیت جس کسی میں ہوتی ہے، پیدائشی ہوتی ہے۔ اپنی اِس خداداد صلاحیت کا احساس و ادراک مولانا کو غالباً اس وقت ہوا جب وہ قوم و ملت کو ایک خاص پیغام دینے کے لیے زیادہ مؤثر ذریعۂ اظہار کی تلاش میں تھے۔ اردو شاعری شروع ہی سے فارسی شاعری کے زیرِ اثر رہی ہے۔ گل و بلبل، ہجر و وصال، بادہ و جام قسم کے موضوعات پر ہی طبع آزمائی ہوتی آئی۔ خصوصاً جب 1857ء کی آخری شکست کے ہاتھوں مسلمان قوم مغلوب ہو گئی تو قوم میں نفسیاتی عوارض کا ایک طوفان اُٹھا۔ اِس میں وہ ذہنی عارضہ بھی تھا جس نے لکھنؤ اور دلی کی شاعری کو جسمانی عیش سے مضروب کیا۔ داغؔ اِسی میلان و رجحان کے نمائندے تھے۔ ایسے میں

حالیؔ نے شاعری کا مزاج بدلا اور قومی اصلاح کی نیو اٹھائی۔ اکبر الٰہ آبادی برطانوی اقتدار کی ذہنی قتل گاہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیبی اور تعلیمی ویرانیوں کے طناز تھے۔ اقبالؔ کا نصب العین بھی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ تھا۔ اردو میں اصلاحی شاعری کی تاریخ زیادہ پرانی ہی ہے نہ اس کے شعراء کی فہرست زیادہ طویل ہے۔ یہی چند نام ہیں جن میں مولانا ظفر علی خان کو بھی شامل کر لیجیے۔ بعد میں اگر کسی نے مقصدی شاعری کی تو وہ فیض ہیں لیکن ان کا مقصد اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنا ہرگز نہ تھا۔ وہ کمیونزم کے داعی تھے۔

اگر اس بات کو مبالغہ یا عقیدت کا اثر نہ سمجھا جائے تو میں برملا کہوں گی کہ اقبال کے بعد کسی نے امتِ مسلمہ کے ناقہ کو قطار میں لانے کی کوشش کی ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ ہیں۔ آپؒ کا پیغام ملت کے بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم رخ کرنے کا پیام ہے۔ یہ بلّغوا عنّي ولو آية (الجامع الصحيح للبخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل، رقم الحديث: 3461) کے حکم کی تعمیل کا پیغام ہے۔ یہ دلوں کے اُجڑے دیاروں کو محبوبِ رب ﷺ کی محبت سے دوبارہ بسانے کا پیام ہے۔ پھر اپنے خون سے اس نخلِ محبت کی آبیاری کر کے، ساری انسانیت کو اس کے سائے تلے لانے کا عزم ہے۔

جس طرح نظیریؔ نیشاپوری نے ایک شعر میں کہا ہے:

نیست در خشک وترِ بیشۂ من کوتاہی
چوبِ ہر نخل کہ منبر نہ شود دار کنم

یعنی میرے جنگل کی خشک وتر لکڑی میں کوئی نقص نہیں ہے۔ ہاں جس لکڑی سے منبر نہ بن پائے، میں اس سے سولی تیار کر دیتا ہوں۔

بالکل یہی بات شیخ المکرمؒ فرماتے ہیں کہ جو بات منبر پر کہے نہ بنے، اس کے لیے دار پر چڑھ کر بولنا پڑتا ہے۔

اپنا خوں سیماب دے کر اتنا ہم کر جائیں گے
نام آقا ﷺ کا چمن میں پھر رقم کر جائیں گے

حضرتؒ اپنی نظموں میں گم کردہ راہ امت کے لیے جگہ جگہ سنگِ میل نصب کرتے جاتے ہیں۔ اُنہیں نشانِ منزل دیتے ہیں۔ اس راہ کے راہبروں کا پتہ بتاتے ہیں، کبھی صحابہؓ کی بے مثال قربانیوں کی بات کرتے ہیں تو کبھی ان تھک جدو جہد کو ہمارے لیے مثال بناتے ہیں۔ نوجوانانِ امت کے لیے نوجوانانِ جنت کے سردار کو وہ بطور لیڈر پیش کرتے ہیں۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ جواں سالوں کے لیے عزم و ہمت اور جرأتِ کردار کا بہترین نمونہ ہیں۔ شیخ المکرم حسینیتؓ اور یزیدیت کے فرق کو واضح کرتے ہیں۔ حق کی خاطر جان قربان کرنے والے نواسۂ رسول ﷺ کو سالار کی حیثیت سے اور جوانانِ امت کو ان کے لشکر کے سپاہی بننے پر ابھارتے ہیں کیونکہ معرکۂ خیر وشر میں آج بھی حسین و یزید آمنے سامنے ہیں۔

آج بھی حق کی علامت ہے حسینؓ
آج بھی ہے ظلم کا مظہر یزید
خود کو دیکھو کون سی صف میں ہو تم
جس کا قائد ابنِ حیدرؓ یا یزید

آپؒ چاہتے ہیں کہ ہمارا نوجوان جدید علوم ونظریات سے ضرور بہرہ ور ہو لیکن اُس کے افکار کی دنیا نورِ نبوت ﷺ سے روشن ہو۔

حلقۂ افکار ہو روشن ضرور
نام کا ان کے نگینہ چاہیے

نسلِ نو کی گمراہی آپؒ کے لیے باعثِ تشویش وفکر ہے۔ اپنے اشعار میں ان گم کردہ راہ مسافروں کو راہبر نما رہزنوں سے خبردار کرتے ہوئے اُن کی اصل منزل کا راستہ بتا رہے ہیں:

رخ بدل دو بادبانوں کا یہاں
یہ سفر تو جانبِ منزل نہیں
اب کوئی مردِ قلندر کر تلاش
رہنما مقصود ہے قاتل نہیں

حضرتؒ نوجوانوں کو تن آسانیوں، بے عملی، کاہلی وکم کوشی اور

بے مقصدیت کی دلدل سے نکال کر ایک بار پھر میدانِ عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ ماضی کی شان وشوکت کے قصیدے پڑھنے سے یا گزری ہوئی سطوت و جبروت پر نوحہ گری سے حالات نہیں بدلتے۔ اس کے لیے دل وجان کی بازی لگانا پڑتی ہے۔ محض اصلاحات حالات نہیں بدل سکتیں، انقلاب تقدیریں بدلتے ہیں۔

اب یہاں ضربِ کلیمی چاہیے
تیشۂ فرہاد کی حاجت نہیں
پھر سے اب تیغ و سناں کی بات کر
کچھ رباب و چنگ میں طاقت نہیں

خود اہلِ اسلام کو ہو نہ ہو، کفر اسلام کی طاقت کا اندازہ رکھتا ہے۔ وہ آج بھی اسلام اور مسلمان سے ہمیشہ کی طرح خوفزدہ ہے۔ اسی لیے اس کی کوشش ہے کہ نوجوان مسلم کے شباب کی تمام تر توتیں نفسانیت، عیش وعشرت اور راگ رنگ میں صرف ہوں۔ کفر کی خواہش ہے کہ یہ سویا ہوا شیر ہمیشہ سوتا ہی رہے بلکہ ہمیشہ کے لیے سو جائے تاکہ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔۔۔ (بنی اسراءیل: 81) کا منظر دوبارہ کبھی دکھائی نہ دے اسی لیے کفر، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی راہ میں ہر رکاوٹ کھڑی کرنا چاہتا ہے۔ حضرت شیخ المکرمؒ خوب سمجھتے تھے کہ ایمان کی دبی ہوئی چنگاری جو سینۂ مسلم میں ہے، ہوائے طیبہ سے کسی بھی وقت شعلہ بنائی جا سکتی ہے۔

اُٹھو نوجوانو زمیں کو ہلا دو
ہر اک دل کے اندر مدینہ بسا دو
غلامی محمدؐ کی اپناؤ پھر سے
بتوں کی خدائی کو جگ سے مٹا دو

آپؒ کے مجموعۂ کلام ''کون سی ایسی بات ہوئی ہے'' کا تو انتساب ہی نسلِ نو کے نام ہے۔ نوجوان، قوم کا مستقبل، قوم کی امید ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان ہمیشہ حضرت جیؒ کی شفقت اور توجہ کا مرکز رہے۔ آپؒ کی شاعری ان ہی کے لیے تو ہے۔ گردِ سفر کے نام پر غور کریں۔ اس کے بعد نشانِ منزل ہے۔ خود حضرتؒ 'نشانِ منزل' کے دیباچے میں رقمطراز ہیں:

''گردِ سفر کے بعد نشانِ منزل ایک فطری بات ہے۔ سفر آخر منزل ہی کے لیے کیا جاتا ہے۔ مگر کیا یہ میرے ٹوٹے پھوٹے الفاظ اس خوابیدہ قوم کو آمادۂ سفر کر سکیں گے۔ دردمند دل سے نکلے ہوئے نالے، شعر کی صورت صدائیں، وہ کام کر جائیں گی جس کے لیے انہیں چھپوانے اور نوجوانانِ قوم تک پہنچانے کی سعی کر رہا ہوں۔"

آپؒ اپنے خطابات میں، محفلوں میں اور پھر اس منظوم کلام میں ہمیشہ مسلمان قوم کو راہِ عمل پر قدم سائی پر ابھارتے رہے۔ ان کی راہبری کی اور دلداری بھی کی۔ ہمت افزائی بھی فرمائی اور نگرانی بھی۔ پھر ہمہ وقت ان کے لیے دعاگو بھی رہے۔ یہاں تک کہ درِ رسول ﷺ پر حاضری کے وقت بھی یہی دعا اُن کے لب پر ہے:

تمنا لیے در پہ حاضر ہوں آقا
ہوں طالب نظر کا جو شعلہ دکھا دے
جلے میرا سینہ اُٹھے اس سے طوفاں
جو مسلم کے سینے میں ہلچل مچا دے
محبت تیری رقصِ بسمل سکھا دے

عشق رسول ﷺ کو سینوں میں بسانے کی دعوت اس لیے دیتے ہیں کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کشتِ ویراں عشقِ رسالت ﷺ کے مصفا اور مبارک پانی سے سیراب ہوتے ہی ایک بار پھر بارآور ہو جائے گی:

پھر سے دیوانے تیرے ہوں گے جنوں میں مبتلا
پھیر کے رکھ دیں گے پہیہ گردشِ ایام کا
لا الٰہ کی تیغ کاٹے گی اندھیرے کا جگر
گنبدِ خضراء سے روشن ہو گی پھر اپنی سحر

حضرتؒ اس کمال کے مردِ میدان ہیں کہ کوئی میدانِ حیات ایسا نہیں جس میں انہوں نے اپنی جہدِ مسلسل سے تغیر و تبدل کی سعی نہ کی

ہو۔ معیشت، عدالت، مسلمان کی شخصی اور قومی زندگی، نسلِ نو کی تربیت حتّٰی کہ سیاست۔ بات سیاست تک تو آنا ہی تھی کہ دینِ حق کو سیاست سے جدا کر دیں تو عیسائیت کی طرح اسلام بھی حجرے کا دین بن کر رہ جائے گا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ (الفتح:28) کا وعدہ اسلام کے سیاسی غلبے کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔ دین کے نفاذ کے لیے سیاسی غلبے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ملکی سیاست کی زبوں حالی اور سیاست دانوں کی اخلاقی گراوٹ اور اُن کی قوم کی فلاح سے مجرمانہ غفلت پر حضرتؒ کا حال سازِ پُردرد کا سا ہے مگر وہ فریاد کرنے والا مزاج نہیں رکھتے۔ وہ قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کرنے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ وہ قوم کو ان خطرات کا احساس دلانا چاہتے ہیں جو نا اہل قیادتوں کی وجہ سے کشتیٔ ملت کو درپیش ہیں مگر وہ قاری کے دل پر بوجھ کی طرح بیٹھنا نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے تلخیٔ حالات کو بیان کرتے ہوئے بشاشتِ طبع کا بھی خیال رکھا ہے۔ سخت سے سخت بات اتنے لطیف پیرائے میں کہی ہے کہ پتھر بھی پھول بن کے لگے۔ سیّد ضمیر جعفری فرماتے ہیں:

(حضرت جیؒ کی شاعری کا) "ایک اور قابلِ ذکر پہلو دردمندانہ پیرایۂ اظہار کے پہلو بہ پہلو شوخ مگر بلیغ طنز کی وہ چمکیلی دھاری ہے جو اُن کے قطعات میں سیاسی اور معاشرتی موضوعات پر ہلکے پھلکے تبصروں کی صورت میں ابھرتی چلی گئی ہے۔"

تھے الیکشن تو سرِ عام ملا کرتے تھے
بعد اس کے جو بلایا تو برا مان گئے
قومی سرمایے پہ وہ عیش کیا کرتے ہیں
قوم کا حشر دکھایا تو بُرا مان گئے
چارہ گھوڑوں کا وہ امپورٹ کیا کرتے ہیں
چہرہ غربت کا دکھایا تو بُرا مان گئے

ملک سے ان کا رشتہ کتنا پکا ہے
کرسی ملتے ہی واپس آ جاتے ہیں
یوں تو جینا مرنا سب انگریزی ہے
ووٹ آئیں تو ولی اللہ بن جاتے ہیں

مفلسی بھی باعثِ شہرت تو ہے
ہر مصیبت ڈھونڈتی ہے ایسا گھر
چھوڑ کر لیڈر کو گولی دیکھ لو
جاتی ہے مفلس کا سینہ چیر کر

اپنے اس سارے تذکرے میں، میں نے کہیں پنجابی شاعری کا حوالہ نہیں دیا۔ وجہ یہ تھی کہ میں حضرتؒ کی پنجابی شاعری پر الگ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ تصوف کے حوالے سے پنجابی شاعری کا دامن وسیع تر بھی ہے اور بھرا ہوا بھی۔ کلاسیکل پنجابی شاعری تو ساری کی ساری ہے ہی عارفانہ۔ یہاں تک کہ مجازی عشق کی داستانیں بھی اسرارِ معرفت سے پُر ہیں۔ سلطان باہوؒ، خواجہ غلام فرید، شاہ عبد الطیف بھٹائی، میاں محمد بخش، بلھے شاہ۔ گویا شاعر اولیاء کرام کی ایک تا حدِ نظر کہکشاں ہے جو نورِ معرفت پھیلا رہی ہے۔ عارفانہ شاعری کا رنگ پنجابی شاعری پر اتنا گہرا ہے کہ غیر عارفانہ شاعری کرنے والے جدید پنجابی شاعر پرانی شاعری کے انداز و آہنگ سے باہر نکل نہیں سکے۔ لفظ تشبیہات، طرزِ ادا، سب کچھ آج بھی قدماء سے ادھار لیا جاتا ہے۔ چند شعراء کو چھوڑ کر پنجابی شاعری، کلاسیکل شاعری کا چربہ محسوس ہوتی ہے۔

حضرت جیؒ نے پنجابی میں شاعری کرتے ہوئے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے۔ اپنے علاقے کا مخصوص لہجہ، بات کہنے کا اپنا انداز جو اُن کی شخصیت کا حصہ ہے اپنی تشبیہیں اور استعارے۔ گویا احساس و بیاں کی یہ جھوک خود ان کی بسائی ہوئی ہے۔

مثال کے طور پر کیفیاتِ عشق و عرفاں کے ضبط و اخفاء پر بات کرتے ہوئے سوچ کی ندرت، انوکھا اندازِ بیان اور اظہار کی قوت و بے ساختگی دیکھیے۔

سولی چڑھنا کوئی نئیں اوکھا
اوکھا ہے گھٹ بھرنا

اِک قطرہ پی کے نچ پیندے
چھوٹا ظرف بیچارے لوک
پی سمندر گھٹ بھر چھڈیا
خبر کسے نہ تائیں
ایہہ فقیر ہے کم مرداں دا
مرد نہیں ہوندے سارے لوک

عشق کی واردات، اس کا سوز و گداز، ہجر کا درد اور وصال کی آس۔ تمام کیفیاتِ محبت کا بیان پنجابی جیسی وسیع زبان، جس میں تکلف بناوٹ کا گزر نہیں، میں جب حضرتؒ کا بے ساختہ اور برجستہ انداز وہ بھی رکھ رکھاؤ کے ساتھ آیا تو اس کی تاثیر دو آتشہ ہوگئی۔

ہر ساہ جس بھانبھڑ دا بالن
اوہ بھانبھڑ کد بُجھدا
دل وچ جس دا ڈیرہ ہووے
اُس بن ہور نہ سُجھدا
میں کوجھی میں کملی ہوئی
کُجھ نئیں میرے پلّے
پارس سُنیا عشق ہے تیرا
کُجھ بن جاندا کُجھ دا

پنجابی اظہار کے معاملے میں بڑی بلیغ زبان ہے۔ بسا اوقات اس کے ایک لفظ کا مطلب دوسری کسی زبان میں فقروں پیراؤں میں جا کر بھی پوری طرح ادا نہیں ہوتا۔ حضرت جیؒ پنجابی میں بھی قادر الکلامی کی اوج پر ہیں۔ زبان و بیان کی رعنائی و زیبائی، اظہار و اسلوب کی نزاکتیں، موضوع و خیال کی نزہتیں، کیا ہے جو اس گلدستۂ اشعار میں نہیں ملتا۔ کمال تو یہ ہے کہ قدرتِ کلام نے، کلام میں لفظوں کے ہیر پھیر اور پیچیدگیاں پیدا کرنے کی بجائے روانی، سلاست اور تازگی پیدا کی ہے:

میرے وس تے گل نہ رہی کوئی
تیری نظر نے ایہہ کمال کیتا
اسیں وسدی جھوک اجاڑ بیٹھے
ساہنوں حال تو آن بے حال کیتا
کیتا عشق نے اوہ حشر دل دا
جیہڑا کدی نہ دشمناں نال کیتا
دل آکھدا چھری نوں چلدی رہو
مٹھے درد نے ایسا نہال کیتا
چڑھدا سورج گل نئیں وسدا
ڈُبدے نے کیہ دسنا
چن چڑھے تے ہسدا لگے
سمجھ نہ آوے ہسنا
جتھے یار دی خبر نہ آوے
اوس وطن کیہ وسنا
ہجر نے اپناں درد وکھایا
موت نے ہور کیہ دسنا

حضرت جیؒ کی بعض پنجابی نظمیں انتہائی اچھوتے موضوعات پر ہیں 'واہ انصاف زمانے والا' پڑھ کر قاری سر دھننے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نظم کا اصل مزہ اسے پوری پڑھنے میں ہے۔ اسی لیے میں نے ایک آدھ بند لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

حضرت جیؒ باکمال صوفی ہیں۔ اپنی کیفیات کے اظہار میں اپنے محبوب حقیقی کیسے بھول سکتے ہیں۔ وہ کچھ کہیں، کچھ لکھیں، کچھ کریں۔ ان کے اندر کی دھنکی پر ایک ہی ساز سنائی دیتا ہے:

ایں ہم رفت و آں ہم رفت
در پے جاناں جاں ہم رفت
جاں ہم رفت جاں ہم رفت

اسی آتشِ محبت میں تپاں و سوزاں اس راہِ محبت پر چلتے چلے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے نکلے ہوئے بعض اشعار آفاقی سچائیاں معلوم ہوتے ہیں:

راہی چلدے طالب ٹردے
غرض منداں نوں لوڑاں
کدی نہ ملن مراداں منزل
بہہ سنیہڑے گھل کے
جس وی لائی اوہ سودائی
عقل پریت نہ لاوے
عقل ہمیشہ نال غرض دے
خوش پئے ہوون رل کے

آخر میں ایک نعت کا شعر دیکھیے:

سیمابؔ عمر ساری سچ لبھدیاں گزری
بس عشق سچا جذبہ کیتی فکر گھنیری

اپنی اس اوقات پر اگر میں نے حضرت جیؒ کی شاعری پر چند حروف لکھنے کی جسارت کی ہے تو کیا ضروری ہے کہ میں صرف شاعری ہی پر بات کروں؟ میری حیات کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر اس محسنِ اعظمؒ کے احسان کا سایہ نہ ہو۔

ان کی رہبری و خیر خواہی کے حصار میں، میں نے ایک طفلِ ناداں کی سی بے فکر زندگی کے مزے لیے ہیں۔ حضرت جیؒ کے زیرِ سایہ زندگی حد درجہ سہل، مسرت افزا اور آسان تھی۔ فکرِ فردا سے بے نیاز دن اس تیزی سے گزرتے چلے گئے جیسے کوئی سہانا خواب ہو۔ کسی ساتھی کی وفات پر حضرت جیؒ اس کے لیے دعائے خیر و مغفرت فرماتے تو بڑا رشک آتا اور دل سے دعا نکلتی کہ اے اللہ! حضرتؒ کے ہاتھوں میں موت نصیب فرمانا تا کہ آپؒ ہمارے حق میں بھی دعا فرمائیں۔ دل سمندرِ خیال کی باگیں یہیں پر کھینچ لیتا۔ اس سے آگے یا اس کے علاوہ کبھی کچھ اور احاطۂ خیال میں آیا تک نہ تھا۔ جدائی کی فکر تو کیا، کبھی ایسا گمان بھی سوچ کے دریچوں سے ہو کر گزرا نہ تھا۔

آپؒ نے ہمیشہ اپنے مریدوں کو لاڈلی اولاد کی طرح رکھا۔ زندگی سہل بھی تھی اور خوبصورت بھی۔ ہر شے میسر و حاضر۔ دین کا کون سا نکتہ ہے جو ہمیں سمجھایا نہ گیا ہو۔ کون سا رازِ معرفت ہے جو آپؒ نے کھول کر بیان نہ کیا ہو۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں ہماری رہبری نہ کی گئی ہو۔ ہر چیز ہمارے دائیں ہاتھ پر رکھ دی جاتی۔ حتیٰ کہ ذاتی مسائل کا حل انتہائی آسانی سے مل جاتا۔ حضرت جیؒ کی بے پناہ محبت، خیر خواہی اور غمگساری کا جاں فزا احساس ہمارے اعتماد کی فصیلیں اونچی بھی رکھتا اور مضبوط بھی۔ کیا تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ ہم تو بڑے ہی بے فکر اور خوشحال تھے۔

وقت کسی حسین خیال کی مانند گزر رہا تھا کہ حضرت جیؒ نے اپنے قافلۂ حیات کے کوچ کے اشارے دینا شروع کر دیے۔ خوف آمیز حیرت ہوتی مگر سمجھ میں کچھ نہ آتا یا شاید ہم وہ سب سمجھنا چاہتے ہی نہیں تھے۔ پھر ہم سب نے دل کی تسلی کو ستر ہزار باتیں اور حکایتیں گھڑ لیں۔ مبہم اور سنی سنائی پیشن گوئیوں کو اپنے خوف کے درمیان آڑ بنا لیا۔۔۔۔۔ ہاں حضرت جیؒ کے لیے لمبی زندگی کی وہ دعائیں جو ہم سب ہمیشہ سے مانگتے چلے آئے تھے، اُن میں شدت آ گئی۔

اس سب کے باوجود یہ بات تو سان و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کاروانِ حیات جدائیوں کے کبھی نہ ختم ہونے والے بے مہر صحرا کے کنارے آن پہنچا ہے جہاں اُنؒ کی دید کی بے پناہ پیاس لیے، جدائیوں کی بے رحم دھوپ میں آخری سانس تک سرگرداں رہنا پڑے گا۔

31 دسمبر 2016ء کو میں دارالعرفان میں تھی۔ آپؒ کی ایک نئی غزل پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی:

اے راہوارِ عمر یوں سیمابؔ پا نہ ہو
محمل سے کوئی مجھ کو پکارا ہے پہلی بار

میں اس غزل کی شاعرانہ خوبیوں ہی میں کھوئی رہی۔ میرے دل میں اس بات کا گمان تک نہ گزرا کہ یہ تو ہجر کے پانیوں پر پہلا بادبان کھلنے کا اشارہ ہے۔ اس کے بعد نومبر 2017ء میں اُنہوں نے ایک غزل سنائی۔ پہلے ایک دو اشعار کے بعد جو کچھ بھی میں نے سنا، سوائے پیغامِ جدائی کے کچھ اور نہ تھا۔ وہ صرف اُنؒ کے جانے کی بات

تھی۔ ایک قیامت سے گزر کر میں نے درد کی بے پناہیوں پر ضبط کا اتنا کڑا پہرہ لگایا کہ پتھر کی طرح سُن ہو کر رہ گئی۔

سلطان باہوؒ کے اشعار بچپن سے سنتے آئے ہیں جن میں اپنے مرشد کے لیے شوقِ دیدار کا اظہار اپنی پوری شدتوں کے ساتھ بیان کیا گیا:

لوں لوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں اک کھولاں اک کجّاں ہو

حضرت جیؒ کی بیماری کا سُننا تو میری دعاؤں کے سلسلے بھی دراز ہوتے چلے گئے۔ میں سراپا دعا بن کر رہ گئی۔

دشتِ فرقت کی بادیہ پیمائی آسان نہیں۔ جدائیوں کی گرم ریت پر ننگے پاؤں، ننگے سر چلنا پڑتا ہے۔ سوچ کر ہی جان پر بن جاتی کہ فرقتوں کا یہ کڑا اور تا حیات سفر کیسے طے کریں گے۔ دعائیں مانگتی کہ یااللہ یہ قیامت ہم پر نہ آئے کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ قیامت اگر آ گئی تو آ کر ہمیشہ کے لیے ٹھہر جائے گی۔

اب میں تنہائی میں بیٹھ کر اکثر سوچتی ہوں کہ اِدھر ہم تو خوفِ جدائی سے لرزاں و ترساں تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اُدھر حضرت جیؒ اپنے محبوب حقیقی سے ملنے کی خوشی سے نہال ہوں۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے:

(ترجمہ) موت وہ پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

آپؒ کا ایک شعر ہے:

مانع ہو زندگی اگر تیرے وصال سے
پھر کیوں نہ کوئی موت ہی کی آرزو کرے

اپنے محبوبِ حقیقی، اپنے رب سے ملاقات، دربارِ رسالت ﷺ میں ہمہ وقت حاضری، دیدارِ جمالِ باری اور نہ جانے کون کون سی نعمتیں حضرت جیؒ کے انتظار میں ہوں گی۔۔۔۔ حضرت جیؒ کے پاس خوش ہونے کو بہت کچھ تھا۔۔۔۔ رہ گئے ہم تو ہمارے پاس ہمارے غم و درد کی بیشمار وجہیں ہیں جو بس ہم ہی جانتے ہیں۔۔۔ یا کوئی وہ جانے گا جس کا کوئی اتنا پیارا جدا ہوا ہو جتنے بے حد و حساب پیارے ہمیں وہ تھے۔

اُنؒ کے جانے کے بعد سے اب تک (اور لگتا ہے کہ شاید میری آخری سانس تک) یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی بہت بڑے خلا میں بدل گئی ہے جہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ دھوپ ہے نہ سایہ، روشنی ہے نہ اندھیرا، سردی ہے نہ گرمی۔ خلا میں تیرتی ہوئی بے وزنی کی سی اس کیفیت میں، میں بے اختیار ہاتھ آگے بڑھاتی ہوں تو صد شکر کہ کوئی اسے اپنے مہربان ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ دکھ کی اس دھوپ میں جس نے اپنے سائے تلے پناہ دے کر مایوسی کی گرم ہواؤں سے بچا رکھا ہے، یہ شجرِ سایہ دار حضرت جیؒ نے بڑی محنت اور پیار سے پالا پوسا اور بڑا کیا ہے۔ اُن مدظلہ العالی کی ذات کی ٹھنڈک، محبت، رحمت، شفقت اور دلنوازی وہ اجزا ہیں جن سے حضرتؒ نے ان مدظلہ العالی کی تربیت کا خمیر اُٹھایا ہے۔ گویا کہ اُن مدظلہ العالی کی جانشینی کا فیصلہ مشائخِ عظام کا تھا اور اس کی پیشن گوئی اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ نے اُس دن کی تھی جس دن اُنہوں نے حضرت جیؒ کا عقدِ ثانی کرایا۔ اُنہوں نے فرمایا تھا:

"اس بی بی سے وہ بچہ پیدا ہوگا جو سلسلے کو آگے چلائے گا۔"

یہ آپؒ ہی کا فیضانِ نظر و فیضانِ صحبت تھا جس نے امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی کو آدابِ فرزندی سے لے کر مقصد کی تکمیل کے لیے دل و جان اور ساری زندگی کو وقف کرنا سکھایا ہے۔ میں دیکھا کرتی تھی۔ باپ اور بیٹے کی محبت، اُن کا ایک دوسرے کے بغیر رہ نہ سکنا، ہر معاملے میں تبادلۂ خیالات کرنا، مشورہ لینا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک کل کے دو جز ہوں۔ بے حد شفیق باپ اور حد سے زیادہ مؤدب اور فرمانبردار بیٹا۔ اتنی محبت اور لاڈ میں اتنا ادب، اتنی عقیدت دیکھنے میں نہیں آتی۔ حضرت جیؒ نے ہماری خاطر، ہم سب کی خاطر نعم البدل تیار کیا ہے جو اپنی ذات میں اپنے قابلِ قدر والد کی طرح بے مثال ہے۔ وہ اپنے بے حساب غم کو چھپا کر ہم سب کی غمگساری و دلداری کرتے ہیں۔ برکاتِ محمدی ﷺ کی ترسیل کو اسی طرح برقرار رکھے ہوئے ہیں جیسے ان مدظلہ العالی کے بے مثل و بے مثال شیخ المکرمؒ کے دور میں تھیں۔

ربِ ذوالجلال کا بے حد و حساب شکر کہ حضرتؒ کے بعد وہ مدظلہ العالی ہمارے سر کا سایہ ہیں۔ ورنہ سوچیئے ذرا کہ ہم کیا کرتے۔۔۔!

حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ کی علمی وعملی تعلیم

فائزہ شوکت۔ لاہور

زندگی میں اللہ کی بے حدو بے حساب نعمتیں ملیں لیکن پیارے حضرت جیؒ کی شفقتوں کے پاسنگ نہیں۔ بے راہرو لوگوں کو ساتھیوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ حق کے راستے پر گامزن کر دیا۔ دلوں کو حق کی چاشنی ایسی دی کہ ناحق کی کڑواہٹ، کراہت کی حد تک محسوس ہونے لگی۔

بدعقیدہ لوگوں کو سچے، کھرے عقائد نصیب ہوگئے۔ بدعتیوں کو بدعت سے دلی نفرت ہوگئی۔ عمروں کے بے نمازیوں کو نماز کی رغبت ہوگئی۔ عورتوں کی سب سے بڑی کمزوری زبان کا بے محابہ استعمال اور دل ہلکا کرنے کے بہانے غیبت لغو لگنے لگی۔ دل اچاٹ ہوگئے۔ عبادت گذاروں کا زعم انہیں اپنی بے خلوص عبادتوں اور ریاکاری سے آگاہ ہونے پر کافور ہوگیا۔ اور بھی بہت کچھ اچھا ہوا پر کیسے؟

حضرت جیؒ نے پاکیزہ افکار سے اذہان کو روشن کیا۔ برکاتِ نبوی ﷺ قلوب میں انڈیل کر خواہشاتِ نفس کو پاکیزہ کیا اور اپنے ایک ایک عمل سے سکھایا کہ آج کے دور میں اسلام پر عمل پیرا ہونا کتنا آسان ہے۔

سچی بات ہے کہ ہم میں سے اکثر ساتھیوں کو اسلام، ایمان، نیک اعمال صرف ناموں کی حد تک معلوم تھے۔ حضرت جیؒ کو دیکھا تو دل نے گواہی دی آپ سچے ہیں۔ اللہ کریم نے موقع دیا تو دیکھا جو کرتے ہیں وہی منبر پر بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ اور جو بیان فرما رہے ہوتے ہیں اسی پر عمل کرتے ہیں۔ تعلیم وتعلم کا یہ وہ لازمی اصول ہے جس کے بغیر مقصد کا حصول ناممکن ہے۔ یہ حضور ﷺ کی سیرت پاک کا وہ پہلو ہے جس کو بطور دلیل آپ ﷺ نے اپنی پہلی دعوتِ دین کے موقع پر پیش فرمایا۔ حضور ﷺ نے اپنے بے داغ کردار، پاکیزہ زندگی کو اپنی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا۔

اسلام، ایمان وہ اصطلاحات تھیں جو نظری طور پر ہم ساتھیوں کو معلوم تھیں اور معلومات کی حد تک تھیں۔ حضرت جیؒ نے عمق اور محیط ہر سمت سے ان کی مکمل تشریح فرمائی۔ زبانِ مبارک سے فرمائی اور عمل کو اس پر گواہ بنایا۔ بات دل میں اتری، عمل میں آگئی اور ذہنِ نارسا بھی رسائی پا کر آسودہ ہوا۔ اس پر مستزاد کہ آپؒ کا اس پر عمل فطرتِ ثانیہ بن کر بلاتکلف رواں رہا۔

حضرت جیؒ نے سکھایا کہ اسلام تو تسلیم کرنے کا نام ہے۔

"اسلام یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کریم کو پہچان کر اسی کی بارگاہ کا ہو کر رہ جائے۔ کہہ اٹھے میں وہی کروں گا جو تُو فرمائے گا۔"

حضرت جیؒ کے پاس پہنچے تو پتا چلا ایمان کیا ہے۔ فرمایا:

"ایمان نام ہے دامانِ رسالت پناہی کو تھامنے کا۔ ایمان نام ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتبار کا۔ اللہ کو کیسے مانو گے؟ کسی نے دیکھا؟ محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا اللہ ہے تو ہم مانتے ہیں کہ اللہ ہے۔ ایمان نام ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتبار کا۔ جس کا جتنا ہے اتنا وہ مومن ہے۔ اور اس کا پتا چلتا ہے اپنے کردار سے۔"

یوں تو ہم سب ہی کہتے تھے کہ اللہ پر ایمان ہے۔ اس کے رسول ﷺ پر ایمان ہے۔ واللہ! یہ معلوم نہ تھا کہ بغیر حضور ﷺ کے بتائے کوئی یہ نہیں جان سکتا کہ اللہ کریم کو کیا پسند ہے اور کیا

نہیں! حضرت جیؒ نے سکھایا کہ صرف وہی ہستی بتائے گی جسے اللہ نے تمام عالمین کے لیے رحمتِ مجسم ﷺ بنایا۔ سب ہی اس پر سر دھنتے رہے کہ حضور پاک ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ تا آنکہ حضرت جیؒ کی خدمت میں پہنچے۔

حضرت جیؒ نے فرمایا: ''عالمین تو آدم علیہ السلام سے پہلے شروع ہو چکے تھے۔ جو نظام پہلے چل رہا تھا رحمت کا محتاج تو وہ بھی تھا۔ حضور ﷺ کے وجودِ پُرنور کی ضرورت تو تب بھی تھی جب آدم علیہ السلام نہیں تھے۔ کائنات وجود میں آئی تو یہ رحمتِ الٰہی تھی۔ لمحہ لمحہ چلنے کے لیے اسے رحمت کی ضرورت تھی اور رحمت الٰہی کہاں تھی؟ رحمۃ للعالمین ﷺ!''

ہم ساری عمر سمجھتے رہے کہ عبادت نماز، روزہ کا ہی نام ہے۔ اسی لیے نماز، روزہ کر کے مطمئن تھے کہ اب ہم جنتی ہیں۔ حضرت جیؒ کو دیکھا کہ حضرت جیؒ منبر پر قرآن بیان کر رہے ہوتے ہیں اور میدانِ عمل میں کاشتکاری کے امور کی نگرانی کرتے ہیں۔ آپؒ کو ٹریکٹر کے ساتھ دیکھا۔ اعلیٰ بیج کے بارے ماہر کی حیثیت سے ہدایات دیتے دیکھا تو پتا چلا کہ ''عبادت نام ہے امور دنیا کو اللہ کے حکم کے مطابق طے کرنا''۔

قدرتی طور پر سوال اٹھا کہ پھر نماز، روزہ کیا ہے تو فرمایا: ''نماز، روزہ ہے، میدانِ عمل میں توفیقِ عمل حاصل کرنے کے لیے اللہ کی تائید اللہ سے طاقت حاصل کرنا کہ میں میدانِ عمل میں ثابت قدم رہ سکوں''۔

سب ہی جانتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنۃ وہ مقام ہے کہ یہ ٹکڑا جنت سے اتارا گیا ہے۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: ''ساری دنیا پہ قیامت کا زلزلہ آئے گا جنت پہ نہیں۔ یہ اٹھ کر جنت چلا جائے گا۔ اگر جنت کو زمین پہ دیکھنا ہے تو یہی جگہ ہے۔ اور کیا چاہتے ہو تم دنیا میں جیتے جی جنت میں پھر رہے ہو، پھر اور کیا چاہتے ہو''۔

جہاں اس مقام کی عظمت بیان کرتے ہیں وہاں غفلت دور کرنے کے لیے فرماتے ہیں: 'جو جنت سے ہو کے آتا ہے اسے تو بدل جانا چاہیے، اسے تو جنتیوں والا کردار اپنا لینا چاہیے لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ کون سی عظمتِ رسالت کا پاس ہے، یہ کون سی محبت ہے کہ نافرمانی کی جائے۔''

حضرت جیؒ کا ہر قول ان کے ہر عمل پر چھاپ کی صورت موجود ہے۔ حضرت جیؒ کی عملی زندگی اس پر روز روشن کی طرح گواہ ہے۔ اور سالکین کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ انسانی معاشرتی زندگی اتار چڑھاؤ سے پُر ہے۔ حقوق و فرائض کے عدم توازن سے واسطہ پڑتا ہے۔ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کوئی حق تلفی کر رہا ہو اور کرتا جائے اور بندہ معاف ہی کرتا رہے کیا یہی اسلام ہے؟ حضرت جیؒ کا طرزِ عمل اتنا متوازن، اتنا آسان رہا کہ ہر سیکھنے والے کی راہنمائی کا سامان کر گیا۔ حضرت جیؒ اکثر فرماتے تھے کہ برائی کا جواب برائی سے دیا جائے تو برائی بڑھتی ہے اور بدلہ لینے کی قدرت رکھتے ہوئے اللہ کے لیے بہتری کی تدبیر کے طور پر درگزر کیا جائے تو اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ فرماتے تھے ظلم کا علاج عدل ہے۔ یہ صرف کہنے کی حد تک نہیں تھا آپؒ کی عملی زندگی ان روشن مثالوں سے پُر تھی اور سب سے بڑھ کر یہ سارے اعلیٰ اوصاف حضرت جیؒ کی فطرتِ ثانیہ میں تھے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک حضرت جیؒ تک نہ پہنچے تھے عبادات تو کر لیتے تھے عبادات کے نتیجے سے پھر بھی محروم رہتے تھے۔ حضرت جیؒ کے طرزِ عمل نے بتایا کہ عبادات کا حاصل فرد کی اصلاح ہے۔ عقیدے کی اصلاح، فکر کی اصلاح، سوچوں کی اصلاح، عمل کی اصلاح! حضرت جیؒ نے فرمایا:

''انسانی عادات کو تبدیل کرنا آسان نہیں۔ یہ جبلی اور پیدائشی ہوتی ہیں۔ مزاج کا حصہ ہوتی ہیں۔ سیانوں کا کہنا ہے'' جبل گردد جبلت نہ گردد'' کہ پہاڑ کو ہلایا جا سکتا ہے، جبلت کو نہیں بدلا جا سکتا۔ لیکن یہ بات ان پر تو صادق آتی ہے جنہیں برکاتِ نبوت نصیب

نہیں۔ دانشوروں کا یہ قول ان افراد کے لیے پر کاہ اہمیت نہیں رکھتا جنہیں برکاتِ رسول اللہ ﷺ نصیب ہیں کہ برکاتِ نبوت وہ برق تپاں ہیں کہ بڑی سے بڑی انسانی عادات وجبلت کو بھی خاک کر دیتی ہیں اور انسان بدل جاتا ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ میں اللہ نے نئے لوگ آسمان سے نہیں اتارے تھے۔ ان ہی لوگوں میں حضور ﷺ مبعوث ہوئے اور ان لوگوں کو تبدیل کر کے کہاں پہنچایا کہ قرآن نے اس دنیا میں ہی اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے طفیل روئے زمین کے انسانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔''

بندہ یہاں پہنچ کر سوچ میں پڑ سکتا ہے کہ وہ تو عہدِ نبوی ﷺ تھا اور صحابہ کرامؓ تھے تو آج کے گناہگار مسلمان کیسے؟ قربان جائیں پیارے حضرت جیؒ کے، کتنا آسان نسخہ تجویز فرماتے ہیں:

''اگر کوئی حضور ﷺ کی سنت کے مطابق چلنا شروع کر دے، وہی طریقے، اپنے طور اطوار میں لے آئے مثلاً چھوٹی سی بات ہے آنے والے کو خوش دلی سے ملے، اس کی بات سنے، جانے والے کو حوصلہ دے کر بھیجے تو اسی ایک انداز کے اپنانے سے اس کے اخلاق میں بہتری آنے لگے گی اور اگر کوئی حضور ﷺ کی برکات کو پانے کے لیے محنت کرے تو اللہ کریم اس کے لیے اپنی رضامندی کے حصول کو آسان فرما دیتے ہیں۔''

حضرت جیؒ نے سالکین کی راہنمائی کرتے ہوئے نفس کی عیاری کو واضح بھی کیا اور اس کا علاج بھی کیا۔ سالک کی اس استعداد کو جلا بخشی کہ وہ اپنے باطنی عیوب سے آگاہ ہونے لگا اور اصلاح پر آمادہ ہوا۔

سالکین کے سوال کہ خلوص کے ساتھ ذکر کرنے والا بعد میں کیسے اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جواباً فرمایا:

''جب انسان خلوص سے کوئی کام کرتا ہے تو اس وقت وہ تہی دامن ہوتا ہے۔ تہی دامن کو کس چیز کا تکبر ہوگا۔ جب وہ محنت کرتا ہے اور اسے کچھ حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے تو اسے اپنے پاس کچھ ہونے کا احساس ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس پر اترانے لگتا ہے تو یہیں سے بات بگڑنا شروع ہو جاتی ہے۔ حصولِ اخلاص کا راستہ بھی اسی خطرے کی گھاٹی سے گزرتا ہے''۔

اس سے بچنے کے لیے فرماتے ہیں کہ ''جب اللہ عطا کریں تو بندے کو چاہیے کہ وہ اپنی اصل نہ بھولے۔ اس حال پہ قائم ہو جائے کہ اس کا اپنا کچھ نہیں اس کی ذات بھی اس کی نہیں۔ سب کچھ اللہ کا ہے اگر ایمان واحتساب رہے تو پھر کبر وریاء نہیں اور اگر یہ چھوٹ جائے تو بندہ بچ نہیں سکتا''۔

ذکرِ قلبی اختیار کرنے سے پہلے عالم یہ تھا کہ عبادت کی راتوں میں خوب عبادت کی اور پھر دن بھر ویسے ہی کرتے رہے جو عبادت سے پہلے کا وطیرہ تھا۔ تسبیحات بھی پڑھیں، درود بھی پڑھا لیکن کورے کے کورے ہی رہے بلکہ یہ زعم بھی رہا کہ شب بھر جاگے۔ ساری زندگی ہر مسلمان درود کی فضیلت کو جاننے کی کوشش کرتا ہے لیکن ورد کرنے کے باوجود نتیجہ سے محروم رہتا ہے۔

حضرت جیؒ نے زبانی دعوؤں کے فریب سے نکال کر عملی شہادت کی راہ دکھائی۔ صرف راہ نہیں دکھائی اور بات صرف افکار تک نہیں رہی بلکہ بات سیدھی دل میں اتاری اور اس خلوص سے اتاری کہ نقش ثبت ہو گیا۔ یہ حقیقت لوحِ دل پر کندہ ہو گئی کہ زبانی درود پڑھ کر سارا دن خلافِ شریعت عمل کرتے رہیں گے تو نتیجہ عمل پہ آئے گا زبانی باتیں کرنے پہ نہیں۔ فرمایا: ''اگر کوئی عملاً گھر کو آگ لگاتا رہے اور زبانی کہتا رہے کہ یا اللہ میرے گھر کو آباد رکھ تو نتیجہ کس پہ آئے گا؟''

حضرت جیؒ نے جہاں حقیقت آشکار کی وہاں فوراً اللہ کی رحمت کی طرف متوجہ کیا، ہر گناہگار کو مایوسی کی دلدل سے نکال کر راہِ عمل واضح کی۔ فرمایا: ''تو جہاں ہے، تیرے سامنے جو کام آیا فوراً پوچھ، میرے حبیب ﷺ کا فیصلہ کیا ہے؟ اور ویسا ہی کر لے درود ہو گیا۔ رحمت نازل ہونا شروع ہو گئی''۔ (بقیہ صفحہ نمبر 39 پر)

تم ہماری یاد میں۔۔۔۔

اسسٹنٹ پروفیسر ماجد حسین اعوان ۔گوجرانوالہ

اللہ کریم کا شکر ہے کہ وقت نے زندگی کے بہت سے اوراقِ ایام ایسے بھی پلٹے ہیں کہ جو دامنِ دل میں مانند متاعِ حیات موجود ہیں۔ ایسے ایام ہیں کہ جن میں میری آنکھیں دیدارِ شیخ کا عکس دل کی گہرائیوں میں محفوظ کرتی تھیں جب آپؒ کی شفیق نگاہیں قلب کی تطہیر کرتے ہوئے اُسے یادِ الٰہی سے منوّر کرتی تھیں۔

؎ آتے جاتے لوگ رہیں گے رہے گا گلشن یہ آباد
نام تمہارا ساتھ رہے گا اس سے گلشن سجتا ہے

مجھے دو دفعہ حضرت جیؒ کی خدمت کا موقع ملا۔ایک دفعہ 1992ء کے بعد چند ماہ کے لیے اور 1995ء تقریباً ایک سال کے لیے۔مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب رات کو حضرت جیؒ واپس دارالعرفان تشریف لاتے تو میں گیٹ بند کر کے گاڑی کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ بھاگتا تو گاڑی میں آپؒ کی موجودگی کا احساس سرد رتوں میں مجھے اپنی آغوش میں لے لیتا۔اور یوں محسوس ہوتا کہ زندگی سارے دکھوں سے آزاد ہوگئی ہے۔

؎ اپنا فسانہ بس اتنا تھا نام سے تیرے شروع ہوا
اپنی کہانی بس اتنی ہے ذات پہ تیری ختم ہوئی

میں جب کبھی بھی یادوں کا دریچہ کھولوں تو کچھ ایسے مناظر بھی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں۔حضرت جیؒ سے ملاقات سے پہلے میں Tonsillitis کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور ہوگیا تھا۔عدم پرہیز نے بیماری کو اور بھی بڑھا دیا اور میں آدھا کلومیٹر بھی نہیں چل سکتا تھا گردن سر کا بوجھ اُٹھانے سے قاصر تھی۔اِسی دوران حضرت جیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔دیکھتے ہی دیکھتے تمام بیماریاں دور ہو گئیں۔ایک دفعہ میں نے اکیلے ہی دارالعرفان سے دوڑنا شروع کیا تو کلر کہار تک 23 کلومیٹر تک بھاگتا چلا گیا۔آج بھی میں جب 100kg کے ساتھ exercise کرتا ہوں تو وہ شعر یاد آجاتا ہے کہ

؎ توجہ نے تیری میرے مسیحا
توانا کیے ناتواں کیسے کیسے

آپؒ کی خدمت اور قربت کے طفیل اللہ نے مجھے تدریس جیسے مقدس اور باعزت پیشے سے نوازا۔اللہ کریم سلامت رکھیں درِ شیخ المکرم کی آشنائی کہ جس نے مجھے زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔میری طبیعت میں بیس بائیس سال کی عمر تک بھی ناپختگی، غیر سنجیدگی اور بچگانہ شرارتی پن تھا۔ایک دفعہ حضرت جیؒ نے ایک ساتھی سے خود فرمایا تھا کہ "سردار خان! اللہ کی شان دیکھی ہے اُس نے ماجد کو پروفیسر لگا دیا ہے۔" حضرت جیؒ کے قدموں میں بیٹھ کر پتہ چلا کہ زندگی کے اصل دکھ تو، گناہ ہیں۔روپیہ پیسہ خرچ کرنے کا سلیقہ وطریقہ بھی آپؒ ہی سے سیکھا۔

حضرت جیؒ کی شخصیت میں بے حد اصول پسندی، منصف مزاجی، وضع داری اور کھرا پن تھا۔ایک روز حضرت جیؒ کے بیٹے عبدالستار صاحب جو اُن دنوں گرلز سکول میں اکاؤنٹنٹ (Accountant) کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔اُن کی طرف سے تقریباً 6000 روپیہ بوائز اکیڈمی کے اکاؤنٹنٹ کو ٹوٹل رقم سے کم ادا کیا گیا جب کہ ان کا مؤقف تھا کہ وہ تمام رقم مختلف مواقع میں جمع کروا چکے ہیں مگر جب وہ ثبوت پیش نہ کر سکے تو حضرت جیؒ نے اُن سے فرمایا ڈھائی ہزار آپ کی

تنخواہ ہے۔اب اِن میں اقساط بنالو یہ رقم تمہاری تنخواہ سے کاٹی جائے گی۔جب آپؒ یہ باتیں ارشاد فرمارہے تھے آفس میں ہم تینوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔یہ واقعہ جب بھی مجھے یاد آتا ہے حضرت کی مساوات وعدالت مجھے قرونِ اُولیٰ کی یاددلا جاتی ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ کچھ دنوں بعد حضرت جیؒ نے شفقتِ پدری میں اُن کی تنخواہ سے دگنی رقم اُنہیں اپنی جیب سے دے دی ہوگی۔

ایسے ہی ڈسٹرکٹ کورٹ چکوال کا ایک کیس تھا جس کا فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا مدعی اور ملزم دونوں ہی قرآن اٹھاتے تھے اس کیس میں مدعی 40ہزار روپے کا دعوے دار تھا۔جج صاحب نے یہ کیس حضرت جیؒ کو ریفر کر دیا ملزم ایک غریب آدمی تھا غالباً پیشے کے اعتبار سے موچی تھا۔ حضرت جیؒ کے آفس میں دونوں پارٹیاں پہنچ گئیں کاروائی کا آغاز ہوا حضرت جیؒ نے دونوں طرف کی بات نہایت غور سے سُنی اور فیصلہ فرمایا کہ جب دونوں اطراف قرآن کریم پر حلف دینے پر بضد ہوں تو پھر حلف دینے کا حق مدعی کو دیا جاتا ہے۔چنانچہ مدعی نے قرآن پر حلف دیا کہ اُس نے ملزم سے 40ہزار وصول کرنے ہیں۔حضرت جیؒ نے فیصلہ مدعی کے حق میں دے دیا۔ملزم جو کہ غریب آدمی تھا اُس کے ذمہ اب 40ہزار روپے واجب الادا تھے جو کہ وہ نہ دے سکتا تھا اور یہ بات بھی 1996ء سے پہلے کی ہے جب 40ہزار ایک اچھی خاصی رقم تھی تو حضرت جیؒ نے اپنی جیب سے 40ہزار نکال کر اُس غریب آدمی کو دیئے اور فرمایا کہ اگر کبھی ممکن ہوا تو واپس لوٹا دینا جو کہ وہ نہ لوٹا سکا۔دُنیا کے طالب ایسی باتوں کی تشہیر کرتے ہیں مگر میں نے اس واقعہ سمیت اور بہت سی باتوں میں حضرت جیؒ کو فقط کام کرتے دیکھا ہے آپؒ نے کبھی اُن کی نہ تو تشہیر کی اور نہ ہی ایسا چاہا۔

حضرت جیؒ کی ذات ایک سمندر تھی۔وہ ایک جہان کا دُکھ سنتے لیکن اپنا درد اور تکالیف اپنے تک محدود رکھتے۔ایک روز تہجد کے وقت میں نے سُلطان صاحب کو کچھ میڈیکل آلات کے ساتھ حضرت جیؒ کے کمرے کی طرف سے آتے دیکھ کر فکر اور حیرت سے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا آپ کو نہیں پتا مجھے تو مہینہ ہو گیا ہے ہر رات آتے ہوئے۔ حضرت جیؒ کی طبیعت سخت خراب ہے وہ تو مہینے سے رات بھر سو نہیں سکے۔میں یہ سُن کر حیران رہ گیا کہ میں تو ہر روز آپؒ کے قدموں میں بیٹھ کر آپؒ سے اُن تمام خطوط کے جوابات وصول کرتا ہوں۔اور آنے والے لوگوں کی ملاقات بھی آپؒ سے کرواتا ہوں۔تین چار گھنٹے کی اس روزانہ خدمت میں مجھے یہ قطعاً احساس نہیں ہوا کہ حضرت جیؒ اتنے زیادہ بیمار ہیں اور مہینے بھر سے آپؒ کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی۔حضرت جیؒ کا ضبط، کمال تھا۔دوسری دفعہ جب مجھے آپؒ کے صبر وحوصلہ نے حیران کیا وہ آپؒ کے داماد کی تدفین کا دن تھا۔مجھے یاد ہے اُس دن جمعۃ المبارک تھا۔نمازِ جمعہ کے بعد آپؒ نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھانا تھی۔آپؒ نے حسبِ معمول بیان فرمایا اور نمازِ جمعہ پڑھائی۔جمعہ کے سارے بیان کے دوران کوئی بھی آپؒ کی آواز اور اندازِ بیان سے آپؒ کے غمِ دروں کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

حضرت جیؒ کا مزاج نہایت نفیس اور سادہ تھا۔اپنی ذات کے لیے کوئی اہتمام نہ فرماتے۔جو کھانا میس میں پکتا وہی حضرت جیؒ کی ڈائننگ ٹیبل پر موجود ہوتا۔آپؒ کی زندگی محنت سے عبارت تھی۔ہم جسے عیش کہتے ہیں حضرت جیؒ کے ہاں اُس کا مفہوم بے کاری اور ناکارہ پن تھا۔آپؒ حیات کے آخری ایام تک، جب تک ہمت رہی مصروفِ عمل رہے۔میرے سامنے کی بات ہے ایک دفعہ جب ٹریکٹر ڈرائیور کھیتوں میں صحیح طریقے سے ہل نہیں چلا رہا تھا تو آپؒ نے تقریباً تین گھنٹے خود ٹریکٹر چلایا۔اُس وقت آپؒ کی عمر مبارک ستر سال سے اوپر تھی۔آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

مجھے حضرت جیؒ کے ساتھ 1995ء میں عمرہ کرنے کی سعادت بھی حاصل ہے۔مجھے یاد ہے جب میں نے مدینہ منورہ میں ایک دوکان پر وہاں کے شہری کے عربی میں کیے گئے سوال کے جواب میں شرارتاً بے معنی الفاظ کو ایک زبان (Language) کے طور پہ ادا کیا تو وہ حیرت اور پریشانی سے میرا منہ دیکھنے لگا۔حضرت جیؒ کو اس واقعے کا علم

ہوا تو انہوں نے مجھے سختی سے تنبیہ فرمائی کہ یہ نبی کریم ﷺ کا شہر ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو ایذا نہیں دیتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی چیز نہیں خریدنی، نہ خریدو لیکن یہ نہیں کہنا کہ ہم نے نہیں خریدنی یا یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی چیز کھانے کو دل نہ چاہے تو نہ کھاؤ لیکن یہ مت کہنا کہ مجھے پسند نہیں۔

میری یادوں کے طاق میں حضرت جیؒ کے ساتھ گزرے ہوئے حسین لمحات کے بہت سے چراغ ٹمٹماتے ہیں۔ ایک دفعہ جب میں حضرت جیؒ کے ساتھ شکار پر گیا تو آپؒ نے مجھے پسٹل چلانا سکھایا۔ میں جب بھی فائر کرتا تو ہاتھ نیچے کو جھک جاتا اور گولی سامنے کی بجائے نیچے زمین پر لگتی حضرت جیؒ ہنس کر فرمانے لگے کہ "تم بندے بھگانے کے لیے صحیح ہو۔" اسی طرح ایک اور بات یاد آ رہی ہے میری لکھائی بے حد گندی ہے۔ حضرت جیؒ اکثر مذاق سے فرمایا کرتے تھے کہ "ماجد کی لکھائی ایسی ہے جیسے سیاہی میں کیڑے ڈبو کر کاغذ پہ چھوڑ دیئے گئے ہوں۔" مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب حضرت جیؒ گوجرانوالہ تشریف لائے تو میری خواہش پہ ڈائری پر اپنا ایک شعر تحریر فرمایا بعد میں گوجرانوالہ سے غالباً ڈسکہ جاتے ہوئے اُسی وزن پر پوری غزل تحریر فرمائی۔ جو کہ آپؒ کے مجموعۂ کلام کی زینت ہے۔

؎ اپنا ہی کیا آتا ہے ہر ایک کے آگے
ہم ہی تو بڑھے تھے اُسے دیکھ کے آگے

مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ جب آپؒ نے کمپیوٹر چلانا سیکھا تو آپؒ نے نہایت شفقت و محبت سے مختلف اوقات میں تین دفعہ میرا نام لکھا اور ساتھ بہت خوبصورت پھول بھی بنائے ایک دفعہ تو بجلی چلی گئی جب کہ دو کے پرنٹ میرے پاس محفوظ ہیں۔

؎ بسنے کو تو اک عالم ہے حال میں اپنے بستا ہے
دل بستی کا باسی تُو ہے تجھ سے بچھڑی ختم ہوئی

؎ دل صحرا میں چشمے پھوٹیں آپ نظر فرمائیں تو
بدلیں نظریں تو یہ جانو رُت مستانی ختم ہوئی

کتنے خوشیوں بھرے دن تھے۔ مجھے اکثر رات کے وقت سفر کرنے پر ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔ ایک دفعہ میں اور عبدالکریم مانک پُورے موٹروے کی طرف واک کرتے ہوئے جب درمیانی پہاڑیوں پر پہنچے تو مغرب کا وقت تھا ہمیں سامنے والی پہاڑی سے تقریباً 70، 80 آدمیوں کے سنسکرت زبان میں اکٹھے مل کر کچھ پڑھنے کی بلند آواز سنائی دی اور ساتھ ایک چھوٹا بچہ دکھائی دیا ہم کچھ دیر تو اُنہیں دیکھتے رہے پھر موٹروے کی طرف نکل گئے۔ دو تین دن کے بعد جب حضرت جیؒ بیرونی دورے سے واپس دارالعرفان تشریف لائے تو ہم نے یہ واقعہ اُن کے گوش گزار کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ وہ جنات تھے۔ ہم نے سوچا شکر ہے بچت ہوگئی۔

ایک دفعہ جب میں کلاس کے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ منارہ کے شمال میں پہاڑوں پر سیر کرتے ہوئے نماز کے لیے ایک جگہ رُکا تو حضرت جیؒ بھی وہیں تشریف لے آئے ہم نے نماز کے بعد تصاویر بھی بنائیں۔ اور حضرت جیؒ کی معلوماتی باتوں سے لطف اندوز بھی ہوئے۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے آپؒ وہاں سے دارالعرفان کے لیے گاڑی میں بیٹھنے لگے تو آپؒ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ:

"کبھی دوبارہ اِدھر آ ؤ گے تو اس وقت کو یاد کرو گے۔"

اُس وقت تو بات سمجھ نہیں آئی مگر اب یہی بات دل میں کسک بن کر رہ گئی ہے کہ کاش وہ وقت پلٹ آئے اور دل پھر سے آباد ہو جائے۔ حضرت جیؒ نے خود ہی تو فرمایا تھا:

؎ ہے فقط بزم میں سیماب کے دم سے رونق
وہ نہ ہوں بزم کی ہر بات بدل جاتی ہے

آج اکثر حضرت جیؒ کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں۔ اور دل وہی شب و روز ڈھونڈنے لگتا ہے تو بالآخر ایک سرد آہ پہلو سے نالۂ دل بن کر نکلتی ہے اور سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ اب حضرت جیؒ کو کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ اُس ہستی کو اب کبھی نہیں دیکھ سکتا کہ جنہوں نے مجھے اُس وقت زمین سے اُٹھا کر گلے لگایا

تھا جب مجھے اپنے سامنے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ دین و دنیا دونوں سے میں اک مسافت پہ تھا جن کی توجہ نے مجھے روحانی اور جسمانی طور پر توانا کر دیا۔ میرے گناہوں کو دیکھ کر بھی مجھ سے نفرت نہیں کی۔ میری زندگی کو زندگی بخشی:

ے میرا سوچنا تیری ذات تک
میری گفتگو تیری بات تک
میں نے مانا کہ میں تو کچھ نہیں
تیرے پہلے سے تیرے بعد تک

ہر ساتھی کی حضرت جیؒ سے محبت کی اپنی ہی کہانی ہے ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ آپؒ اُس ہی سے محبت کرتے تھے اصل میں حضرت جیؒ اُس چاند کی مانند ہیں جو ہر ایک کے ساتھ چلتا ہے رُکتا ہے مگر ہر کوئی اب اپنے اپنے اِس چاند کو ڈھونڈ رہا ہے آپؒ ہی نے جو فرمایا تھا کہ:

ے ہم تو سو جائیں گے لیکن یاد رکھنا دوستو
تم ہماری یاد میں جاگا کرو گے رات بھر

ہماری بے قرار راتیں اب ہمیں اِس شعر کا مفہوم سمجھا رہی ہیں۔

دوسروں کا تو علم نہیں لیکن آج جب کہ حضرت جیؒ کو دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے دو سال گزر چکے ہیں مجھے یوں لگتا ہے کہ اِن دو سالوں میں، میں یا شاید ہم سب صدمے کے ایسے کوہِ گراں تلے آئے کہ ہر ایک کو اپنا ہی غم سب سے زیادہ محسوس ہوا۔ ہر ایک نے یہ سمجھا کہ اُس کا دکھ ہی سب سے بڑا ہے۔

ذرا سوچیئے تو سہی! وہ شیخ جو ہمارے والد سے بڑھ کر ہمارے لیے شفیق تھے ان کی شفقت و محبت کا عالم اپنی اولاد کے لیے کیا ہوگا اور وہ ہستی جس کا شیخ اور ایسا والد دنیا سے رخصت ہوا ہو! اُس کے الم کا عالم کیا ہوگا! حضرت جی مدظلہ العالی، جنہیں سلسلۂ عالیہ کے لیے احساسِ ذمہ داری، تڑپ اور مشن ورثے میں ملا وہ ایسے بلند مرتبہ شیخ اور اس پائے کے محبت کرنے والے والد کی تدفین کے بعد گھر نہیں گئے بلکہ مسجد تشریف لائے۔ کس لیے؟ ہم سب کو سنبھالا دینے! انہوں نے ایک شیخ کے دنیا سے پردہ فرمانے پہ ہمیں چند گھڑیوں کے لیے بھی دوسرے شیخ کے بغیر نہیں چھوڑا۔ جو (مدظلہ العالی) حضرت جیؒ کی طرح اپنے شیخ کے مرید بھی تھے اور مراد بھی۔ جنہیں دیکھ کر حضرت جیؒ کا چہرہ مبارک چمک اٹھتا تھا۔ مجھے حضرت جی مدظلہ العالی کے دفتر میں پہلا سیکرٹری ہونے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ مجھے یاد ہے جب وہ حضرت جیؒ کے پاس تشریف لے جاتے تو اُن کی گفتگو اور اندازِ نشست و برخاست سے کوئی یہ اندازہ نہ لگا پاتا کہ یہ مرید ہی نہیں ان کے بیٹے بھی ہیں، حضرت جیؒ کے ساتھ ان کے تعلق میں باپ بیٹے کی بجائے شیخ اور مرید کا رنگ زیادہ غالب رہا۔

سلسلۂ عالیہ کے دو مشائخ کی خاکِ پا ہونے کی سعادت میرے نصیب میں آئی۔ تقدیر کا یہ انعام میری متاعِ حیات ہے۔ حضرت جیؒ، حضرت جی مدظلہ العالی سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ آپ مدظلہ العالی جب دوروں پہ جانے لگتے تو میں نے حضرت جیؒ کو آپ کی واپسی کا شدت سے منتظر دیکھا آپ کی واپسی پہ حضرت جیؒ کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھتا اور رُخِ انور پہ ایک خوبصورت سا اطمینان پھیل جاتا۔ آپ مدظلہ العالی کی حیاتِ مبارکہ کا بھی واحد مرکز و محور، حضرت جیؒ کی ذات تھی۔ دنیا کا سورج تو اپنے وقت پہ طلوع ہوتا ہے مگر شیخ المکرم مدظلہ العالی کا سورج حضرت جیؒ سے صبح کی ملاقات سے طلوع ہوتا اور رات کو حضرت جیؒ کو اللہ حافظ کہہ کر اُن کی الوداعی دعا پر غروب ہوتا۔

حضرت جیؒ کے پردہ فرما جانے کے بعد ہم سب اپنے اپنے غم ہجراں کے اسیر تو ہو گئے مگر کیا ہم نے کبھی شیخ المکرم مدظلہ العالی کے دل میں جھانکا ہے!

ے پہلو میں بہت ہنگامہ تھا دل میں اِک دنیا بستی تھی
کوئی چہرہ تھا اِک سورج تھا یہ اُس سورج کی بستی تھی
وہ نکلا، بڑھتا چلا گیا، وہ سر پر چمکا کرتا تھا
روشن ذرے روشن لمحے ہر آن اُسی کا چرچا تھا
کچھ ہم نے کیا یا لوگوں نے قسمت بدلی یا نظر لگی
اِک دم سے سورج ڈوب گیا راتوں میں بدلی سحر لگی

انور علی شاہ۔ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں وجودِ انسانی کی تخلیق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ انسانی وجود دس عناصر کے ملاپ سے بنا ہے جس میں سے پانچ عناصر کا تعلق عالمِ خلق سے ہے اور پانچ کا تعلق عالمِ امر سے۔ عالمِ خلق سے تعلق رکھنے والے پانچ عناصر پانی، مٹی، آگ، ہوا اور اُن کی آمیزش سے وجود میں آنے والا نفس ہے جبکہ عالمِ امر سے تعلق رکھنے والے پانچ لطائف ربانی ہیں۔ یہ لطائف قلب، روح، سری، خفی اور اخفاء ہیں۔ یہ لطائف منور ہو جائیں تو پھر نورِ ہدایت نصیب ہو جاتا ہے اور جینے کا مزہ آ جاتا ہے۔ سلسلہ عالیہ کے متوسلین اِس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

علماء ربانیین اور اہل اللہ نے انسانی وجود میں لطائف کے مقامات، ان سے پھوٹنے والے انوارات، لطائف کے راسخ ہونے کی علامات پر اپنے اپنے انداز میں لب کشائی کی ہے مگر قاسم فیوضاتؒ جب اِس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو کیفیات اور معلومات کا ایک وسیع سمندر موجزن نظر آتا ہے۔ حضرت جیؒ نے جدید سائنسی تحقیق کے نتائج کو اس بحث میں سموتے ہوئے ایک بالکل انوکھے انداز میں انسانی وجود کی تخلیق پر بات کی ہے جس پر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ متقدمین یا متاخرین صوفیا اور علماء ربانیین میں سے کسی نے بھی سائنسی تحقیق یعنی انسانی جسم میں باڈی سیل (Body Cells) کی تخلیق، سیلوں (Cells) کی زندگی اور موت، سیلوں (Cells) کا ذاکر ہونا بیان نہیں فرمایا۔ تاریخِ تصوف میں یہ خصوصیت صرف حضرت امیر مولانا محمد اکرم اعوانؒ کے حصے میں آئی۔ آپؒ نے انسانی وجود اور باڈی سیلز پر سیر حاصل بحث کی اور ذکر خفی کے نتیجہ میں سیلز (Cells) کے ذاکر ہونے کا ذکر کیا۔

آپؒ نے ساتواں لطیفہ 'سلطان الاذکار' کا ذکر کرتے ہوئے کنوزِ دل میں ارشاد فرمایا:

"اِس میں سارا وجود ذاکر ہو جاتا ہے۔ اس لطیفہ پر بھی تجلیاتِ باری ہوتی ہیں جو بے رنگ و بے کیف ہوتی ہیں۔ سالک محسوس تو کرتا ہے مگر کیفیات کو بیان کرنے کے لیے کوئی الفاظ بنے ہی نہیں کہ یہ بیان ہو ہی نہیں سکتیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ جسم کا ذرہ ذرہ روشن ہو کر ذاکر ہو جاتا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق انسانی وجود میں اڑھائی کھرب سیل ہوتے ہیں۔ گویا اِس دنیا سے کروڑوں گنا بڑی دنیا ہر انسانی وجود میں آباد ہے اور کوئی سیل چھ ماہ سے زیادہ نہیں رہتا۔ ہر سیل اپنے جیسا دوسرا سیل پیدا کر کے مر جاتا ہے۔ لہٰذا انسان جہاں جاتا ہے، جدھر سے گزرتا ہے، جو لباس پہنتا ہے، جس بستر پہ سوتا ہے، ہر جگہ مردہ سیل گرتے رہتے ہیں اور ہر وجود چھ ماہ میں مادی طور پر بالکل نیا وجود بن جاتا ہے۔ یہ سلسلہ موت تک مسلسل جاری رہتا ہے کہ شب و روز میں ہر انسان کے اندر کروڑوں موتیں ہوتی ہیں اور کروڑوں نئے سیل تخلیق ہوتے ہیں۔ پھر اگر نئے بننے والے سیل میں کوئی کمی ہو تو دماغ سے بجلی کی لہر جاتی ہے جو اسے درست کر دیتی ہے۔

اس کے ساتھ سائنسدان یہ کہتا ہے کہ ہر سیل میں ایک کتاب

ہے جس میں اس شخص کی پوری زندگی کی تفصیل درج ہے۔ یہاں تک کہ کب پہلا بال سفید ہوگا یا کب ایک دانت خراب ہوگا۔ یہ سب پڑھا جا سکتا ہے۔ سبحان اللہ! اس قادر قیوم کی قدرت دیکھیں سچ فرمایا اس نے:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ. (ق:16)

"اور ہم اُس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔"

شہ رگ بھی تو سیلوں (Cells) سے بنتی ہے اور وہ قادرِ مطلق ہر آن، ہر وجود میں کروڑوں سیلوں (Cells) کو موت وحیات دے رہا ہے۔ وہ ذات تو اس سے بہت ہی زیادہ قریب تر ہے۔

چنانچہ جب اس لطیفہ پر ذکر نصیب ہوتا ہے تو وجود کا ہر سیل ذاکر ہو جاتا ہے اور ایسا شخص ایک بار اللہ کہتا ہے تو وجود کا ہر سیل ساتھ اللہ کہتا ہے۔ یوں ہر سیل کے ساتھ نور کی ایک تار جڑ جاتی ہے۔ اندازہ کیجیے! کتنی بھی باریک ہو مگر نور کی اڑھائی کھرب یعنی دوسو پچاس کروڑ تاریں ایک وجودِ انسانی اور عرشِ الٰہی کے درمیان روشن ہو جاتی ہیں۔" (کنوزِ دل، ص:57,56)

تفسیر مظہری کے مطالعہ کے دوران ایک حدیث مبارکہ نظر سے گزری۔ حدیث مبارکہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب "حاملِ قرآن" مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ اس کے گوشت کو نہ کھا تو زمین عرض کرتی ہے۔ اے اللہ میں اس کے گوشت کو کیسے کھا سکتی ہوں اس کے پیٹ میں تو آپ کا کلام ہے۔ (تفسیر مظہری، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ندوۃ المصنفین، دہلی، طبع اول، شعبان المعظم 1381ھ، جنوری 1962ء، ج:1، ص:264)

حدیثِ مبارکہ پڑھ کر میں نے ایک عالمِ دین سے پوچھا کہ حاملِ قرآن کون ہوتا ہے؟ اس نے کہا 'حاملِ قرآن'، حافظ قرآن ہوتا ہے۔ میں اس جواب سے مطمئن نہ ہوا میں نے سوچا اس کا جواب تو حضرتؒ ہی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے جسارت کرتے ہوئے حضرت قاسم فیوضاتؒ کو فون کیا اور اُن سے استفسار کیا کہ حضرت ''حاملِ قرآن'' کون ہوتا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا:

"جب انسانی وجود کا ہر باڈی سیل قرآنی تعلیمات اور تمام احکام کو صدقِ دل سے قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہو جائے تو وہ 'حاملِ قرآن' ہوتا ہے۔ (مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا) کہ حدیث مبارکہ میں جس پیٹ کا ذکر ہے وہ انسانی پیٹ نہیں بلکہ سیلز (Cells) کا پیٹ ہے۔ پھر مسکرا کر فرمایا۔ یہ مسئلہ مولوی کا نہیں ہے"۔

جواب سن کر میں عش عش کر اٹھا۔ بیشک کسی عالم کے بس کی بات نہیں کہ ''حاملِ قرآن'' کی ایسی وضاحت کر سکے۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ کاملین اہل اللہ جہاں جہاں سے گزرے، لاکھوں کروڑوں مردہ سیلوں (Cells) کے گرنے سے زمین کا وہ حصہ منور ہو جاتا ہے۔ بعد میں آنے والے صاحبِ کشف حضرات کو وہ زمین منور نظر آتی ہے تو سمجھ جاتے ہیں کہ یقیناً اس جگہ سے کوئی کامل گزرا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاسم فیوضاتؒ کی قبر پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ انہوں نے زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر بھرپور انداز میں رہنمائی نہ فرمائی ہو۔ یہ مختصری تحریر Body Cells کے حوالے سے حضرتؒ کے ارشادات پر مبنی ہے ساتھیوں کو اس حقیقت کا ادراک ہوگا کہ آپؒ انسانی وجود میں سیلز (Cells) کی تخلیق اور موت کا اکثر ذکر فرماتے۔ اِس دُعا کے ساتھ مضمون ختم کرتا ہوں کہ اللہ کریم کرے ہر ساتھی کا سلطان الاذکار اتنا منور ہو کہ:

نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ. (التحریم:8)

''(بلکہ) اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف چل رہا ہوگا۔''

کی عملی تفسیر بن جائے۔ آمین

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کی شخصیت کے چند پہلو

حافظ غلام قادری۔ راولپنڈی

الحمد للہ! مجھے قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے ساتھ فروری 1963ء سے لے کر دسمبر 2017ء تک رفاقت نصیب ہوئی۔

حضرت امیر المکرم قاسمِ فیوضاتؒ نے دارِ دنیا میں 83 سال کی بھرپور زندگی گزاری۔ کھیتی باڑی، محنت ومزدوری، تجارت وزراعت، دوستی ودشمنی اور قبائلی زندگی میں غرضیکہ ہر طرح کے نشیب وفراز سے گزرے۔ جہاں اور جس سے بھی واسطہ رہا سب ہی اُن کی خوبیوں کے معترف ہیں، اُن کی گردِ سفر لوگوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

بامقصد زندگی گزارنے کے لیے مذہبی طبقے کی طرف جھانکا تو اُنہیں طالبِ دنیا ہی پایا۔ بامقصد زندگی کو پانے کے لیے حق کی طلبِ صادق نصیب تھی، ربِ کریم نے خود راہنمائی فرمائی۔ اُس دور کے عظیم صوفی، وقت کے صدیق، حاملِ قربِ عبدیت حضرت العلام مولانا اللہ یارخانؒ سے تعلق نصیب ہوا۔ 25 سال کی عمر سے لذتِ آشنائی اور باطنی کمالات کے حصول کا سفر شروع ہوا۔ خوبیوں میں نکھار آیا اور یوں ایک سالک سے امام الصدیقین تک کا سفر شروع ہوا۔ 18 فروری 1984ء میں حضرت العلام مولانا اللہ یارخانؒ کا وصال ہوا۔ اپنے محبوب شیخ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ساتھیوں کی معیت میں انہیں الوداع کیا۔

بحیثیت سالک آپؒ کی خصوصیات:

محنت ومجاہدہ

حق کی تلاش، خلوص، محنت ومجاہدہ، ایثاروقربانی، اپنے شیخ سے عقیدت ومحبت جیسی صفات ربِ کریم نے آپؒ کو عطا فرما رکھی تھیں جن کی وجہ سے آپؒ ایک مثالی سالک ثابت ہوئے۔ چار چار گھنٹے لگاتار ذکرو فکر کرتے۔ ہر ماہ ایک دو مرتبہ شیخ کی خدمت میں حضوری کی کوشش رہتی۔ اگر قلزمِ فیوضاتؒ کہیں دورے پر ساتھیوں کے پاس جاتے تو آپؒ ساتھ ہوتے۔ کراچی تک کے سفر میں شریکِ سفر رہے۔

درسِ قرآنِ کریم

قلزم فیوضاتؒ کی محفل ہر وقت ساتھیوں کے ساتھ جاری رہتی تھی۔ جمعہ کا خطبہ خود دیتے۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی تشریف فرما ہوتے تو نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن کریم قاسمِ فیوضاتؒ ہی دیا کرتے۔ ایک دفعہ قاسم فیوضاتؒ دارالعرفان منارہ میں درسِ قرآن دے رہے تھے اور قلزمِ فیوضاتؒ مسجد سے ملحقہ دفتر میں تشریف فرما تھے درس کے دوران فرمایا: ''قرآن کریم کی تفسیر اکرم پر بس ہے۔''

دورے پر حضرت قلزمِ فیوضاتؒ کے ساتھ حضرت امیر المکرمؒ اور حافظ عبدالرزاقؒ ساتھ تھے۔ وہاں فرقِ باطلہ کے لوگ زیادہ تھے۔ امیر المکرمؒ نے درس کی ابتدا میں فرمایا، "جن کو قرآن کا پہلا لفظ ہی کافر کہتا ہے اُن سے کیا بات کرنی ہے۔ حافظ صاحبؒ نے فرمایا، قرآن کا پہلا لفظ کس کو کافر کہتا ہے؟ سوچتا رہا یہ انہوں نے کیا فرمایا۔ چند لمحوں کے بعد امیر المکرمؒ نے وضاحت فرمائی۔ قرآن مجید کہتا ہے لَا ریب فیه (البقرة:2) وہی قرآن ہی ان کے نزدیک شک والا ہے۔"

مرکزِ ذکر

حضرت امیر المکرمؒ کے شریک سفر ہونے سے سلسلہ عالیہ اور جماعت کے لیے ایک مرکزِ ذکر نصیب ہو گیا۔ اس سے قبل ایک دو کو اجازت ملتی تھی وہ بھی ایک دو رات کے لیے، وہ چلے جاتے تو پھر کسی اور

کو اجازت ملتی۔ قلزمِ فیوضاتؒ کے علاوہ کام کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ خود اندر سے کھانا، چار پائی بستر تک اُٹھا کر لاتے۔ حضرت امیر المکرمؒ نے اپنے آپ کو، اپنے مال، اپنے وسائل، گھر بار سب کو پیش کر کے اجازت لی کہ آپ خود بھی یہیں (یعنی منارہ میں) قیام فرمائیں اور ساتھی بھی جتنے روز چاہیں آپ سے آ کر فیضیاب ہوں۔ اور یوں منارہ اور حضرت قاسمِ فیوضاتؒ کی ذات 1963ء سے ہی مرکزی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ یہ عظیم سعادت شروع سے ہی آپؒ کے حصے میں آئی۔

سالکین کی خدمت

(1) حضرت قاسمِ فیوضاتؒ ڈلوال سکول ٹیچر تھے۔ آپ ڈلوال یا کہیں اور بھی ہوتے تو قلزم فیوضاتؒ وہیں چند روز قیام فرماتے، ساتھی بھی آ جاتے اور یوں ایک اجتماع ہو جاتا۔

(2) 1962ء میں ڈھوک ٹلیالہ پر گرمیوں کی چھٹیوں میں ہفتہ بھر کا اجتماع ہوا۔ (جہاں اب مسجدِ امیر محمد اکرم اعوانؒ 2019ء میں اُسی کی یاد میں تعمیر کی گئی ہے۔)

(3) 1964ء میں آپؒ نے ملک خدا بخش کے گھر ساتھیوں کا بندوبست کروایا۔ قیام مسجد میں اور کھانا گھر سے۔ تعداد زیادہ ہونے لگی تو منارہ سکول میں قیام ہوا اور کھانا آپؒ اپنے سر پر اُٹھا کر گاڑی میں لاتے۔

(4) 1974ء کی بارشیں اور سیلاب: منارہ سکول میں اجتماع کے دوران بارشوں سے چھت ٹپکنے لگی، پتھروں کی دیواریں گرنے لگیں۔ سکول اور مسجد تک میں رہائش مشکل ہو گئی۔ حضرت قلزمِ فیوضاتؒ نے فرمایا اجتماع ختم کر دیں ساتھیوں کا آنا اور پہنچنا تو مشکل ہے لیکن موجود احباب گھروں کو بھی شاید مشکل سے پہنچتے۔ ایسی صورت میں حضرت قاسم فیوضاتؒ نے مختلف اقدامات فرمائے:

(i) کسی دوست سے اُس کی کوٹھی مانگی اور سب کو وہاں شفٹ کیا۔

(ii) تنور جلانے والی مائی ''ستو'' نے ہاتھ کھڑے کر دیئے بارش میں تیس چالیس لوگوں کا کھانا کیسے پکے؟ قاسم فیوضاتؒ تنور پر ترپال ڈال کر خود تنور میں روٹیاں لگانے لگے کہ جیسے بھی ہو جماعت کے ساتھی بھوکے رہیں نہ پریشان اور رستے کھلنے تک یہیں قیام کریں۔

اس عقیدت، محبت کا اللہ خود ہی قدر دان ہوا اور یہی خدا انعامات کا سبب بھی بنیں۔

شیطان کو وارننگ

1964ء میں ساتھی لنگر مخدوم کے اجتماع کے لیے ایک بس گئے۔ مغرب کے ذکر کے بعد قاسمِ فیوضاتؒ نے بیان میں فرمایا: '' ہم نے ذکر شروع کیا ہے، ہنڑ شیطان بھی لمبیاں کر کے نہ سُتا۔''

''شیطان اب ٹانگیں لمبی کر کے نہیں سو سکے گا کہ آرام کرے۔''

دارالعرفان مرکز کی تعمیر

منارہ سکول میں دوران اجتماع ساتھیوں کی تعداد سینکڑوں سے بڑھنے لگی۔ سرکاری عمارت میں کبھی مشکلات بھی ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا 1978ء سے حضرت امیر المکرمؒ نے اپنی 8 کنال زمین مرکز بنانے کے لیے دی۔ اجتماعات کے دوران 1978ء اور 1979ء میں اس جگہ اپنی مدد آپ کے تحت تعمیر شروع ہوئی اور 1980ء کا سالانہ اجتماع موجودہ مرکز میں ہوا۔ یہ ساری سعادتیں آپؒ کو ہی نصیب ہوتی گئیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس مرکز کی تعمیر کے لیے چندہ ہوا، نہ عوام سے کسی نے پیسہ لیا۔ اب تک رسید بک ہے نہ کوئی چندے کی ایسی صورت، اکٹھے ہوتے تو ساتھی کچھ پیسے دے دیتے۔ مٹیریل منگوا لیا جاتا اور اجتماعی ذکر کا پروگرام رکھ لیا جاتا۔ قلزم فیوضاتؒ بھی تشریف لاتے، ساتھی خود ہی مزدور بن جاتے اور کوئی مستری ورنہ مستری بلوا لیا جاتا۔ اور یوں مسجد کی چھت کا لینٹر ڈالا گیا۔ حضرت قاسم فیوضاتؒ ٹریکٹر کی مدد سے لفٹ کر رہے تھے۔ میجر احمد خان مرحوم سیمنٹ بجری مکسچر کے انچارج تھے، اس طرح سب لوگ مسجد بناتے اور اپنی آخرت سنوارتے رہے۔ یہ ایثار اور جذبہ دیکھ کر اُس وقت شیخ المکرمؒ اپنی محنت کے رنگ کے نظارے کر

رہے تھے۔

دُور سے دو تین ڈرائیور باہر سے دوڑے آئے کہ مسجد کو آگ لگ گئی ہے۔ عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ قلزمِ فیوضاتؒ نے فرمایا کہ کہیں اُنہیں نورانی فرشتے دکھائی دیئے ہیں۔ عہدے اور مرتبے کی تمیز کے بغیر رات گیارہ بجے چھت کا لینٹر مکمل ہوا۔ قاضی ثناء اللہؒ نے فرمایا یہ مسجد کم ہو جائے گی۔ لہٰذا اب دوسری مسجد اس سے آگے تعمیر ہو چکی ہے۔ یہ مرکز آج دنیا بھر کی روحانیت کا مرکز بن چکا ہے۔ اِسی مرکز سے لوگوں کو ذکرِ الٰہی کی برکات پہنچائی جا رہی ہیں۔

فیض کی تقسیم

موہڑہ کورچشم چکوال میں ذکر کا ایک مرکز رہا ہے کیونکہ قلزمِ فیوضاتؒ یہاں پڑھتے رہے۔ ان کے استاد مولانا اسماعیلؒ حیات تھے۔ 1962ء میں بابا سرور نامی ایک متقی شخص ذکر کے سفر میں شریک ہوئے۔ اور پہلے ہی دن ذکر کے بعد حضرت استاذی المکرمؒ سے عرض کرنے لگے کہ آپؒ کے قلب سے نکلنے والے انوارات اس لمبے سے شخص (قاسمِ فیوضاتؒ کی طرف اشارہ کر کے) کے سینے میں جاتے اور پھر باقی ساتھیوں کو نصیب ہوتے ہیں۔

گویا رب کریم کی تقسیم کا طریقہ 1984ء سے نہیں 1962ء سے قبل ہی شروع ہو چکا تھا۔ فیوضات کی تقسیم کے لیے ابتدا سے ہی آپؒ کو قبول کر لیا گیا تھا۔

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ بحیثیت شیخِ سلسلہ:

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ نے تینتیس (33) سال سلسلۂ عالیہ کے شیخ کی حیثیت سے ذمہ داری ادا کی جو بھی آپؒ کے ساتھ چلا اُس کو اُنہوں نے سنبھالے رکھا اور ایسے سنبھالا جیسے ایک امانت سنبھالی جاتی ہے۔ ہر ساتھی کو اپنے ساتھ رکھا، اور اُن کی غلطیوں کے باوجود درگزر فرمایا۔ یہ مشائخ کی اپنے مریدین کے ساتھ محبت ہے کہ اُنہوں نے ہمیں اپنے ساتھ جوڑے رکھا۔ آپؒ مزاج کے لحاظ سے فاروقی مزاج کے حامل تھے۔ آپؒ نے عملی میدان میں ہمیشہ دین کو ترجیح دی۔

علمِ لدنی:

1971ء میں دورانِ طواف اپنے محبوب شیخؒ کی دعا سے علمِ لدنی نصیب ہوا اور آپ کے قلب میں وجدان کی صورت میں فہمِ قرآن کی کیفیت عطا ہوئی۔ آپؒ کا اپنا فرمان ہے:

''جب اللہ علم عطا فرماتا ہے تو دیتا ہی چلا جاتا ہے۔''

جس کا اثر یہ ہوا کہ ہر قسم کی فرقہ پرستی سے پاک 'اسرار التنزیل'، 'رب دیاں گلاں' اور 'اکرم التفاسیر' جیسی تفاسیر سامنے آئیں اور سب کی راہنمائی کا ذریعہ بنیں۔

مسلکی اختلافات سے ہٹ کر تفسیر سے متعلق آپؒ نے فرمایا:

''جو علم دربارِ نبوی ﷺ سے مجھے ملتا ہے، کا کے، بھی جیسی کوئی تبدیلی تک میں نہیں کرتا۔''

ایک سوال کہ ''شیخ آپ کون کون سی تفاسیر کا مطالعہ کر کے بیان فرماتے ہیں؟'' آپؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، ''آپ کے ساتھ دفتر میں بیٹھے ہیں یہاں سے اُٹھ کر بیان کر دیں گے۔'' سائل خود عالم تھا۔ اس نے کہا، تفسیرِ کبیر، تفسیرِ مظہری اور ایک تیسری تفسیر کا نام لے کر کہنے لگا آپؒ کا سارا بیان ان تینوں تفاسیر کا خلاصہ ہوتا ہے۔

الحمد للہ! آپؒ کی تینوں تفاسیر عقائد میں بھٹکے ہوئے حق کے متلاشیوں کے لیے راہنما کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اکرم التراجم:

'اکرم التراجم کی خوبی آسان فہم اور کیفیات سے پُر ہونا ہے۔ قاری اس کے پڑھنے میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ گویا رب کریم کی حضوری نصیب ہو گئی ہو۔ آپؒ ہر روز نصف پارہ ترجمہ کیا کرتے تھے اور یوں تقریباً 5 ماہ میں یہ ترجمہ' قرآن مکمل ہوا۔

تنظیم الاخوان:

حضرت قاسمِ فیوضاتؒ کی زندگی جہدِ مسلسل تھی۔ 1993ء میں حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ نے تنظیم الاخوان کی بنیاد رکھی۔ یہ تنظیم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان مٹ نقوش کفِ پا پر، اُنہی

جذبات کے ساتھ، اللہ کے نظام کو اس کی زمین پر قائم کرنے کے لیے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ تنظیم کے کارکنان کے قلوب ذکرِ الٰہی سے معمور ہیں، وہ عشقِ رسول ﷺ میں دیوانے ہیں اور اپنی ذات سے لے کر پورے ملک اور پھر پوری دنیا پر اسلام کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں۔

غزوۃ الہند:

1992ء سے لے کر آخر تک ہر بیان میں آپؒ نے غزوۃ الہند میں شرکت اور شہادت کا جذبہ ساتھیوں میں بھر دیا۔ ہر ساتھی کی تمنا غزوۃ الہند کا نصیب ہونا ہی تھا۔ انشاء اللہ جب بھی ہوگا ساتھی اس میں شریک ہوں گے۔

ثواب کی حقیقت:

آج امت کے ہر عمل کی انتہا اور مطمع نظر ثواب ہے۔ ثواب کیا ہے؟ اور اس کے اثرات کے متعلق حضرت جیؒ کیا فرماتے ہیں انہی کے الفاظ میں:

''ثواب کے متعلق ایک عمومی خیال پایا جاتا ہے کہ دنیا میں جو اچھے کام ہم کرتے ہیں، آخرت میں اُن پر ایک اجر مرتب ہوگا اور وہ ثواب ہوگا۔ اپنی جگہ یہ بات درست ہے۔ مگر ہر نیکی اور ہر عمل پر ثواب بھی ہوتا ہے جو فوری ملتا ہے۔

قرآن حکیم نے اس کی وضاحت کی ہے۔ ثواب کا مطلب ہے اَجر یا اُجرت یہ صرف عبادت کے لیے نہیں۔ کسی کام پر جو اجرت ملتی ہے اُسے قرآنِ مجید نے ثواب کہا ہے۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ یہ رُک جانا ثواب ہے۔ اگر آدمی سجدے بھی کرتا ہے اور بے حیائی بھی کرتا ہے پھر اُسے دیکھنا ہوگا کہ اُس کی عبادت میں کوئی کمی ہے۔ کوئی خلل ہے۔ عقیدے کا فتور تو نہیں۔

عبادت میں دو باتیں شرط ہیں۔ پہلی عقیدہ اور دوسری وہ اللہ کا حکم ہو اور سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہو۔ رب جلیل کے حکم کی تعمیل اسی طرح کی جائے جیسے حضور ﷺ نے فرمایا۔ دونوں میں جس جگہ غلطی ہو تو ثواب نہیں ملے گا۔ شریعت میں وہ حکم ثابت ہی نہیں۔ حضور ﷺ نے اور طریقہ بتایا اور ہم اور طریقے سے کرتے ہیں تو ثواب نہیں ملے گا۔''

صحابی جن کی زیارت:

قاسم فیوضات حضرت جیؒ کو ایک صحابی جن کی زیارت کا شرف بھی نصیب ہوا۔

ایک صحابی جن جو ابھی زندہ تھے، سے رابطہ ہوا۔ ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی گئی تو انہوں نے تشریف لانے کا وعدہ کیا، اور پھر وقتِ مقررہ پر جنات اُن کی نشست اٹھائے دار العرفان کے دفتر میں تشریف لائے۔ یوں قاسم فیوضات حضرت جیؒ، موجودہ شیخ المکرم مدظلہ العالی اور گھریلو افراد اُن کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ اب وہ صحابی جن وفات پا چکے ہیں۔

منازل ومناصب:

بلند و بالا منازلِ سلوک جو آپؒ کو بارگاہِ ایزدی سے نصیب ہوئیں، ان مقامات کا تذکرہ خود آپؒ کے شیخ قلزمِ فیوضاتؒ کرتے رہے۔ رہ نوردِ شوق میں اُن کے خطوط موجود ہیں۔ بحرِ حیات میں آپؒ کے آخری بیان میں مکمل تفصیل سے ذکر ہو چکے ہیں۔ ان منازل و مناصب کی اس فحاشی اور دین سے دوری کے اوقات میں ضرورت تھی جو اللہ کریم نے عطا فرمائے کیونکہ اس سے قبل جب گمراہی اور بے دینی اپنی حدود سے تجاوز کرتی تو اولوالعزم انبیاءؑ تشریف لا کر اصلاح کا سبب بنتے رہے۔ تکمیلِ نبوت ﷺ کے بعد یہ کام اہل اللہ سے لیا گیا۔

وقت کی قدر و قیمت:

سیدی و مرشدی حضرت امیر المکرمؒ نے زندگی کی قدر و قیمت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ کوئی سانس یا لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا۔ ذاتی اعمال، گھر، خاندان، قبیلہ، رشتہ داریاں، سلسلہ عالیہ کی ذمہ داریاں دنیا بھر سے ساتھیوں کی emails جوابات، خطوط، ٹیلی فون، زراعت، کھیتی باڑی، مال مویشی، تجارت، صبح 9 سے 2 بجے تک باقاعدگی سے دفتر میں حاضر ہونے والوں کی تشفی کرنا، روزانہ ایک منزل تلاوت، تفسیر کی

ریکارڈنگ، اجتماعات میں بیان، سب لوگوں سے ملاقات، سب کی اصلاح، مشورے اور ان سب امور کو حیران کن طریقے سے سرانجام دینا۔ بس یہ بھی کرامت ہی تھی۔ زندگی کے شب و روز سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ روزانہ آن لائن گھنٹہ بھر ذکر اور توجہ میں بسر فرماتے ہوئے دنیا بھر کے سالکین کو فیضیاب فرماتے۔ اور یوں 7 دسمبر 2017ء کو اپنے حصے کا کام مکمل کر کے دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔

بارگاہ نبوی ﷺ میں حضوری:

بارگاہ نبوی ﷺ کا مکمل نقشہ وہاں کے حالات و کیفیات رموزِ دل اور کنوزِ دل میں آپؒ نے خود تحریر فرمائے ہیں۔

اللہ کریم ہم سب کو ان عقائد و اعمال پر پورے خلوص سے عمل کی توفیق دے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سعادت ہے حضور سرورِ کونین ﷺ جیسے استاد نصیب ہوئے اور ہماری سعادت کہ حضور ﷺ کی امت میں ہونا اور تربیت و اصلاح کے لیے ایسے عظیم مشائخ کا نصیب ہونا کہ جن کو زمانہ یاد کرے گا کہ کیسے لوگ تھے جنہیں ان ہستیوں کی صحبت نصیب ہوئی۔

وصیت:

آپؒ کا ساتھیوں کے لیے آخری بیان تھا: ''میرے بچو! جہاں کہیں بھی ہو ڈٹ جاؤ! دین کی سربلندی اور اس کے نفاذ کے لیے ہمت کرو۔''

امتِ مرحومہ پر ایک بڑا احسان ہے کہ اپنے بعد ایک مکمل و اکمل شیخ کی تربیت کر کے ہر لحاظ، ہر فن اور ہر علم میں trained کر کے امانت ان کے سپرد کی کہ حق بحقدار رسید۔

اللہ کرے ہم اپنے مشائخ کی توقعات پر پورا اتریں اور وطنِ عزیز پر رب کی دھرتی رب کا نظام کے نعرے کی تکمیل کر کے جائیں اور غزوۃ الہند میں کامیاب و کامران ہوں تاکہ مشائخ کی توقعات کی تکمیل ہو۔ اللہ کریم ہمیں ہمارے مشائخ کے ساتھ جوڑے رکھے اور حشر میں بھی اُن کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین۔

بقیہ صفحہ 99 سے آگے

آپؒ نے سالکین کی تربیت اس طرح فرمائی کہ ہر سالک ایک وقت میں اپنے آپ کو صوفی بھی سمجھتا ہے اور مبلغ بھی، وہ مجاہد بھی ہے اور علوم جدیدہ سے آشنا بھی۔ اس میں جذبہ خدمت خلق بھی ہے اور نظام کے اصلاح کی اہلیت بھی۔ آپ نے ہزاروں مرد و خواتین جو راہِ سلوک کے متلاشی تھے، کو روحانی ترقی دلائی اور فنافی اللہ اور فنافی الرسول ﷺ کی کیفیات سے روشناس کرایا۔

یہ چند سطور آپ کی حیات طیبہ کا احاطہ کیسے کر سکتی ہیں۔ ان شاء اللہ آپ کی حیات کے ایک ایک پہلو پر لوگ ڈگریاں حاصل کریں گے۔

اپنے شیخ حضرت قلزم فیوضات مولانا اللہ یار خانؒ سے آپ کی عقیدت اور محبت اس حد تک تھی کہ اکثر نام مبارک جب آتا تو آنکھیں نم ہو جاتیں۔ کبھی بھی اپنے شیخؒ کے مزار پر بغیر وضو حاضر نہ ہوتے۔ دنیا فانی ہے ہر ایک نے چلے جانا ہے سات دسمبر کی رات...... ایک تاریک رات...... رات آٹھ بجے امجد بھائی کی کال آئی کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

میں بالکل نہ سمجھ سکا۔ میں نے پوچھا بھائی خیریت تو ہے۔ آپ نے پھر یہی الفاظ دہرائے اور ساتھ کہا کہ حضرت جی......

اللہ اللہ...... میرے مالک آپ ہی صبر دینے والے ہیں اور ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ سب ساتھیوں کو آپ نے خبر دینی ہے۔ مرکز سے آج تک جو ذمہ داری ملی، سب سے مشکل یہ حکم تھا۔

آٹھ دسمبر کی شام دارالعرفان کے احاطہ میں آپ کا مزار مبارک بنا جگہ کا انتخاب جیسے بھی ہوا، بہت خوب ہوا۔ آج بھی جب حاضری نصیب ہوتی ہے تو ہم حضرت جیؒ کے قرب کو محسوس کرتے ہیں۔ آپؒ کا یہ عظیم احسان کہ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی شیخ المکرم حضرت امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی کا انتخاب فرمایا جن کا سایہ شفقت ہی ہمارا کل سرمایہ ہے۔ ہاں کل سرمایہ...... الحمدللہ!

چند یادیں

(حکیم عبدالماجد اعوان۔ سرگودھا)

نفاذ اسلام کی تحریک زوروں پر تھی الیکٹرونک میڈیا اس وقت اتنا متحرک نہیں تھا اخبارات سے ہی خبر پڑھنے کو ملتی تو کئی دفعہ قاسم فیوضات رحمۃ اللہ علیہ کا بھی بیان نظر سے گزرتا۔ گاؤں کے کچھ دوست حضرت جیؒ سے بیعت تھے جب ان کو ذکر کرتا دیکھتے تو ہم مذاق کرتے۔ جب بحث ہوتی تو اس کے دلائل مانگتے۔

ایک ذاتی کام سے بھون (چکوال) جانا ہوا۔ حکیم محمد الیاسؒ ساتھ تھے واپسی پر فرمانے لگے کہ یار یہاں نزدیک ہی کہیں مولانا امیر محمد اکرم اعوان صاحبؒ رہتے ہیں ان سے ملاقات نہ کریں۔ میں نے عرض کی ٹھیک ہے چلتے ہیں کلر کہار سے ہائی ایکس وین جاتی تھی۔ کنڈیکٹر نے نیچے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے چھت پر چڑھنے کو کہا، تھوڑا تعجب ہوا پھر اللہ کا نام لے کر سفر شروع کر دیا۔ عصر کے وقت مرکز دارالعرفان پہنچے تو محترم قاری عبدالخالق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ سے حضرت جیؒ سے ملاقات کی بات کی تو آپ نے کہا حضرتؒ کافی دنوں کا سفر کر کے آج ہی مرکز تشریف لائے ہیں آپ رات قیام کریں، صبح ملاقات ہو جائے گی۔

مقررہ وقت پر مسجد سے ملحقہ دفتر کے پاس بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی شخصیت تو ایسی تھی کہ جو بھی پہلی دفعہ دیکھتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ نور و بشر پر بات ہوئی۔ جماعت اسلامی سے اپنے تعلق کا بتایا اور ساتھ عرض کی کہ حضرتؒ ہم آپ کی بیعت بھی کرنا چاہتے ہیں آپ نے جماعت کی تعریف کی اور فرمایا بیٹا وہ بھی ایک اچھی جماعت ہے دین کا کام کر رہی ہے، آپ بیعت نہ بھی ہوں تو ذکر سے آپ کو فائدہ ہوگا۔

یہ آپ کا بڑا پن اور خالص رضائے الٰہی کے لیے کام کرنے کی بڑی مثال تھی۔ ہم نے بیعت پر اصرار کیا تو ملک احمد نوازؒ نے ایک چادر دی جسے ہم نے تھاما اس طرح ہم نسبت اویسیہ سے وابستہ ہوگئے۔

کافی دیر بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی جب ملاقات کے بعد باہر نکلے تو لائبریری انچارج صوبیدار صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا بیعت ہو گئے ہو؟ تو عرض کی جی ہو گئے ہیں۔ فرمانے لگے: ''چنگا کیتا اے شیطان دے نرغے توں بچ گئے او۔''

بہر حال اس وقت ان کے یہ الفاظ عجیب لگے۔ وقت گزرتا گیا۔ پرویز مشرف نے چارج سنبھالا، نظام بدلنے کی بات کی تو حضرت جیؒ نے یوم دعا کے نام پر ایک جلسہ دارالعرفان میں منعقد فرمایا اور حاکم وقت کو یہ یاد کرانے کی کوشش کی کہ اسلامی نظام حکومت کو ہی آزمالو اور آپ نے اپنی بے لوث خدمات پیش کیں اور فرمایا کہ اس کے لیے ہمیں اپنا خون بھی پیش کرنا پڑا تو کریں گے اور انشاء اللہ یہ خون جب گرا تو لکھے گا ''محمد رسول اللہ ﷺ۔''

آپؒ نے نفاذ اسلام کی تحریک میں خیمہ بستی سجائی جس میں شامل ہر شخص اس کی کیفیت سے بخوبی آگاہ ہوگا۔ آپ نے اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی توجہ ایک اور اہم نقطے کی طرف دلائی کہ بندۂ مومن کا تعلق ولادت باسعادت کے ساتھ ساتھ بعثت رحمت عالم ﷺ سے ہے۔ آپ نے 2004ء میں اس سلسلہ میں مرکز دارالعرفان منارہ میں جلسہ بعثت رحمت عالم ﷺ کے انعقاد

کا اعلان کیا تو ملک کے طول وعرض سے مرد وخواتین ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے۔ جلسہ کی کارروائی شروع تھی کہ تیز ہوا چلنے لگی، سیاہ رنگ کے بادل چھانے لگے ایسا لگا کہ بارش برسنے لگی ہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قاسم فیوضاتؒ اپنی نشست سے اُٹھتے ہیں، سٹیج کی دائیں طرف چند قدم آگے آکر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تھوڑی دیر ٹھہرتے ہیں پھر واپس نشست پر تشریف لے جاتے ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد آپ کا خطاب شروع ہوتا ہے بعثتِ عالی کا مقصد سمجھاتے ہیں، عشق رسالت ﷺ سے قلوب کو منور کرتے ہیں اور آج کل اُمت مسلمہ کا جو حال ہے اس پر دُکھ کا اظہار فرماتے ہیں اور چند منٹوں کے خطاب کے بعد آپ کی تقریر جیسے ہی ختم ہوتی ہے، بارش برسنا شروع ہوجاتی ہے اور ہر طرف ایک جل تھل کر دیتی ہے۔

اس سے اگلے برس پھر جلسے کا انعقاد ہوتا ہے یہی جگہ ہوتی ہے اور اسی طرح ان گنت عاشقانِ رسول ﷺ اکٹھے ہوتے ہیں۔ موسم پھر خراب ہوتا ہے تیز ہوا چلتی ہے سیاہ بادل چھانے لگتے ہیں لیکن آپ اطمینان سے تشریف فرما ہیں بارش کا آغاز ہوتا ہے، سٹیج پر بھی سکون ہے اور ہزاروں سامعین بھی اطمینان سے کارروائی سن رہے ہیں۔ اسی موسم کی شدت میں امیر قافلہ مائیک سنبھالتے ہیں اور ایسے الفاظ دہراتے ہیں کہ آج سالوں بعد بھی جب یاد آتے ہیں تو وہی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

''چند قطرے برسے ہیں آپ کو برستی آگ میں ثابت رہنا ہے۔ گولیوں کی بوچھاڑ میں ثابت قدم رہنا ہے۔ یہ برستے طوفانوں میں ثابت قدمی ہی ایمان کی دلیل ہے۔''

آسمان بھی یقیناً ایسے منظر پر رشک کرتا ہوگا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو نرم قالینوں پر نہیں، ان کے نیچے کوئی صوفے اور کرسیاں نہیں بلکہ ہر طرف بہتا پانی ہی ان کا فرش ہے۔

آپؒ کے زندگی کے بیشمار پہلو ہیں جس ایک کی طرف بھی نگاہ اُٹھے آپ کو روشن سے روشن تر ملے گا۔ ایک ذاتی مسئلہ لے کر حاضر خدمت ہوا۔ بیٹے کو پیشاب کرنے میں دقت تھی، لاہور کے ایک ماہر ڈاکٹر کو چیک کروایا اس نے کہا کہ بچے کے تین آپریشن کرنا ہوں گے۔ سن کر کافی پریشان ہوئی۔ اسی عالم میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مسئلہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا، ''خیر ہوسی۔'' آپ کے ایسا کہنے سے تسلی ہوئی، واپس آکر ڈاکٹر سے ٹائم لیا۔ وقت پر پہنچے، بیٹا آپریشن تھیٹر میں ہے اور کچھ ہی دیر بعد آپریشن شروع ہوا چاہتا ہے، باہر کھڑے والدین کی کیفیت کیا ہوسکتی ہے، یہ بس وہی جان سکتے ہیں۔ آپریشن کے ایک گھنٹہ بعد جب ڈاکٹر صاحب باہر نکلتے ہیں عجیب لمحات تھے اور کہتے ہیں کہ مبارک ہو، اب کسی اور آپریشن کی ضرورت نہیں۔ اللہ کریم نے ایک ہی آپریشن سے مسئلہ کو حل فرما دیا تو تشکر سے آنکھیں بھیگ گئیں اور اپنے شیخؒ کے وہ الفاظ ذہن میں گونجنے لگے کہ ''بیٹا خیر ہوسی۔''

بھلوال کے ایک بہت بڑے عالم دین تھے۔ ایک ساتھی سے متاثر ہوکر حضرت جیؒ کی صحبت میں آئے۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ: ''میرے ذہن میں کچھ سوالات تھے میں ان کی تشفی کے لیے حاضر ہوا تو آپ اس وقت 'اکرم التراجم' تحریر فرما رہے تھے۔ میں سلام کہہ کر ایک طرف بیٹھ گیا جب تقریباً بیس منٹ گزرے تو میں آہستہ سے باہر نکل گیا لیکن یہ عجیب بات تھی کہ مجھے اپنے سارے سوالات کے جوابات من جانب اللہ مل چکے تھے۔''

یہی مولانا صاحب ہر سال عمرے پر تشریف لے جاتے تو اس سال بھی آپ نے ارادہ کیا کہ عمرہ پر جاؤں گا۔ دعا کے لیے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جیؒ نے اپنے ذاتی استعمال کا پیالہ آپ کو تحفہ میں دیا کہ اسے اپنے ساتھ لے جانا، وہ عمرے کو چلے گئے میں نے اس ساتھی سے جو اِن کے سکول میں اُستاد تھے عرض کی کہ جب مولانا صاحب واپس آئے تو پوچھنا کہ آپ کی پہلی حرم والی حاضری اور اس والی حاضری میں کیا فرق ہے؟ جب واپس آئے تو فرمانے لگے کہ اللہ کریم نے جو اس دفعہ نصیب فرمایا وہ میں

بیان نہیں کرسکتا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور لب پہ تشکر تھا۔

قاسم فیوضاتؒ کے دنیوی معاملات بھی مثالی تھے۔ عبدالرقیب بھائی کا ولیمہ تھا ہمارے علاقے سے ایک ٹینٹ والے سے معاملات طے ہوئے۔ وہ مجھ سے ڈرتے ہوئے بولا حکیم صاحب ایک پیر صاحب کا پہلے میں نے انتظام کیا شادی کے ایک سال بعد تک میں جاتا رہا پھر بھی رقم نہ ملی، ازارہِ کرم معذرت کے ساتھ، اس معاملہ میں ذمہ داری آپ کی ہوگی۔ میں نے عرض کی ہمارے شیخ الحمدللہ خود کماتے ہیں اور اللہ کریم کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ ولیمے کا دن تھا مہمان کچھ کھانا کھا کر رخصت ہوئے اور کچھ ابھی کھا رہے تھے تو آپؒ نے جس کے ذمہ جو ذمہ داری لگی تھی سب کو بلایا اور اسی وقت ساری رقم ادا کی۔

ایک ساتھی کے ساتھ مرکز حاضری ہوئی اس نے اپنا مسئلہ حضرت جیؒ سے عرض کرنے کے لیے خدمت پر مامور سلطان صاحب سے کہا اور اسی بہانے مجھے بھی موقع مل گیا۔ ایک کیس تھا جو عرصہ سات سال سے چل رہا تھا، اس نے کافی پریشان کیا کئی دفعہ ذہن میں آیا کہ حضرت جیؒ سے عرض کروں لیکن دنیوی معاملات عرض کرنے سے شرم محسوس ہوئی۔

بہرحال حاضر خدمت ہوئے خوش قسمتی سے حضرت جیؒ بھی تشریف فرما تھے تو جب سلطان صاحب نے میرا مسئلہ عرض کیا تو حضرت جیؒ فرمانے لگے:

''عجیب زمانہ اے جیہناں کولوں پیسے لینے ہون اوہ دیندا کوئی نئیں اور جس دے دینے ہون اوہ منگن آجاندا اے۔''

الحمدللہ! اس کے کچھ عرصہ بعد ہی وہ مسئلہ حل ہوگیا۔

حضرت جیؒ کی شخصیت بہت ساری خصوصیات کا مجموعہ تھی جو شعبہ بھی زیر بحث لائیں آپ کو اس کی صحیح رہنمائی ملے گی۔ خطبہ کے لیے منبر پر تشریف رکھتے تو قرآن مجید کو بوسا دے کر کھول دیتے اور جو آیت مبارکہ سامنے آتی اس پر ہی بیان فرما دیتے اور ہر آیت کا اس طرح درس دیتے کہ کوئی تشنگی نہ رہتی۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ربّ کریم کی مہربانی ہے کہ اس ذات نے ہمیں تیس پارے عطا فرمائے جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی ایک آیت مبارکہ ہی دنیا و آخرت کے مسائل حل کر دیتی ہے۔

آپ تفسیر قرآن پر آئیں تو آپ نے تین تفاسیر مکمل کیں جو کہ اُمت محمد یہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اپنی ایک منفرد مثال ہے۔ قرآن مجید کا بامحاورہ ایسا ترجمہ کیا کہ چند جماعتیں پڑھا شخص بھی اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں ربط کی ایسی مثال ہے جو کہ کم ہی تراجم میں ملتی ہے۔ شعبہ سیاست پر بات ہو تو آپ نے پورا ایک نظام مرتب کیا جس میں نظام معیشت کو ایسے ترتیب دیا کہ اگر ہر مسلمان اپنے ذمہ جو زکوٰۃ یا عشر آتا ہے صرف وہ ادا کردے تو ہمیں کسی ٹیکس دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ آپ نے ایسا نظام تعلیم وضع فرمایا جو کہ علوم دینیہ اور علوم جدیدہ کا بہترین امتزاج ہے۔

شعبہ طب کی بات کی جائے تو آپ ایک بہترین نباض اور مزاج آشنا تھے، اکثر پریشان حال لوگ بیماریوں سے تنگ جب آپ سے نقش لینے حاضر ہوتے تو آپ نہ صرف ان کو نقش دیتے بلکہ مرض کی تشخیص اور اسباب بھی بیان فرما دیتے۔ آپ کے کئی قیمتی نسخہ جات مارکیٹ میں دستیاب ہیں جس سے بیشار مریض فائدہ حاصل کر چکے ہیں۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ادیب ہیں، شاعر ہیں۔ شاعری میں محبت الٰہی، عشق مصطفیٰ ﷺ جھلکتا ہے۔ آپ نے حالاتِ حاضرہ اور اُمت مسلمہ کے موجودہ حالات کی نشاندہی فرمائی۔ بہترین شکاری تھے اور فرمایا کہ شکار کا گوشت حلال بھی ہوتا ہے اور طیب بھی۔ آپ بہترین کاشتکار تھے۔ انگور، انجیر، زیتون، کھجور جیسے پھلوں کی جدید کاشتکاری کی۔ ہمیشہ اچھے جانور رکھے۔ ہرن، بارہ سنگھا، گھوڑے، اونٹ، بھینسیں، بہترین بیل اور شتر مرغ آپ کے ڈیرے پر موجود تھے۔ کوئلہ کا کاروبار اس طرح کیا کہ اس شعبہ میں آپ کا ایک بہت بڑا نام تھا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 96 پر)

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

قاری عبدالخالق صاحب، صاحب مجاز سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

حضرت امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ ستودہ صفات پر قلم اُٹھانا میرے جیسے کم علم انسان کے بس کی بات نہیں۔ اگر سامنے مجرد عالم دین ہو تو اس پر لکھنا شاید اتنا مشکل نہ ہو۔ حضرت امیرؒ کے عارف باللہ ہونے کے ناطے جو بھی حضرتؒ کی شخصیت پہ قلم اُٹھائے گا شاید وہ حضرت والا صفات کی ذاتِ گرامی سے انصاف نہ کر پائے گا۔ عام آدمی کے لیے آپ صرف عالم دین ہیں لیکن اپنے دور میں کن کن مقامات تصوف پر فائز رہے اس بات کو کون سمجھے گا۔ ان مناصب علیا پہ عام آدمی کی نگاہ نہیں جا سکتی۔ امورِ تکوینیہ میں حضرتؒ کن فرائض کو انجام دیتے رہے وہاں تک عام لوگوں کی رسائی ممکن نہیں۔

میں ایک قول حضرت قلزم فیوضاتؒ کا نقل کر رہا ہوں جو میں نے ان کی مجلس میں بیٹھ کر سنا۔ فرمایا 1977ء میں حضرت امیرؒ منصب غوثیت پر فائز تھے۔ اعلیٰ حضرتؒ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے حضرت امیرؒ قطب وحدت کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ حضرت امیرؒ اعلیٰ حضرتؒ کی رحلت کے بعد اس سے آگے کئی مناصب پر فائز رہے۔

اعلیٰ حضرت قلزم فیوضاتؒ کا ایک قول جس کے ہم دو گواہ ہیں۔ جناب الطاف احمد مخدوم اور میں۔ اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا میرے بعد میرا جانشین مجھے آگے چلائے گا حالانکہ تاریخ تصوف میں تبع تابعین کے بعد اعلیٰ حضرتؒ کے مناصب اور منازل کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ باتیں ہم عام طور پر نہیں بتاتے کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے مشائخ کی محبت میں غلو کا شکار ہیں۔

ایک دن اعلیٰ حضرت قلزم فیوضاتؒ نے فرمایا: انبیاءؑ کے بعد چند اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کے نام سے بھی جنات ڈرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا محمد اکرم بھی ان اولیاء اللہ میں سے ایک ہیں۔ حضرت امیر محمد اکرمؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں جنات کیلئے زیادہ دم وغیرہ نہیں کرتا صرف ان کو ڈانٹ دیتا ہوں یا شکایت کنندہ کو یہ کہہ دیتا ہوں کہ میرا اسے کہہ دینا کہ ''محمد اکرم نے کہا ہے چلے جاؤ۔'' عام لوگ چونکہ عامل اور کامل کے فرق کو نہیں جانتے، اس لیے امیر المکرمؒ نقش بھی عنایت فرما دیتے تھے۔

اعلیٰ حضرتؒ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ''دارالعرفان'' ظہور امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک رہے گا۔ یہاں سے لوگ نکل کر امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوں گے۔ احقر کو یہ بات سمجھ آئی کہ اعلیٰ حضرتؒ، حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ، موجودہ شیخ مکرم مدظلہ العالی اور ان سے آگے جتنے بھی مشائخ ہوں گے اس ''دارالعرفان'' میں اُنہی برکات کے حامل ہوں گے تب ہی ان کی شمولیت ممکن ہوگی۔ ورنہ تو اعلیٰ حضرتؒ فرما دیتے افواج، ملتان سے راولپنڈی سے بھی نکلیں گی۔

امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت کیلئے صرف وہی لوگ نکلیں گے جو ''دارالعرفان'' سے منسلک ہوں گے اور ان برکات کے حامل ہوں گے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 102 پر)

قاسم فیوضات پیرومرشد حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

(یار محمد خان، ڈیرہ اسماعیل خان)

نہ میرے ساتھ وہ وسیع ذہن و دماغ ہے نہ ہی میرے ساتھ وہ ذخیرہ الفاظ کہ میں اپنے مرشد قاسم فیوضات حضرت جیؒ کے متعلق کچھ لکھنے کی جرأت کرسکوں البتہ قاسم فیوضات حضرت جیؒ سے ملاقاتوں یا ملنے میں جو کچھ دیکھا، ان کو اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں لکھنے کی جسارت کروں گا۔

میری بیعت شاید 1993ء کے آخر یا 1994ء کے شروع میں ہوئی۔ کرنل بشیرؒ اس وقت ہمارے قبائلی علاقہ جات کے دورے کرتے تھے میں بھی ساتھ ہوتا تھا جس کی وجہ سے حضرت جیؒ سے قربت نصیب ہوئی، بہت ہی شفقت کیا کرتے تھے۔

(1) عظمتِ شیخ: حضرت جیؒ سمندروں کے وہ سمندر تھے جس کی اوپر کی سطح پر مکمل خاموشی تھی۔ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ سمندر بہہ رہا ہے لیکن اندر جو روانگی، جو موجیں، جو لہریں، جو کیفیات تھیں مجھ ناچیز کی سمجھ سے بہت بہت بلند تر تھیں۔

(2) عاجزی: حضرت جیؒ کو جب کبھی بہت ہی معمولی چیز پیش کی جاتی تو جس انداز سے وہ لیتے تو دینے والا خوش ہو جاتا۔ حضرت جیؒ کے پاس دنیا کی ہر نعمت تھی لیکن وہ دوسروں کا دل خوب رکھ لیا کرتے تھے۔

(3) محبت وشفقت: حضرت جیؒ کی ہر ادا میں حقیقت، سچائی، محبت اور شفقت ہر مرید کے لیے تھی۔ ایسی کہ شاید کسی ماں باپ میں اپنی سگی اولاد کے لیے بھی نہ ہو۔ جب کبھی ملاقات کے لیے آتا تو اجازت لینے کے وقت فرماتے، کھانا کھا کے جائیں راستے میں کدھر کھاؤ گے۔ تو میرے پاس آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ جب کبھی میں چھوٹی سی چیز پیش کرتا تھا تو فرماتے یار محمد خان ایسا کیوں کرتے ہو، تو میں عرض کرتا حضرت جی اس لیے کہ مجھے تسلی ہوتی ہے کہ میری حضرت جیؒ سے ملاقات ہوئی تو حضرت جیؒ اپنے پیارے انداز میں اتنے پیار اور محبت سے ہنستے کہ آج تک میرے دل ودماغ میں وہ ہنسنا نقش ہے۔

(4) راز داری کی تاکید: حضرت جیؒ نے فرمایا: یار محمد خان کبھی ایک ساتھی کی بات دوسرے ساتھی کو نہ بتانا۔

(5) شیخ کا ادب: حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام میں ملاقات ہوئی تو میں نے دل میں سوچا حضرت جیؒ کے ساتھ فوٹو ہو جائے۔ ہوسکتا ہے کہ پھر موقع نہ ملے اسی نیت سے میں نے حضرت جیؒ کے ساتھ فوٹو لیا۔ شیخ کے ساتھ تصویر بھی پورے ادب واحترام سے اتروانی چاہیئے۔ ان سے قربت ظاہر کرنے کی نیت کی بجائے محبت ہونی چاہیئے۔ اکثر مرید جیسے حافظ قادری صاحب، احمد نوازؒ، کرنل قیومؒ، کرنل محبوبؒ جب کبھی حضرت جیؒ سے ملاقات کرتے تو عزت، ادب واحترام کی وجہ سے ان کے چہروں سے پتہ چلتا تھا کہ ان کے دلوں میں حضرت جیؒ کا کیا مقام، کیا احترام اور کیا ادب ہے!

(6) شیخؒ کی دعا کی برکت: آخر میں یہ لکھوں گا میری سگی ماں 1995ء میں وفات پاگئی تھیں۔ اللہ کریم ان کو جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ میری خالہ (ماں) جس نے مجھے بچپن ہی سے ماں جیسا پیار دیا تھا وہ بیمار ہوگئیں، گردے فیل ہوئے تھے، بہت زیادہ علاج

کراتے رہے۔ ہارٹ انٹرنیشنل ہاسپٹل پنڈی میں زیر علاج تھیں۔ کرنل بشیرؒ اور بریگیڈیئر امتیاز صاحب عیادت کے لیے آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب جو مشہور ڈاکٹر تھے، نے کہا کہ ایک دو دن کی بات ہے، بچنا مشکل ہے۔ میں اچانک حضرت جیؒ کی طرف منارہ بھاگا۔ جاتے ہوئے اتنا بتایا کہ ایک دو گھنٹے کے بعد واپس آؤں گا ان شاء اللہ۔

بہت پریشان تھا بھائی بھی باہر تھا سارا بوجھ میرے اوپر تھا۔ منارہ پہنچ گیا، حضرت جیؒ فون آپریٹر کے دفتر کے سامنے لان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سارا مسئلہ بتایا میری پریشانی جان گئے۔ حضرت جیؒ جس انداز سے مجھے دیکھتے تھے مجھ میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ میں آنکھ اٹھا کر دیکھ سکوں البتہ یہ دیکھ لیا کہ حضرت جیؒ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا: یار محمد خان اللہ کریم سب کچھ ٹھیک کریں گے۔ میں نے جانے کی اجازت لی۔ مجھے یہ معلوم نہ ہوا میں پنڈی ہسپتال پہنچ گیا۔ کمرے میں پہنچتے ہی دیکھا تو خالہ (ماں) بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی فرمایا بیٹا بہت اچھا کیا کہ آپ اُستاد کے پاس گئے۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے مجھے یہاں سے جانا ہے۔ ایک کھڑکی سے کسی نے میرا سر باہر نکالا۔ دوسری طرف ایک وسیع میدان تھا۔ جسے دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی لیکن پھر کسی نے مجھے واپس کر دیا کہ ابھی نہیں، ابھی واپس جائیں۔ اوپر والی چھت سے بھی اللہ ہو کی آوازیں آتی ہیں جو آپ کے اُستاد کی آواز ہے۔

(بقیہ صفحہ 100 سے آگے)

اللہ کریم نے حضرت امیرؒ کو گوناگوں صلاحیتوں کا مرقع بنایا تھا مختلف شعبہ ہائے زندگی میں آپ نے جس شعبہ میں بھی طبع آزمائی فرمائی کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو تفسیر قرآن میں ایک خاص ملکہ ودیعت فرمایا۔ مختلف آیاتِ قرانی کی تشریح وتوضیح فرماتے ہوئے موجودہ حالات پہ جس انداز میں منطبق فرماتے یہ اُنہی کا خاصہ تھا۔ آپ ایک عمدہ قادر الکلام شاعر بھی ہیں اور نعت گوئی میں آپ کا اپنا انداز ہے جو کہ سامع کو مسحور کر دیتا ہے۔ کسی بھی پہلو سے آپ کی حیات مبارکہ پہ نظر کی جائے آپ منبع کمالات نظر آتے ہیں۔ معرفتِ باری سے آپ کے کمالات نکھر کر سامنے آ گئے۔

اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا محمد اکرم کو میں نے تین سال تک لطائف پہ ہی رکھا۔ عموماً قاعدہ ہے کہ عمارت جس قدر عظیم ہوتی ہے اس کی بنیاد بھی اتنی ہی پختہ ہوتی ہے۔ سلسلہ عالیہ کی پہلی عمارت جس پہ تعمیر ہوئی تھی اس پر محنت بھی ایسے ہوئی حالانکہ اعلیٰ حضرتؒ کی توجہ سے لطائف اور منازل سلوک لمحوں کی بات ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ چکڑالہ کی چھوٹی مسجد میں مجلس ذکر ہو رہی تھی اعلیٰ حضرتؒ نے اس قدر طاقت سے توجہ فرمائی کہ دن کے وقت انوارات کا ایسا طوفان اُٹھا کہ چکڑالہ گاؤں کے باہر جو لوگ کھیتوں میں کام کاج کر رہے تھے کام چھوڑ کر مسجد کی طرف دوڑے کہ کہیں مسجد میں آگ لگ گئی ہے۔ صوفیاء کی تاریخ میں مشائخ کی توجہ سے مجلس میں موجود سالکین انوار و برکات حالت مراقبہ میں محسوس کیا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرتؒ نے وجود مادی کی آنکھوں سے شعلے دکھا دیئے جس کو پنجابی میں کہتے ہیں ''دن کو بھانبڑ دکھائے''۔ ایسی توجہ کے حامل شیخ نے حضرت امیر المکرمؒ کو تین سال تک لطائف پہ رکھا، آپ اس سے خود ہی اندازہ لگائیں کہ حضرت امیرؒ کس قدر جامع کمالات تھے اور کبھی بھی خودنمائی کا بول اپنی زبان پہ نہ لائے۔ آپ نے فرمایا ''یہ میرے رب کا مجھ پر احسان ہے کہ میں کسی بھی شخص کو توجہ دے کر لمحوں میں بال کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر باڈی سیل کو ذاکر کر سکتا ہوں۔ یہ میرے کریم رب کا احسان ہے کہ صوفیاء کرام جس کام کیلئے سالہا سال لیتے تھے وہ کام میں لمحوں میں کر سکتا ہوں۔ ذالك من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لا يعلمون.

ولی کامل

(ساجد محمود، جہلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمدللہ رب العلمین۔

اما بعد

اللہ کریم نے حق کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اس کی رحمت کب گوارا کرتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے۔ چنانچہ ہر دور میں وہ اپنے خاص بندوں کے ذریعے حق کی حمایت اور اصلاحِ خلق کی خدمت لیتا رہا ہے اور صوفیاء نے جس خلوص سے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔ انہی صوفیاء میں سے ایک عظیم ہستی حضرت مولانا محمد اکرم اعوانؒ کی ہے جن کی ملاقات حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ سے پدھراڑ (گاؤں) میں ایک گھر میں ہوئی جہاں حضرت مولانا اللہ یار خانؒ ایک جلسے کیلئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرتؒ کی سادگی، جرأت و بیباکی اور خلوص کی وجہ سے حضرت مولانا محمد اکرم اعوانؒ، حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے ہو کر رہ گئے۔ حضرت جیؒ سے تعلق کے بعد حضرت مولانا محمد اکرم اعوانؒ کیلئے پندرہ دن نکالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اپنے عظیم شیخ سے پندرہ دن کے اندر اندر ضرور ملنا ہوتا تھا۔

جب ذکر شروع کیا تو ایک ایک لطیفہ ایک گھنٹے کا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں میں نے گھڑی سے منٹوں کی سوئی نکال دی تھی۔ اور اتنے زور سے ذکر کرتے اتنی حدت پیدا ہوتی کہ سخت سردیوں میں گڑ کا شربت پینا پڑتا تھا اور سینے میں پتہ چلتا کہ کسی نے میخیں ٹھونک دی ہیں۔ جھک کر کوئی چیز اُٹھائی نہ جاتی تھی۔

اپنے شیخ سے اتنا تعلق تھا کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرتؒ کو رقم کی ضرورت پڑ گئی تو حضرت جیؒ نے اپنی گاڑی بیچ کر اعلیٰ حضرتؒ کو رقم بھجوائی۔ فرماتے تھے کہ یہ اسی کی برکت ہے کہ اس وقت سے میرے پاس ایک سے زیادہ گاڑیاں ہیں۔

آپ بہت زیادہ سخی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت کام لیا۔ اور آپ کی خدمات کو قبول کیا۔ آپ کی آمدن کا کثیر حصہ احباب سلسلہ عالیہ کی خدمت پر صرف ہو جاتا۔ آپ کی زمینوں سے جو گندم آتی تھی وہ ساری دارالعرفان میں رکھوا دیتے۔ گوشت حضرت جیؒ کے ریوڑ سے آ جاتا اور باقی اجناس دالیں وغیرہ حضرت جیؒ کی زمینوں سے مل جاتیں۔ پھر بھی جب لنگر کا خرچ آتا تو لاکھوں میں ہوتا وہ بھی حضرت جیؒ اپنے پاس سے عنایت فرماتے۔ کئی دفعہ حضرت جیؒ نے ہرن یا مارخور کا شکار کیا اور پھر لنگر میں ساتھیوں کو اس کا گوشت کھلایا۔

ایک جن صحابی کی زیارت کا شرف حضرت جیؒ کو حاصل ہوا (ان کا واقعہ المرشد میں بھی آ چکا ہے)۔ موجودہ شیخ مدظلہ العالی نے بھی صحابی جن کی زیارت کی تھی۔

ایک دفعہ کراچی میں کرنل بشیر کے گھر فرمایا کہ مجھے مجدد کی ڈیوٹی ملی ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ عمرہ کیلئے تشریف لے گئے۔ مسجد نبوی ﷺ کے باہر ایک شخص جو عربی بولتا تھا اور قرآن کریم فروخت کر رہا تھا اس نے حضرت جیؒ کے ہاتھ چومنا شروع کر دیے۔ حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ اس سے پوچھو کہ اس کو کیسے پتہ چلا کہ ہمارے پاس بھی کچھ ہے۔ ساتھیوں نے جب عربی میں پوچھا تو اس نے کہا کہ کافی عرصہ پہلے میرے شیخ نے مجھے لطائف کرائے تھے اس

کے بعد وہ فوت ہوگئے میں یہاں مدینہ شریف چلا آیا، آپ کو دیکھا تو لطائف بھڑک اُٹھے اس لیے آپ کے ہاتھ چوم رہا ہوں۔ اس نے پھر اپنے گھر میں حضرت جیؒ اور ساتھیوں کی دعوت بھی کی اور فیض حاصل کیا۔

اللہ کریم نے آپ کو بہت نوازا تھا۔ حضرت جیؒ 1973ء میں قطب مدار تھے۔ قطب مدار وہ منصب ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ حضرت خضرؑ رہا کرتے ہیں، پھر حضرت جیؒ 1977ء میں غوث تھے۔ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ جب دنیا سے پردہ فرما گئے تو حضرتؒ اس وقت قطب وحدت تھے، پھر حضرتؒ صدیق اور پھر اس سے اوپر بھی اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا۔ حضرت جیؒ ایک دفعہ کراچی تشریف لے گئے تو دیبل کے مقام کو دیکھنے گئے تو فرمایا آج ہمارے ساتھ کوئی صاحب کشف نہیں ہے۔ آپ پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے، تو کرنل محبوب خانؒ نے کچھ سوالات کیے۔ محمد بن قاسم کے بارے، اس کی فوج کے بارے کہ ان کی وردیاں کیسی تھیں؟ حضرتؒ نے سب سوالوں کے جواب دیئے۔

آپ مجتہد بھی تھے۔ اللہ کریم نے آپ کو علم لدنی کی دولت سے بھی مالا مال فرما رکھا تھا۔ چنانچہ آپ کی تینوں تفاسیر حقائق ومعارف کا ایک عظیم خزانہ ہیں۔ آپ نے قرآن کریم کا آسان فہم اُردو ترجمہ لکھا ہے۔ تصوف پر بھی کافی کتابیں لکھی ہیں۔ شعروشاعری کے بھی کافی مجموعے لکھے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ اسلام کے مسائل دو طرح کے ہیں۔ ایک قطعی اور دوسرے اجتہادی یا وقتی۔ قطعی تو وہ ہیں جن پر کسی کا اختلاف نہیں اور اجتہادی وہ ہیں جن پر آئمہ کا اختلاف ہوا ہے۔ تصویر کا مسئلہ بھی اجتہادی ہے، اسی لیے آپ نے ویڈیو بیان کی اجازت دی۔ تصویر پوجا پاٹ کیلئے ہو تو حرام ہے۔ صرف تعارف اور ضرورت کے تحت اجازت ہے۔ تصویر بے جان چیز کی ہو یا وہ کسی کافر کی مذہبی بات کا شعار ہو تو وہ بھی حرام ہے۔ تمدنی ضروریات کے تحت، تعارف یا ضرورت کے تحت جواز ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کو جدید علوم بھی سیکھنے چاہئیں۔ ساتھ ساتھ دین بھی سیکھیں۔ فرماتے تھے کہ عورتوں کو دین سکھائیں، اللہ اللہ سکھائیں۔ ایک عورت بھی دوزخ میں گئی تو چار مردوں کے دوزخ میں لے جانے کا سبب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرمائیں۔

آپ اپنے متعلقین کو نصیحت فرماتے کہ سود کو چھوڑ دو۔ عقائد کی درستگی پر زور دیتے۔ نماز اور ذکر کا اہتمام کرنے کو کہتے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد پر زور دیتے۔ اپنی بہنوں کو وراثت سے حصہ دینے کی تلقین فرماتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرتؒ کے دینی مشن پر قائم و دائم رکھے۔ حضرت جیؒ کی ساری باتیں تو اس مضمون میں نہیں آسکتیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

دعائے مغفرت

1- کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی طاہرہ فیاض کے شوہر۔
2- اسلام سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی شعبان اعوان۔
3- ڈسکہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی وقاص ریاض کی والدہ صاحبہ
4- فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حکیم الیاس صاحب۔
5- بھمبر آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صابر صاحب۔
6- عبدالحکیم ضلع خانیوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی اسحاق احمد کی زوجہ محترمہ۔
7- پشاور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی غلام حیدر صاحب۔
8- مبارک پور تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خالد حبیب۔
9- کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالقیوم کے والد محترم۔
10- لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی جمیل جندرہ کے والد محترم۔
11- کراچی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی سید عدنان حسن زیدی کے والد

وفات پا گئے ہیں، ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

الفلاح فاؤنڈیشن

(ڈاکٹر رضوان۔۔۔۔)

1980ء کی دہائی ہے۔ دو افراد پر مشتمل شیخ المکرمؒ حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کی بھیجی ہوئی میڈیکل ٹیم چترال و گلگت کے دُور افتادہ علاقوں میں علاج معالجہ کی سہولیات فراہم کر رہی ہے جن میں مفت ادویات و گرم کپڑے وغیرہ شامل ہیں۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں آج کے دور میں بھی پہنچنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ تب تو حالات اور بھی ابتر تھے۔ کیلاش کی کافر وادیوں سے ہوتے ہوئے بالائی چترال جیپ میں۔ جہاں جیپ رُک جاتی تو گھوڑوں پر اور جہاں گھوڑے نہ میسر آتے وہاں پیدل چل پڑتے اور یوں بروغل پاس (گلیشر) کو عبور کرتے ہوئے گلگت اُتر جاتے۔ راستے میں جو آبادی آتی میڈیکل کیمپ لگا لیتے۔

یاد رہے یہ علاقہ زیادہ تر غیر مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ لہٰذا بغیر کسی مذہبی تفریق کے اور بغیر کسی سیاسی مفاد کے ہر مستحق فرد کو یہ سہولیات بہم پہنچاتے۔

درج بالا حقائق راقم کو پشاور کے ایک ساتھی سید سعید احمد بھائی نے سنائے جو کہ شروع سے اس ٹیم کا حصہ رہے اور تادمِ مرگ اپنی یہ ڈیوٹی بخوبی سرانجام دیتے رہے۔ اللہ کریم ہمیں بھی اپنے حصہ کی ڈیوٹی تاحیات ادا کرنے کی توفیق ارزاں فرمائیں۔ آمین!

رفتہ رفتہ حضرت جیؒ نے ان خدمات کا دائرہ ملک پاکستان کے طول و عرض میں پھیلا دیا۔ جہاں کہیں ضرورت ہوتی میڈیکل کیمپ لگوائے جاتے۔ جہاں ضرورت ہوتی زندگی کی دیگر سہولیات مہیا کرنے کیلئے بھی ٹیمیں تشکیل دی جاتیں اور خلق خدا کی خدمت کی جاتی۔ کچھ علاقوں میں تسلسل کے ساتھ میڈیکل کیمپ منعقد کرائے جاتے رہے جن میں کافرستان، چترال سرفہرست ہے۔ غرض زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جہاں حضرت جیؒ نے لوگوں کی فلاح کیلئے ساتھی نہ بھیجے ہوں اور دامے، درمے، سُخنے ہر اعتبار سے انسانیت کی خدمت نہ کی ہو۔

انہی تمام خدمات کو منظم کرنے کی خاطر بالآخر حضرت جیؒ نے 1988ء میں الفلاح فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی جو بعد میں سرکاری تقاضے پورے کرتے ہوئے 26 اپریل 1993ء میں حکومت پاکستان سے رجسٹرڈ کروا دی گئی اور اس کا منشور بنایا گیا۔

مقصدیت:

سماجی فلاح و بہبود بلاتفریق رنگ و نسل و مذہبی عقائد۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے چار شعبے تشکیل دیئے اور مندرجہ ذیل محاذوں پر فلاح کے کاموں کا دائرہ بڑھایا گیا:

1- صقارہ ایجوکیشن سسٹم:

حضرت جیؒ نے 1984ء میں ایک بالکل انوکھا تعلیمی نظام متعارف کروایا۔ اس وقت کے صدر پاکستان جناب جنرل ضیاء الحق صاحب (مرحوم) کو اس کی تفصیلات سے آگاہ بھی کیا تاکہ حکومتی سطح پر بھی اسے آزمایا جا سکے۔ جیسا کہ دنیا کی دیگر فلاحی ریاستوں میں بنیادی تعلیم (F.A) تک عوام کو مفت فراہم کی جاتی ہے اسی طرح موجودہ تعلیمی نظام کو غریب عوام کیلئے مفت کر دیا جائے اور اس میں اسلامی تعلیمات جن میں قرآن، احادیث، فقہ اور عربی کو شامل کر دیا

جائے تاکہ ہر وہ شخص جو ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، سیاستدان غرض جو بھی بنے، اپنے شعبے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا مسلمان غرض اچھا انسان بھی بنے۔

پائلٹ پروجیکٹ کے طور پر دارالعرفان منارہ میں صقارہ اکیڈمی کے نام سے ادارہ کی بنیاد رکھی گئی کیونکہ صدرِ پاکستان اضافی مضامین کو بچوں پر تعلیم کا اضافی بوجھ سمجھتے تھے۔ بہرحال راولپنڈی بورڈ سے الحاق کر کے پراجیکٹ کا آغاز کر دیا جس میں بغیر منافع (Nonprofitable) کے طالب علموں کو تعلیم دینا شروع کر دیا اور ماہانہ فیس اتنی رکھی گئی جس سے شاید ان کا اپنا خرچہ بھی پورا نہیں ہوتا اور ہر ماہ حضرت جیؒ اس کا ایک بہت بڑا حصہ اپنے پاس سے ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ بہرحال 1987ء میں اس کا پہلا بیچ (Bedge) بورڈ کے امتحان میں بیٹھا اور نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں اور یہ سلسلہ چل نکلا۔ اس وقت دارالعرفان کے علاوہ لاہور میں بھی صقارہ ایجوکیشن کے گرلز اور بوائز سکولز اور کالج کامیابی کے ساتھ اپنی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ بعد میں بہت سے دوسرے ادارے بھی اس میدان میں آگئے اور دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن یا دینی تعلیم بھی دینے لگے۔

2- قدرتی آفات کے دوران خدمات (Disaster Management):

حضرت جیؒ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کیلئے ایسا دردِ دل عطا فرمایا کہ ایسا کوئی شعبہ نہیں جس کو اپنے وسائل میں رہتے ہوئے اپنے عروج تک نہ پہنچایا ہو۔ زلزلہ ہو یا طوفان، آندھی ہو یا سیلاب یا دیگر نامساعد حالات، حضرت جیؒ نے بذاتِ خود اور ساتھیوں کے توسط سے بے حساب خدمات سرانجام دیں۔ خیبر پختونخواہ کا سیلاب ہو یا کشمیر کا زلزلہ الفلاح فاؤنڈیشن نے اپنی خدمات کی انتہائی درجے تک کوشش کی۔

2008ء کے سیلاب میں لٹے ہوئے لوگوں کو بغیر کوئی احسان جتائے یا بلا کسی سیاسی فوائد حاصل کرنے کے گھر تعمیر کروا کر دیے۔

2005ء کے کشمیر زلزلے میں سب سے پہلے کشمیر پہنچنے والی ٹیم الفلاح فاؤنڈیشن کی تھی جس میں ڈاکٹرز، ادویات، رضاکار ساتھی، کھانے پینے کی اشیاء، خیمے اور گرم کپڑے پہنچائے جاتے رہے اور وہاں سے سب سے آخر میں آنے والی بھی الفلاح فاؤنڈیشن ہی تھی یعنی جب تک حکومتی اداروں نے حالات پر قابو پا لیا تب تک سلسلۂ عالیہ کی طرف سے الفلاح فاؤنڈیشن وہاں خدمات ادا کرتی رہی۔

3- سماجی فلاح و بہبود (Social Welfare):

حضرت جیؒ نے اس ضمن میں بھی حتی الوسع خدمات سرانجام دیں اور وقت کے حکمرانوں کو اپنے علم، تحقیق اور تجربات سے گاہے بگاہے مستفید کرتے رہے تاکہ پاکستانی عوام کو من حیث القوم حکومت وقت کے ذریعے فائدہ پہنچایا جا سکے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے حکمرانانِ وقت کو ہر وہ سسٹم مرتب کر کے دیا جس پر عمل کر کے عوام فلاح پا سکیں اور یہ ملک ایک فلاحی مملکت بن سکے۔ بینکنگ شعبے میں اسلامی اصطلاحات انہی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

4- وکلاء فورم:

فوری اور سستا انصاف حاصل کرنے میں معاونت کے لیے وکلاء فورم تشکیل دیا۔ اس سلسلے میں رابطہ کرنے والے افراد کی مدد اور راہنمائی کیس کے مطابق کی جاتی ہے۔ معمولی نوعیت کے معاملات میں مقدمہ بازی میں پیسہ اور وقت برباد کرنے کے بجائے عدالت کے باہر تصفیہ کا مشورہ اور مناسب طریقہ کار سمجھایا جاتا ہے۔ دیگر مقدمات کے لیے مشاورت میں موزوں طریقہ کار اختیار کرنا، ایماندار اور قابل وکلاء کی نشاندہی یا ان کے ساتھ رابطہ کرانا اور متعلقہ عدالتی معاملات کے لیے راہنمائی کرنا شامل ہیں۔

5- میڈیکل کا شعبہ (Medical Wing):

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت جیؒ 1980ء کے اوائل ہی سے دُور افتادہ اور بنیادی ضرورتوں سے محروم علاقوں میں الفلاح فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام میڈیکل ٹیمیں بھجواتے رہے اور

الحمدللہ یہ سلسلہ آج تک چل رہا ہے بلکہ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ تیزی بھی آ گئی ہے۔شروع میں افرادی قوت اور وسائل کے پیش نظر جہاں ضرورت محسوس کی جاتی، وہاں میڈیکل مشن بھجوا دیا جاتا۔انہی خدمات کی بدولت کیلاش (چترال) اور گلگت بلتستان کی عوام اسلام سے بھی روشناس ہوتی رہی اور شاید اُن کے قبولِ اسلام کا بھی سبب بنتی رہی۔ بعد میں تبلیغی جماعت نے بھی اس ضمن میں بڑی خدمات سرانجام دیں اور وہاں بنیادی اسلامی تعلیمات بہم پہنچانے میں پیش پیش رہی۔اس کا اندازہ کچھ یوں بھی ہوتا ہے کہ کیلاش قوم کی ملکہ شنگھرائی نے حضرت جیؒ کو میڈیکل مشن کی درخواست بھیجی۔سردیوں کا اختتام اور بہار کی آمد آمد تھی۔حضرت جیؒ کے حکم پر میڈیکل ٹیم چترال پہنچ گئی۔ان کا جشن بہاراں ''چلم جوش'' پانچ دن دُور تھا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ تین روز پہلے سے وہ مسلمانوں سے بالکل قطع تعلق کر لیتے اور اُن کے نزدیک مسلمانوں سے کلام بھی نحوست کا باعث ہوتا ہے۔ چاہے وہ مسلمان ان کا بیٹا یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ بہرحال ہم نے دو دن میں کام ختم کیا اور اجازت چاہی تو شنگھرائی بولی''چلم جوش'' کے لیے رُک جاؤ کل سے شروع ہو رہا ہے۔ہم نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا کہ آپ کے عقیدے کے مطابق آپ مسلمانوں کو منحوس سمجھتے ہیں اور ہم مسلمان ہیں۔ہم آپ کے مذہب وعقیدے کا احترام کرتے ہوئے شامل نہیں ہونا چاہتے تو وہ بولی''یہ آپ لوگوں کیلئے نہیں ہے۔'' کیا نظر تھی میرے شیخ کی۔کس طرح انہوں نے قندیلیں جلائیں۔اللہ کریم ہمیں سلسلہ عالیہ سے ابدالآباد جوڑے رکھے۔آمین!

یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔حضرت جیؒ خود بھی ایک مرتبہ بنفس نفیس چترال تشریف لے گئے۔ وادیٔ عبوریت (کیلاش) کے مہتر جاؤ (بادشاہ) جو کہ مسلمان ہو چکا تھا نے حضرت جیؒ کی خدمات کے پیش نظر اپنی زمین دارالعرفان کیلئے تحفے میں دے دی۔جس پر حضرت جیؒ نے دارالعرفان کے نام سے جامع مسجد تعمیر کروائی۔مہتر جاؤ تو حضرت جیؒ کو زمین تحفہ کر کے کب کے فوت ہو چکے لیکن دارالعرفان آج بھی اس کافر وادی میں برکاتِ نبوی ﷺ اور نورِ نبوت پھیلانے کا سبب بنا ہوا ہے۔متعدد میڈیکل کیمپس دارالعرفان میں بھی لگائے گئے اور دیگر غیر مسلم گاؤں میں بھی۔اور بارہا کوئی نہ کوئی صاحب مجاز بھی مرکز ساتھ چلے جاتے۔

ہر سفر اپنی جگہ ایک یادگار سفر رہا۔لیکن تب ہمارے موجودہ شیخ المکرم حضرت امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی کے ساتھ سفرِ چترال کی بات ہی کچھ اور تھی۔اللہ کریم نے زندگی عطا کی تو اس سفر کی روداد ضرور آپ کے ساتھ شیئر کروں گا انشاءاللہ!

حضرت جیؒ کی حیات ہی میں شیخ المکرم مدظلہ العالی نے دیگر شعبوں مثلاً سلسلہ عالیہ، الاخوان وغیرہ کی طرح الفلاح فاؤنڈیشن کو بھی از سرِ نو منظم کرنے کا تہیہ کیا اور اس کے چاروں اغراض ومقاصد کو تنظیم کی شکل میں 2015ء کے اوائل میں دوبارہ سے منظم کر دیا۔ انہوں نے میڈیکل ونگ پر توجہ دیتے ہوئے اسے تھوڑے ہی عرصے میں پنجاب کے چھ ڈویژن اور خیبر پختونخواہ اور گلگت بلتستان تک پھیلا دیا۔ یہ حضرت جیؒ کی توجہ اور نظر کا اعجاز ہے کہ وسائل کے نہ ہوتے ہوئے بھی سلسلہ عالیہ کے ڈاکٹرز اپنی انتھک محنت کر رہے ہیں اور حضرت جی مدظلہ کے دیئے ہوئے ویژن اور ٹارگٹ کو لے کر آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔

تب سے اب تک سینکڑوں میڈیکل کیمپس پاکستان کے مختلف شہروں میں لگائے گئے۔ ان میں ایک سے بڑھ کر ایک سپیشلسٹ ڈاکٹروں نے حصہ لیا جس میں لاکھوں روپے کی ادویات، لیبارٹری ٹیسٹ، ای سی جی، الٹراساؤنڈ کی مفت سہولیات غریبوں کے در تک پہنچائی گئیں جن کا ان علاقوں میں پہنچنا ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ ان کا ریکارڈ مرکز میں تصویری، تحریری، اخباری خبر یا مووی کی شکل میں الحمدللہ موجود ہے۔

یاد رہے کہ میڈیکل کے دو شعبے ہیں:

(1) Preventive

(2) Curative

کیوریٹو (Curative) تو یہ ہے جو کہ ڈاکٹرز مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ پریوینٹیو (Preventive) میڈیکل کا وہ شعبہ ہے جس میں بیماری کے ہونے سے پہلے ہی اس کو روک دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ صاف پینے کا پانی اور غذا بہت سی بیماریوں سے بچالیتی ہیں۔ دارالعرفان اور اس کے مضافات میں لوگ جوہڑوں کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ ایک بیان میں حضرت جیؒ فرمارہے تھے کہ انہوں نے وہ پانی ٹیسٹ کروایا تو اس میں غالباً 250% جراثیم نکلے تو گویا وہ پانی تو نہ ہوا نری بیماری ہی ٹھہرا۔ حضرت جیؒ نے اپنی مدد آپ کے تحت متعدد ٹیوب ویل اور ڈیم تعمیر کروائے جس سے ساتھی اور اہل علاقہ اپنی دیگر ضروریات کے علاوہ پینے کا صاف پانی حاصل کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیت کا مفہوم ہے کہ ایسی کوئی بیماری نہیں جس کی شفا نہ ہو۔ حضرت جیؒ کا قول ہے، جس کا راقم گواہ ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''اللہ کریم نے نوے فیصد (90%) بیماریوں کا علاج کلام الٰہی میں رکھ دیا ہے۔ باقی دس فیصد (10%) علاج رزق کے حصول کے ذرائع کے طور پر ڈاکٹروں اور حکیموں کے حوالے کر دیئے۔'' مطلب یہ کہ بقیہ دس فیصدی علاج بھی کلام الٰہی میں موجود ہے۔

اللہ کریم کا حضرت جیؒ پر احسان ہے کہ آپ کے لکھے گئے تعویذات کی برکت سے لاعلاج مریض مثلاً کینسر، ایڈز اور ہیپاٹائٹس جیسے مہلک امراض میں مبتلا مریض شفایاب ہوئے۔ آپ کا دم کیا ہوا نمک زہریلے جانور کے کاٹے اور ڈینگی کے مریض کے لیے اکسیر ہے۔ آپ کی خدمت عالیہ میں ایسے بہت سے لوگ حاضر ہوتے رہے جن پر کیے گئے جادو کا اثر کہیں سے بھی زائل نہ ہو سکا لیکن آپ کے تعویذات سے زائل ہو گیا۔ اسی طرح جنات کے متاثرین بھی آپ کے در سے شفایاب ہوتے رہے اور اب یہ برکات شیخ المکرم مدظلہ العالی کے دست شفقت سے اسی طرح جاری وساری ہیں۔ الحمدللہ!

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ میڈیکل فیلڈ بہت وسیع ہے جس کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اللہ کریم کی مدد شامل حال رہے اور حضرت جیؒ کی توجہ رہے تو انشاء اللہ ایسا کوئی کام نہیں جو ناممکن ہو۔ ایک ایک کر کے منزلیں طے ہوتی رہیں گی۔ انشاء اللہ! بس اللہ کریم سے دعا ہے اور ساتھیوں سے استدعا ہے کہ خلوصِ دل سے فیصلہ کریں اور سستی کو غالب نہ آنے دیں۔

الفلاح فاؤنڈیشن سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کی ایک ذیلی شاخ ہے جو کہ سماجی فلاح و بہبود کیلئے تشکیل دی گئی اور سلسلہ عالیہ کے تعارف کا ایک موثر سبب ہے تو اس کی ذمہ داری بالخصوص ڈاکٹرز، وکلاء، اور بالعموم سلسلۂ عالیہ کے دیگر ساتھیوں پر یکساں ہے۔ ہر وہ وکیل اور ڈاکٹر جو سلسلہ عالیہ میں بیعت ہے وہ بتدریج الفلاح فاؤنڈیشن کے وکلاء فورم اور میڈیکل ونگ کا حصہ ہے اور ذمہ دار ہے کہ اپنی تکنیکی خدمات سلسلہ عالیہ کو پیش کرے۔

اللہ کریم ہم سب کو اپنے اپنے حصہ کی ذمہ داری کلی طور پر انجام دینے کی توفیق ارزاں فرمائیں اور تاحیات اس خدمت کی سعادت سے مستفید فرمائیں۔ آمین!

بقیہ: صفحہ نمبر 112 سے آگے

اللہ رب العزت سے یہی دعا ہے کہ جب حضرت جیؒ سے ملاقات ہو تو ان کی طرف سے وہی پیار اور وہی محبت جو مجھے دنیا میں نصیب تھی میرا مقدر بنے، مجھ سے باقی زندگی میں کوئی بھی ایسا کام سرزد نہ ہو جو مجھے حضرت جیؒ کے پیار سے محروم کردے۔

قارئین محترم! حضرت جیؒ کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ ایسا ہے کہ اگر لکھنے لگوں تو یقیناً المرشد میگزین کے صفحات ختم ہو جائیں مگر وہ یادیں وہ باتیں اور ان باتوں کی لذت ختم نہ ہو۔ اگر زندگی نے وفا کی اور المرشد میگزین کی انتظامیہ نے میگزین میں جگہ دی تو میں ان یادوں کو آپ تک اس میگزین کے ذریعے باقاعدگی سے پہچانے کی پوری کوشش کروں گا۔

تیری یاد

حاجی انور سعید۔ ہری پور ہزارہ

قاصد پیام شوق کو نہ کر اتنا طویل
کہنا فقط یہ ان سے کہ آنکھیں ترس گئیں

غالباً 1974ء میں اعلیٰ حضرت (مرشد آباد) سے بیعت ہوا تو اس کے بعد جلد ہی سالانہ اجتماع منارہ سکول میں ہو رہا تھا تو مجھے حاجی عبداللہؒ پشاور سے اپنے ساتھ لے گئے تھے اس وقت دس بارہ ساتھی تھے۔ شام کو دروازے سے ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا۔ مضبوط اور دراز قد وجیہ شکل وصورت لیکن بارعب شخصیت اور انکساری ایسی کہ ہاتھوں میں دیگچہ اور کندھے پر رومال میں روٹیاں لٹکائے داخل ہوئے۔ حاجی عبداللہؒ نے فرمایا یہ مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ صاحب ہیں اور حضرت جیؒ کے خاص شاگردوں میں ہیں۔ کسی ساتھی نے ان سے دیگچہ لیا اور دوسرے نے روٹیاں تھامیں۔ حاجی عبداللہ نے ہاتھ ملایا میں نے بھی مصافحہ کیا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ میں ان کی شخصیت سے مرعوب ہو چکا تھا اور یہ مرعوبیت جس میں ایک محبت اور احترام بھی تھا، آخر تک قائم رہا۔ کئی بار جب پشاور تشریف لاتے تو حاجی الطافؒ کی کوٹھی پر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ تنہائی میں بھی ان سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ اعلیٰ حضرتؒ (مرشد آباد) اللہ ان کے درجات بلند کریں، سے آسانی کے ساتھ گفتگو کر لیتا تھا۔ ایک دفعہ حاجی الطافؒ، حاجی بختیارؒ اور میں چکڑالہ اعلیٰ حضرتؒ سے ملنے گئے تو واپسی پر حاجی الطاف نے کہا کہ چلو پیدل کے راستے منارہ میں مولانا امیر محمد اکرم صاحبؒ سے مل کر جاتے ہیں۔ ہم تقریباً ظہر کے وقت منارہ گاؤں کے کنارے پر ان کی کوٹھی پر پہنچے تو حضرت جیؒ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے میرا آج پشاور جانے کا ارادہ تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ لوگ آگئے ہیں۔ میں نے گاڑی کا انجن تبدیل کرانا ہے۔ خیر ہم کھانے کے بعد ظہر ادا کر کے ان کی کریم کلر کی مرسڈیز گاڑی میں پشاور روانہ ہوئے۔ راستے میں بات چیت ہوتی رہی۔ بڑی شگفتہ سی گفتگو کرتے۔ مغرب کے وقت ہم حسن ابدال سے گزر رہے تھے کہ حاجی الطافؒ نے ہوٹل کے قریب ایک تھڑے پر نماز پڑھنے کا کہا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے نماز پڑھائی۔ میں نے ازراہِ مذاق کہا، گانوں کی آوازیں آرہی تھی تو مسکرا دیئے۔ فرمایا، حاجی صاحب نے کہا ہے یہیں پڑھ لیں وقت جا رہا ہے۔ اللہ کریم قبول کریں۔ رات کو مجھے میری دوکان کے قریب اُتار کر حاجی صاحب کے گھر چلے گئے۔

اعلیٰ حضرت جیؒ (مرشد آباد) جب بھی پشاور تشریف لاتے تو اکثر مولانا حضرت جیؒ ان کے ساتھ ہوتے۔ ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ خط وکتابت بھی جاری تھی۔ ایک دفعہ کسی پریشانی کے بارے میں خط لکھا تو جواب کچھ یوں دیا:

حاجی صاحب السلام علیکم!

آپ کا اور میرا رشتہ اُستاد شاگرد کا ہے۔ میں نے جو آپ کو سکھانا تھا سکھا دیا۔ آپ کا اور میرا رب ایک ہی ہے تکلیف آپ کو ہے مجھے نہیں۔ تہجد کا وقت قبولیت دعا کا ہوتا ہے۔ والسلام۔

اور مجھے راستہ دکھا دیا۔ کسی دینی رسالے میں ایک وظیفہ لکھا تھا میں نے ان کو خط لکھ کر پڑھنے کی اجازت چاہی۔ تو مجھے جواب دیا۔ حاجب صاحب کیا آپ کا مجھ پر اعتماد نہیں۔ میں نے پھر ان کو خط لکھا اور ڈر کے مارے واپسی لفافہ نہیں بھیجا۔ میں نے لکھا تھا کہ حضرت جیؒ یہ اعتماد ہی تھا کہ آپ کے ساتھ 40/45 سال گزار دیئے۔ غالباً یہ 2016ء تھا اور یہ میرا آخری خط تھا۔ میں نے ان کے چند خطوط اپنے بٹوے میں بطور برکت رکھے ہوئے تھے۔ ایک دینی رسالہ میں سفر کیلئے ایک دعا لکھی ہوئی تھی میں نے وہ لکھ کر اپنے پاس رکھ لی۔ چار پانچ دن کے بعد دورانِ سفر میرا بٹوہ کسی نے نکال لیا۔ کچھ رقم بھی گئی لیکن حضرت کے خطوط کا مجھے بہت افسوس تھا۔ فوراً مجھے آپ کی وہ بات یاد آ گئی (کیا آپ کا مجھ پر اعتماد نہیں؟)۔ شیخ کے فرمان کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ کبھی بیماری کا لکھا تو بغیر کہے نقش بھیج دیتے تھے۔ میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے ان کے بیان میں جو نصیحتیں ہوتی تھیں ان پر عمل کروں۔ ایک دفعہ باجماعت نماز کے بارے میں فرمایا کہ ہم دنیا میں ایک اور 27 کا فرق سمجھتے ہیں لیکن نماز جس وقت ٹائم ملا، پڑھ لی۔ ہمارا یقین نہیں۔ یہ ہمارا آخرت کا سرمایہ ہے تو الحمدللہ میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ باجماعت نماز ادا کروں۔ اللہ کریم مدد بھی فرماتے ہیں۔ حقوق العباد کی بہت تلقین کرتے تھے۔ جب پہلی بار جھنڈے کا کہا کہ اپنے گھروں پر مہر نبوت والا جھنڈا لگاتے رہو انشاء اللہ دکھ تکلیف میں بھی اللہ کریم آسانی کریں گے۔ یہ میں نے آزمایا ہوا ہے۔ غربت میں بھی اللہ نے عزت اور آبرو سے رکھا ہوا ہے۔

میں دوسرے تیسرے ماہ آپ کے دیدار اور صحبت کیلئے دارالعرفان جاتا تھا۔ نومبر 2017ء کے اجتماع میں، میں گیا۔ جب دسمبر کا اجتماع آیا تو رات کو مجھے خیال آیا کہ جنوری میں زیادہ سردی ہوگی اس لیے اس دفعہ ہی چلے جاؤ۔ اللہ نے سبب فرمایا اور میں دسمبر کے اجتماع میں حاضر ہوا اور جب حضرت جیؒ بیان کرنے ویل چیئر پر آئے تو میری کیفیت ہی بدل گئی۔ بہت پریشانی میں بیان سنا تھا اور جب حضرت جیؒ نے وہ نعرہ دیا:

فَجَآءَ مُحَمَّدٌ سِرَاجًا مُّنِيْرًا

فَصَلُّوْا عَلَيْهِ كَثِيْرًا كَثِيْرًا

تو نعرہ لگاتے ہوئے:

جب لگ جائے چوٹ تو ہوتی ہے کیا حالت دل کی
آئینے کو کسی پتھر پر گرا کر دیکھ

پھر جب واپس ویل چیئر پر جانے لگے تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ریلوے اسٹیشن پر کسی مسافر کو ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ یہ اعلیٰ حضرتؒ کی توجہ اور حضرت جیؒ کی شفقت ہی تھی کہ جب ضلعی دارالعرفان (ہری پوری) امیر محترم حضرت جی مدظلہ العالی 21 اپریل 2019ء کو تشریف لائے تو ساتھیوں نے دارالعرفان ہری پوری کی ذمہ داری کیلئے حضرت جی مدظلہ العالی کے سامنے میرا نام پیش کر دیا تو حضرت جی مدظلہ العالی اللہ ان کے درجات بلند کریں اور عمر دراز اور صحت عطا فرمائیں، نے تصدیق کر دی اور میرے لیے استقامت کی دعا کی۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے:

محلوں میں بادشاہوں کے ساتھ ان کے غلام بھی محل ہی میں رہتے ہیں اور میں یہ سعادت سمجھتا ہوں کہ میں بھی دارالعرفان محل میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائیں۔

مدت ہوئی تجھ سے بچھڑے ہوئے لیکن
جب بھی چاند نکلا خدا کی قسم تم یاد آئے

حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ سے میری پہلی ملاقات

(منور عتیق۔لاہور)

ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش دل میں کیا اٹھی کہ بے چینی مقدر بن گئی۔ ہر گزرتا لمحہ اس بے چینی میں اضافہ کرتا رہا۔ زندگی ہاتھ سے ریت کی طرح سرکتی جارہی تھی اور ہمیشہ زندہ رہنے کا کوئی نسخہ ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ دل میں یہ اضطرابی کیفیت جاری تھی کہ اپنے پروفیشن اور ملکی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کی غرض سے کوہ نور ٹیلی وژن پر ایک پروگرام ''ٹیکس اور عوام'' شروع کیا۔ اس سے قبل بھی کئی تعمیری پروگرامز مختلف چینلز پر کر چکا تھا جن میں "میرے شاہین، رائل ایجوکیشن، مشعل راہ اور آج کا دن" شامل ہیں لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

پروگرام ٹیکس اور عوام جب شروع کیا تو یہ ایک ایسا موضوع تھا کہ جس سے متعلق شروع میں میرے پاس بھی ٹیکس نظام کے حوالے سے اتنی ہی معلومات تھیں جتنی کہ ایک عام آدمی کے پاس ہوتی ہیں اور اس پروگرام کے لیے یہ معلومات کافی نہ تھیں، لہٰذا اس پروگرام کے حوالے سے ماہرین کی تلاش جاری تھی کہ میرے ایک دوست افضل ایوبی کے توسط سے میری ملاقات رحمت اللہ ملک صاحب سے ہوئی۔ رحمت اللہ صاحب جو کہ ٹیکس کی دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتے پاکستان میں ٹیکس کے حوالے سے ان کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ رحمت اللہ ملک صاحب سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور ایک دن رحمت اللہ ملک صاحب نے مجھے حضرت امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کروایا اور ایک پروگرام ان کے ساتھ ریکارڈ کرنے کا حکم دیا۔

رحمت اللہ ملک صاحب میرے پروگرام ٹیکس اور عوام کے حوالے سے مجھے بہت زیادہ معلومات فراہم کرتے تھے اور مکمل رہنمائی کرتے تھے لہٰذا میں ان کے حکم کو نہ ٹال سکا اور میں نے ان کے ساتھ دارالعرفان منارہ جانے کا وعدہ کر لیا لیکن اس وقت تک حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کی حیثیت میرے لیے بالکل ایسی ہی تھی کہ جیسے اس ملک میں بہت سارے گدی نشینوں کی۔

حسب پروگرام رحمت اللہ ملک صاحب کے ساتھ میں اپنی پوری ٹیم کے ہمراہ دارالعرفان منارہ کی طرف روانہ ہوا۔ اپنے مقررہ وقت پر ہم دارالعرفان منارہ پہنچے، حضرت صاحب اپنے آفس میں تشریف لائے، ملاقات ہوئی، دارالعرفان پہنچنے والے خوبصورت راستوں اور ان راستوں کے خوبصورت مناظر کے حوالے سے خوبصورت باتیں ہوئیں اور پھر ناشتے کے بعد پروگرام کی ریکارڈنگ شروع ہوئی۔ پروگرام کی ریکارڈنگ تو اپنے مقررہ وقت پر ختم ہوگئی مگر اس کی لذت جسم و جاں میں اپنا گھر کر چکی تھی۔ حضرت امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک ایسی شخصیت تھی کہ آپ کی شخصیت کا احاطہ لفظوں میں کرنا ممکن نہیں۔ محبت اور شفقت جیسے الفاظ کے معنی آپ سے ملنے کے بعد کھلتے تھے۔ علمی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ سوال جتنا بھی مشکل ہوتا اس کا جواب آپ اس انداز سے فرماتے کہ ایک ریڑھی بان سے لے کر ایک سکالر تک کے دل پر یکساں اثر انداز ہوتا۔

میں نے اپنی زندگی میں بہت سی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اپنے اپنے فن کی ماہر شخصیات سے ملاقاتیں کیں لیکن میں اتنا متاثر کبھی بھی کسی سے نہیں ہوا جتنا کہ حضرت جیؒ سے پہلی ہی ملاقات میں ہو گیا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہی ایسی تھی، آپ سے مل کر ایسا لگا کہ جیسے میری

آپ سے ملاقات پہلی نہیں ہے کیونکہ آپ کی جانب سے جو محبت اور اپنائیت مجھے نصیب ہوئی اس نے میری زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔"

لاہور واپس آنے کے بعد بس ایک ہی تڑپ دل میں باقی تھی کہ حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ سے اگلی ملاقات کب ہوگی۔ رحمت اللہ ملک صاحب سے ملاقاتیں اب صرف اور صرف حضرت جیؒ کے حوالے سے ہونے لگیں اور بالآخر حضرت جیؒ سے ہر ہفتے ملاقاتوں کا سلسلہ آ نکلا۔ کوہ نور ٹیلی ویژن پر پروگرام "المرشد" شروع ہوگیا۔ لوگوں کے سوالات اور حضرت جیؒ کے جوابات۔

المرشد پروگرام کا جب باقاعدہ آغاز ہونے جا رہا تھا اور لوگوں کے سوالات آنے شروع ہو گئے تھے تو میں نے رحمت اللہ ملک صاحب سے کہا کہ یہ تمام سوالات حضرت جیؒ کو پہلے بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ ان سے متعلق تیاری کر لیا کریں اور دوران پروگرام کسی قسم کی تاخیر کا سامنا نہ کرنا پڑے لیکن رحمت اللہ ملک صاحب نے مجھے جواب دیا کہ آپ اگر حضرت جیؒ کو پہلے سوالات بھیجیں گے یا ان سے اس قسم کی کوئی بات کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس بات کو پسند نہ کریں۔ آپ جو مرضی سوال ان سے جیسے چاہے پوچھیے گا ان کی طرف سے جواب میں نہ تو تاخیر ہوگی اور نہ ہی اس جواب میں کسی قسم کی تشنگی باقی رہ جائے گی۔ میرے لیے رحمت اللہ ملک صاحب کا یہ جواب بہت حیران کن تھا کیونکہ ہمارے پروگرامز میں جو بھی لوگ آتے ہیں وہ پہلے سوال پوچھتے ہیں پھر تیاری کر کے پروگرام میں آتے ہیں یا کم از کم موضوع ضرور پوچھتے ہیں۔ الحمد للہ! میں نے حضرت جیؒ کے ساتھ دوسو گیارہ پروگرام کیے ہیں اور ان سب پروگرامز میں ایک لفظ بھی ایڈٹ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور جواب میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں دیکھی اور دوسو گیارہ پروگرامز میں کبھی ری ٹیک نہیں ہوئی۔ جس تسلسل سے آپ کوہ نور ٹیلی وژن پر المرشد پروگرام دیکھتے تھے اسی تسلسل میں یہ پروگرام ریکارڈ ہوتا تھا۔

پروگرام میں جتنے بھی سوالات ناظرین کی طرف سے آتے تھے ان کے جوابات بہت ہی پریکٹیکل ہوا کرتے تھے اور ہر شخص کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ کوئی بھی سوال پوچھ سکتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک سوال کسی نے بھیجا کہ حضرت جی مجھ پر بہت سارا قرض ہے کوئی ایسا وظیفہ بتائیے کہ قرض اتر جائے۔ میں اس سوال کے جواب میں توقع کر رہا تھا کہ حضرت جیؒ کوئی وظیفہ بتائیں گے کہ یہ آیت دن میں اتنی دفعہ پڑھیں گے تو قرض اتر جائے گا مگر جواب میری توقعات سے بالکل مختلف تھا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ بیٹا میں تو قرض اتارنے کا ایک ہی وظیفہ جانتا ہوں، محنت کرو اور قرض اتارو، اگر وظیفوں کے چکر میں رہو گے تو قرض اور چڑھ جائے گا۔

ایک سوال آیا کہ حضرت جیؒ کسی نے میرا رزق بند کر دیا ہے آپ کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ میرے رزق کی بندش ختم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹا جس رب کو میں جانتا ہوں وہ سب سے زیادہ طاقتور ہے اگر وہ کسی کی طرف رزق بھیجے اور اسے کوئی روکے تو اس کا مطلب کہ وہ رب سے زیادہ طاقتور ہے، میں اسے نہیں جانتا، آپ اگر اس کو جانتے ہیں تو مجھے بھی بتایئے گا۔ اللہ اکبر، کیسے ممکن ہے کہ اس طرح کے جوابات انسان کی زندگی کو یکسر بدل کر نہ رکھ دیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ مجھے حضرت جیؒ کی صحبت نصیب رہی اور بے پناہ محبت ملی۔

؎ آنے والی نسلیں تم پر فخر کریں گی ہم عصرو
تم نے فراق سے باتیں کی ہیں تم نے فراق کو دیکھا ہے

دل میں ہمیشہ زندہ رہنے کی آرزو پوری ہوئی، حضرت جیؒ کے ساتھ میں نے دوسو گیارہ پروگرامز کیے اور مجھے یقین ہے کہ آنے والی نسلیں حضرت جیؒ سے اپنے سوالات کے جوابات جاننے کے لیے اس پروگرام کو انٹرنیٹ پر ضرور سرچ کریں گی اور اس پروگرام میں حضرت جیؒ کے ساتھ میری موجودگی مجھے کبھی مرنے نہیں دے گی۔

حضرت جیؒ کے ساتھ گزرے وہ تمام لمحات میری زندگی کا اثاثہ ہیں، اب میرا سارا وقت اس تعلق کو سنبھالنے میں گزرتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 108 پر)

صبح کا استعارہ

وہ جس کا نام ہی صبح کا استعارہ تھا
وہ شخص ہم کو دل و جان سے بھی پیارا تھا
وہ جس کی باتیں فضاؤں میں گل کھلاتی تھیں
وہ جس کی نظریں نئے راستے دکھاتی تھیں

قامت پہ جس کی سرو و صنوبر نثار تھے
چہرے پہ جس کے رنگ تھے سارے بہار کے
وفا کی رسم سے جس نے کیا شناسا ہمیں
وفا کی قدر سے اس نے دیا دلاسہ ہمیں

وہ جس نے غم میں ہمیں مضمحل نہ ہونے دیا
وہ جس نے قصۂ غم مشتہر نہ ہونے دیا
سب کی طلب کا سب کے ظرف کا لحاظ تھا
وہ ساقی خوش خصال بلا کا فیاض تھا

ہر راہرو کے دم کا قدم کا خیال تھا
الفت کی مشکل راہ کا رہبر کمال تھا
ہجر کی دھوپ میں جو سایہ ہمارے سر کا ہے
وہ مہربان شجر بھی اسی کے گھر کا ہے

اک شخص تھا وہ کیا کہیں کہ کیا کیا نہ تھا
سارے جہاں میں اس سا کوئی دوسرا نہ تھا

مسز عابدہ سرور اعوان

☆☆☆

ایک ہمہ جہت شخصیت

امجد محمود اعوان-اسلام آباد

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت تھے کہ جن کے بارے بندہ جب یہ خیال کرتا ہے کہ میں کچھ لکھوں تو اتنے پہلو ہیں کہ ہم جیسے کم علموں کو اِن میں سے کسی ایک کا بھی احاطہ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ میں حضرت جیؒ کے ساتھ کئی ایک نشستوں میں بیٹھا اور مختلف موضوعات پر حضرت جیؒ نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ لیکن ان سب میں ایک منفرد بات یہ تھی کہ آپؒ کی گفتگو ہمیشہ بے لاگ ہوا کرتی تھی۔ جو بات بھی زبانِ حق ترجمان پر آئی آپؒ نے فرما دی۔

اللہ کریم نے ہم جیسے نالائقوں کو وہ عظیم ہستی عطا فرمائی جو صدیوں بعد دنیا میں آتی ہے۔ بحیثیت سالک جو مجھے محسوس ہوا ہے وہ یہ کہ آپؒ کی بارگاہ میں جو حاضر ہوا وہ اپنے دل کی دنیا کو اللہ کے نام کے ساتھ مزیّن کر گیا۔ حضرت جیؒ برکات کی تقسیم کے وہ بحرِ بیکراں تھے کہ کوئی کتنا ہی گناہوں کی دلدل میں لتھڑ کر حاضر ہوا، آپؒ نے اُسے وہ توجہ عطا فرمائی کہ اُس کی زندگی بدل کر رہ گئی۔ میں نے کئی احباب کو دارالعرفان جاتے ہوئے دیکھا جو مختلف شبہات کے ساتھ گئے لیکن جب آپؒ کا بیان سنا، محفل میں بیٹھے اور جب واپس آئے تو وہی لوگ حضرتؒ کے ہر ایک جملے کی تعریف کرتے نظر آئے۔ ہم سالکین کو حضرتؒ نے وہ محبت اور وہ پیار عطا فرمایا اور سب سے بڑھ کر ہمیں گناہوں اور بے نظم زندگی سے ہٹا کر اُس رستے پر ڈال دیا کہ ہر عمل پہ یہ خیال دل میں آجاتا ہے کہ یہ عمل سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ دنیوی لحاظ سے آپؒ کی صحبت نے وہ تربیت وہ توکل اور وہ یقین عطا فرمایا کہ الحمدللہ اللہ کریم کے علاوہ کسی سے کوئی اُمید نہ رکھی۔ اگر ہم اِسی دولت اور اِسی ایک احسان کا بدلہ اتارنا چاہیں تو نہیں اتار سکتے۔ اللہ کریم حضرتؒ کے درجات کو بلند فرمائیں۔ میں آپ سے ایک واقعہ شیئر (share) کرنا چاہتا ہوں۔ 2016ء کے آخر میں میں نے اور میری بیگم نے حج پر جانا تھا تو آپؒ کے پاس حاضر ہوئے آپؒ سے عرض کی کہ ہم حج پر جا رہے ہیں دُعا کی درخواست ہے اور آپ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیں آپؒ نے فرمایا کہ ''اِس مبارک سفر میں اپنے ہر عمل کو سنتِ خیر الانام ﷺ کے مطابق ادا کرنا۔''

حج کے ہر رکن میں حضرتؒ کی یہ بات یاد رہی کوشش کی کہ کوئی بھی عمل سنت سے باہر نہ ہو۔ آپؒ کی توجہ مجھے حرم پاک، منیٰ، عرفات، مزدلفہ ہر جگہ محسوس ہوئی۔ مدینہ منورہ جب حاضری ہوئی تو مختلف لوگوں نے کہا کہ ہمارا اسلام روضۂ اطہر پر پیش کرنا ہے۔ جب حاضری کے لیے گئے تو کیفیت یہ تھی کہ اِس بارگاہ میں، میں اپنا سلام ہی پیش کر سکوں تو بہت بڑا کام ہوگا چہ جائیکہ کہ دوسروں کا سلام۔ میں نے کسی کا سلام عرض نہ کیا اور واپس آ گیا۔ جب یہاں پاکستان پہنچا تو پتہ چلا کہ حضرتؒ نے اِس طرح سلام بھیجنے اور کسی کا سلام پیش کرنے کو آداب کے منافی فرمایا ہے۔ حضرتؒ 2017ء کے آخر میں اسلام آباد تشریف لائے تو حضرتؒ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا۔ یہی بات عرض کی کہ آپ نے روبرو تو رہنمائی نہیں فرمائی تھی لیکن وہاں میرے دل میں اُس بات کا خیال آ گیا تھا جو آپ یہاں فرما رہے ہیں۔ تو حضرت جیؒ نے فارسی کا کوئی فقرہ بیان فرمایا کہ دلوں کی باتیں دلوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ حضرتؒ نے المرشد سوال و جواب کے 200 سے زائد

پروگرام ریکارڈ کروائے۔ کئی ایک پروگراموں کی ریکارڈنگ کے موقع پر وہاں موجود تھا۔ جب سوال ہوتا تو وہ بہت بڑا نظر آتا لیکن آپ جب پہلا ہی جملہ ارشاد فرماتے تو ایسے لگتا کہ یہ تو کوئی مشکل سوال ہے ہی نہیں اور ایسا جامع اور زبردست جواب ارشاد فرماتے کہ تشفی ہو جاتی۔ یہاں ایک بات عرض کروں کہ آپ کے سامنے سوال آتا تو گویا جواب آپؒ کی خدمت میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا کہ میں، جواب، حاضر ہوں۔ یہ باتیں میں اپنے شیخ کی محبت میں ضرور عرض کر رہا ہوں لیکن اگر آپ خود کسی ایک سوال کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کی کیفیت بھی یقیناً یہی بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگی۔

حضرتؒ کے ہاں، ہم سالکین کے علاوہ بھی جو حاضر ہوتا، وہ دین اور دنیا کے لحاظ سے بہترین رہنمائی پاتا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ باطنی تربیت سے لے کر ظاہری اصلاح تک ایسی تربیت فرماتے کہ کسی اور کی ضرورت نہ رہتی۔ جسمانی بیماریوں میں کئی لاعلاج امراض مثلاً کینسر، ہیپاٹائٹس، تھائی رائیڈ وغیرہ کیلئے نقش عطا فرماتے اور اللہ کے کرم سے وہ مرض باقی نہ رہتا اور ڈاکٹرز اگلے Tests کی رپورٹس دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ نے نقش سے علاج کو روحانی علاج نہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ یہ علاج جسمانی ہے اور اسی طرح ہے جیسے آپ کسی مرض کے لیے انجکشن اور دوا لیتے ہیں بالکل اسی طرح یہ بھی اللہ کے کلام کے ذریعے دوا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آج بھی یہ سب کچھ اِس در پر بالکل اُسی طرح مل رہا ہے اور وافر مل رہا ہے۔ بس ایک شرط ہے کہ بندہ خلوصِ دل اور کھری نیت سے حاضر ہو۔

حضرتؒ نے جہاں ہماری باطنی اصلاح فرمائی اور راہِ سلوک کی اُن منازل سے روشناس کروایا جو کہ پچھلے وقتوں میں بہت بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد نصیب ہوتے تھے۔ میرے ذہن میں یہ سوال آتا کہ جب ہم پہلے لوگوں کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اُنہیں تو یہ منازلِ سلوک بہت زیادہ مجاہدہ کرنے کے بعد نصیب ہوئیں۔ اپنے شیخ کے پاس کئی کئی سال کا عرصہ گزارنا پڑا اور مختلف پابندیوں سے بھی گزرے جبکہ ہم ایک عام انسان کی طرح اپنی معمول کی زندگی گزار رہے ہیں۔ گھر بار، ملازمت اور آسانیاں وغیرہ۔ صرف ایک پابندی ہے کہ کوئی کام خلافِ شرع نہ ہو۔ ہمیں یہ سب کچھ اتنی آسانیوں کے ساتھ مل گیا۔ الحمد للہ! سلسلہ عالیہ میں بہت سے احباب ماشاء اللہ اعلیٰ منازل تک پہنچے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت جیؒ سے بات ہوئی حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ معاشرے میں دو قوتیں ہمہ وقت رہتی ہیں ایک ظلمت یعنی برائی اور گناہ اور دوسری نور یعنی نیکی اور اچھائی کی۔ اِس وقت دنیا میں ظلمت اور تاریکی کی نحوست اِس حد تک بڑھ گئی ہے کہ دوسرے پلڑے میں اللہ کریم نے حصولِ برکات بھی آسان فرما دی اور ہمیں یہ نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے تا کہ توازن رہے۔

میں حضرت جیؒ کی توجہ کے بارے میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خیمہ بستی کے ایام میں ایک ذکر ایسا حضرت نے کرایا کہ میرے خیمے میں جب ذکر مکمل ہوا تو ہم اپنی جگہ پہ نہ تھے بلکہ کوئی کس کونے میں اور کوئی کس کونے میں تھا۔ اِسی طرح اجتماع میں بھی ایک دو دفعہ ایسا ذکر ہوا کہ جس میں یہی کیفیت وارد ہوئی۔ میں یہاں ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرتؒ توجہ کی بوتل میں سے صرف چند چوڑیاں ہی ڈھیلی کرتے ہیں تو ہماری یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ہم برداشت نہیں کر پاتے اور اگر اِس سے زیادہ دے دیں تو ہم بے خود ہو جائیں۔

حضرتؒ کو اگر بحیثیت مفسرِ قرآن دیکھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ تاریخ میں ایسی کوئی ہستی خال خال ہی گزری ہوگی جس نے اپنی زندگی میں ایک سے زائد قرآن کی تفاسیر لکھی ہوں لیکن آپؒ نے تین تفاسیر فرمائیں۔ اسرار التنزیل، اکرم التفاسیر اور رب دیاں گلاں۔ اِن تینوں تفاسیر کی اپنی خصوصیت ہے جو کہ ایک عالم سے لے کر ایک عام آدمی تک کی بیک وقت مثالی رہنمائی فرماتی ہیں۔ آپؒ نے قرآنِ مجید کا آسان فہم ترجمہ فرمایا جو کہ بغیر کسی حاشیے کی عبارت کے ایک تسلسل کے ساتھ قاری پڑھتا چلا جاتا ہے اور فرمایا گیا مفہوم بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 120 پر)

حضرت قاسم فیوضات رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ۔۔۔

(محمد طارق محمود اویسی)

قارئین کرام! یہ واقعہ میرے بچپن سے شروع ہوتا ہے کہ گوجرانوالہ محلہ عثمان پارک میں ایک دودھ دہی کی دوکان پہ تھا۔ میں صبح سے لے کر رات تک کام کرتا تھا اُسی محلے میں ایک ہستی رہتی تھی حکیم شوکت علی رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ دوکان پر روزانہ دودھ پینے کیلئے آیا کرتے تھے اور اس طرح سے انہوں نے مجھے دوست بنا لیا اور ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق بڑھتا گیا۔ وہ فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے، بہت اچھا کھیلتے تھے اور کبھی کبھی مجھے بھی فٹ بال کھیلنے کیلئے اپنے ساتھ لے جاتے اور میں چلا جاتا حالانکہ مجھے فٹ بال کھیلنا نہیں آتا تھا لیکن پھر بھی وہ مجھے ٹیم میں شامل کر لیتے اور میں بھی ان کے ساتھ کھیلنے لگ جاتا۔ یہ سلسلہ کچھ عرصہ یونہی چلتا رہا پھر انہوں نے مجھے ذکر کی دعوت دینی شروع کی اور میں کبھی کبھی اُن کے ساتھ ذکر میں شامل ہو جاتا، بیٹھ جاتا اور یہ سلسلہ کچھ دیر تک یونہی چلتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ انہوں نے حضرت جیؒ کا تعارف کروانا شروع کیا اور پھر اکثر ہی ہماری گفتگو حضرت جیؒ کی ذات پر ہوتی۔ کبھی کبھی تو رات گئے تک ہماری گفتگو چلتی رہتی یہاں تک کہ صبح کو جلدی اُٹھا بھی نہ جاتا اور دوکان بھی لیٹ کھلتی۔ ایک دن حکیم شوکت علی نے کہا کہ یار ہمارا ایک اجتماع آرہا ہے۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ اجتماع کیا ہوتا ہے تو اس پر انہوں نے کہا کہ یار میلہ ہوتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ ہاں بزرگوں کے میلے ہوتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اسی طرح کا میلہ ہمارا آرہا ہے اور مجھے ساتھ چلنے کی دعوت دی جس کو میں نے قبول کر لیا اور ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گیا۔ اس دفعہ اجتماع لنگر مخدوم تھا۔ میں اُن کی دعوت پر اجتماع کیلئے ان کے ساتھ بس میں سوار ہو گیا۔ وہ پوری بس ساتھیوں سے بھری ہوئی تھی۔

راستے اتنے زیادہ صحیح نہیں تھے۔ بڑا دشوار سفر ہوا، میں پریشان ہو گیا۔

میری زندگی کا پہلا سفر تھا اس طرح سے اس سے پہلے میں کبھی بھی کسی دربار پر نہیں گیا تھا۔ میں خیال کر رہا تھا کہ پتہ نہیں یہ میلا کیسا ہوگا؟ سفر کرتے کرتے شام ہو گئی تقریباً مغرب کے وقت ہم وہاں پہنچ گئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یار یہ کیسا میلہ ہے جو رات کو ہوگا عجیب کشمکش میں تھا۔ خیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم لنگر مخدوم پہنچ گئے بس سے اُترے تو میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ وہاں تو گاڑیوں کی لائن لگی ہوئی تھی اور بہت اعلیٰ درجے کی گاڑیاں وہاں دیکھ کر میں یہ سوچنے لگا کہ یہ کیا ماجرا ہے کوئی آبادی نہ تھی ہر طرف اونچا اونچا کماد ہی کماد نظر آرہا تھا۔ گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں بس سے اُتر کر تھوڑا سا پیدل چلنا پڑا اور آگے ایک چھوٹی چھوٹی چار دیواری سی بنی ہوئی تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ساتھیوں کا ایک ہجوم مجھے نظر آیا۔ زیادہ تر عمر رسیدہ لوگ تھے اور کافی ہائی کلاس لوگ تھے۔ مجھے شوکت صاحب نے فرمایا کہ وضو کر لو اور نماز کی تیاری کرو چنانچہ میں بھی اور دوسرے لوگ بھی وضو کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ نماز مغرب کے بعد ہم دوسری طرف چلے گئے جدھر سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سب ساتھی زمین پر بیٹھے ہوئے تھے صرف ایک چارپائی تھی جو تقریباً درمیان میں بچھی ہوئی تھی اور اوپر سائبان کا اہتمام بھی تھا۔ اوپر بستر لگا ہوا تھا اور

تمام ساتھی اُس چارپائی کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی شور نہ تھا البتہ ہلکی ہلکی سی سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ ہم لوگ بھی تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر جدھر جگہ تھی وہاں پر بیٹھ گئے۔ موسم کا زیادہ تو میں اندازہ نہیں لگا سکتا البتہ اتنی زیادہ سردی نہ تھی اور گرمی بھی اتنی نہ تھی۔ بڑے آرام سے ہم اُدھر بیٹھے ہوئے تھے تھوڑی ہی دیر بعد میرے کانوں میں آواز آئی کہ حضرت جیؒ آگئے۔ میں ایک دم چونک گیا کہ کون آگئے میں نے دیکھا کہ ایک طرف سے ایک ایسی ہستی تشریف لا رہی ہے جس کو دیکھ کر میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا۔ ایسی ہستی میں آج پہلی بار دیکھ رہا تھا اُس ہستی کے بارے میں کچھ لکھوں میرے بیان سے باہر ہے۔ اس طرح کا قد اور اس طرح کی وجاہت میں آج پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ حضرت جیؒ کا قدم مبارک رکھنا ہی تھا کہ سارے ساتھیوں میں ایک دم خاموشی چھا گئی کسی کے سانس لینے کی آواز تک نہ آرہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا کہ اتنے بڑے مجمعے میں کوئی ہے ہی نہیں۔ میرا دل تیزی کے ساتھ اُسی طرح دھڑک رہا تھا اور میں خوفزدہ ہو گیا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے اور میں بالکل گھبرا گیا مگر میں کیا کر سکتا تھا گھبراہٹ کی وجہ سے مجھے پسینہ آنے لگا مگر میں بھی اُسی خاموشی میں خاموش تھا۔ حضرت جیؒ چارپائی پہ بیٹھ گئے اور بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد حضرت جیؒ نے کمر کے گرد بندھی بیلٹ کھولی اور اُس میں اپنا ریوالور نکالا۔ پتہ نہیں ریوالور تھا یا پسٹل اس وقت مجھے اتنی بھی سمجھ نہ تھی۔ حضرت جیؒ نے ریوالور نکالا تو میرا مارے خوف کے کوئی حال نہ رہا میں نے سوچا کہ اب یہاں پر کچھ ہو گا۔ ساتھیوں کے اندر خاموشی اُسی طرح تھی۔ کسی طرف سے بھی کوئی آواز نہ آرہی تھی۔ تھوڑی دیر تک حضرت جیؒ اپنے ریوالور کو کچھ کرتے رہے پھر قریب کچھ بزرگ بیٹھے ہوئے تھے ان سے مخاطب ہوئے اور بات چیت فرمانے لگے مجھے نہیں پتہ کیا بات چیت ہو رہی تھی مختصری گفتگو کے بعد ایک بزرگ کی آواز آئی کہ ساتھی نماز عشاء کی تیاری کریں۔ پھر کچھ ساتھیوں میں حرکت آئی اور نماز کی تیاری کرنے لگے۔ کچھ وضو کی طرف چلے گئے اور باقی ساتھی صفوں میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد جماعت کھڑی ہو گئی۔ نماز کے تھوڑی ہی دیر بعد ذکر شروع ہو گیا۔ ذکر کی روٹین میری تھوڑی بہت پہلے سے تھی۔ حکیم شوکت علیؒ نے راہنمائی کی ہوئی تھی میں بھی ذکر میں شامل تھا جس طرح کا ہو رہا تھا بس شامل تھا۔

یہاں پر ایک اور بات عرض کروں وہ جو میری کیفیت تھی دل کے دھڑکنے کی وہ نماز کے وقت کچھ بہتر ہو گئی تھی۔ اب اُس طرح کی نہیں تھی ذکر کا دورانیہ تقریباً 45 منٹ کا ہی تھا۔ ذکر کے بعد کچھ ساتھی بزرگ حضرت جیؒ کے قریب بیٹھ گئے اور کچھ آرام کیلئے ایک طرف ہو گئے۔ مجھے بھی حکیم شوکت علیؒ تھوڑی دُور ہٹ کر ایک جگہ پر آرام کرنے کیلئے لے گئے۔ کوئی بات نہ انہوں نے کی اور نہ ہی میں نے کی اور میں سو گیا۔ تقریباً 2:30 کا وقت ہو گا کہ حکیم شوکت علیؒ نے مجھے جگایا اور نماز تہجد کی تیاری کرنے کو کہا۔ میں اُٹھا اور دیکھا کہ ساتھی لوٹے بھر کر پانی کے ایک طرف کھلی زمین تھی اُدھر کو رفع حاجت کیلئے جا رہے تھے۔ میں نے بھی لوٹے میں پانی لیا اور اُدھر چلا گیا۔ رفع حاجت کے بعد وضو کیا اور نماز تہجد ادا کرنے لگا۔ یہ سارے معمولات ہو رہے تھے مگر کسی کے بات کرنے کی آواز نہیں آرہی تھی۔ تھوڑی دیر تک ساتھی نماز تہجد کے بعد صفوں میں بیٹھ گئے اور پھر ذکر شروع ہو گیا۔ میری ذکر کی اس طرح کی روٹین نہیں تھی مگر میں صف میں بیٹھ گیا اور ذکر میں شامل ہو گیا۔ دوران ذکر ہی نماز فجر کی اذان کی آواز آئی۔ ذکر کرنے کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ اس کے بعد ایک سفید ریش بزرگ اُٹھے اور انہوں نے حدیث پاک پر درس دیا۔ اس کے بعد حضرت جیؒ بھی آرام کیلئے چلے گئے اور ساتھی بھی کچھ سیر کو نکل گئے اور کچھ آرام کرنے کیلئے لیٹ گئے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد آواز آئی کہ ساتھی ناشتہ کیلئے آجائیں۔ بڑا حیران کر دینے والا منظر تھا میرے لیے کہ اس طرح ویرانے میں اتنے بڑے ہجوم میں ساتھیوں کیلئے ناشتہ کہاں سے آئے گا؟ رات کو تو مجھے پتہ نہیں تھا مگر اب دن تھا تو میں نے اُٹھ کر دیکھا کہ دوسری طرف کچھ ساتھی ناشتہ تیار کرنے میں

معروف تھے۔ بڑی بڑی دیگیں تھیں چائے کی اور چائے کیلئے پیالیاں موجود تھیں۔ ساتھیوں کی بہت زیادہ قطاریں بن گئیں اور پھر چائے اور رس کا ناشتہ ملنے لگا۔ میں نے بھی ایک صف میں بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد ساتھی اس علاقے میں سیر کیلئے ادھر اُدھر جانے لگے۔ میں اُس جگہ کا نظارہ کرنے لگا تھوڑا سا چل پھر کر آ کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ یار یہ کیسا میلہ ہے۔ یہ پہلا میلہ تھا کہ جس میں سوائے ذکر کے اور عبادات، نماز کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پھر اچانک میری توجہ حضرت جیؒ کی طرف چلی گئی۔ میں سوچنے لگا یار یہ کیسی ہستی ہیں، اس طرح کا ماشاء اللہ سے قد کاٹھ، اس طرح کی وجاہت، اس طرح کا اندازِ بیان اور جرأت والی گفتگو، بات کرنے کا ایک ایسا انداز کہ اتنے بڑے مجمعے میں، اجتماع میں کوئی ساتھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکے۔ کسی کی آواز تک نہ آئے یہ سارا کچھ ایک ہستی میں کیسے ممکن ہے؟ حضرت جیؒ کا خیال آتے ہی میں ہر چیز سے بے خبر ہوگیا مجھے تھوڑی دیر کیلئے کوئی پتہ نہ تھا کہ میں کہاں بیٹھا ہوں اور اِدھر اُدھر کیا ہو رہا ہے؟ میں بس حضرت جیؒ کی ذات میں کھویا ہوا تھا۔ حضرت جیؒ کی ذات مجھے ہر طرح سے متاثر کر رہی تھی میں نے آج تک اس طرح کی ہستی نہ دیکھی تھی کہ اچانک میرے کانوں میں آواز آئی کہ ساتھی کھانے کیلئے صفیں بنالیں۔ شاید 11 بجے کا وقت ہوگیا تھا اور یہ آواز سنتے ہی لمبی لمبی قطاریں بننے لگیں پھر ایک ترتیب کے ساتھ ایک طرف سے کھانا تقسیم ہونے لگا میں بھی ایک قطار میں بیٹھ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں میرے سامنے بھی کھانا آ گیا۔ ایک پیالی میں سالن تھا اور تندور کی روٹیاں تھیں۔ آلو گوشت کا سالن تھا میں نے جب کھانا شروع کیا تو کھانے میں مجھے عجیب طرح کی لذت محسوس ہوئی۔ اس طرح کا پُرکیف کھانا میں نے پہلے کبھی نہیں کھایا تھا۔ جب میں پیالی والا سالن ختم کر چکا تو میری طلب ابھی ختم نہ ہوئی تھی تو میں نے دوبارہ سالن طلب کیا تو مجھے ساتھی نے کہا کہ بھائی سالن دوبارہ نہیں ملے گا۔ میں سوچنے لگا کہ میں کیا کروں میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی میں وہاں سے اُٹھ کر آگے والی صفوں میں جا کر بیٹھ گیا جہاں ابھی کھانا تقسیم نہ ہوا تھا اور تھوڑی دیر میں مجھے ایک سالن کی پیالی پھر مل گئی اور یوں میں دوسری دفعہ کھانا کھانے لگ گیا۔ جب میں کھانا کھا چکا تو لذت اس طرح کی تھی کہ طلب ابھی باقی تھی مگر میں اب تیسری دفعہ نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ساتھی آپس میں باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آواز آئی کہ حضرت جیؒ کا بیان شروع ہونے والا ہے۔ ساتھی ایک کھلی سی جگہ پر جمع ہونا شروع ہو گئے سامنے حضرت جیؒ کے بیٹھنے کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ساری جگہ بھر گئی اور پھر تھوڑی ہی دیر میں حضرت جیؒ تشریف لے آئے ماشاء اللہ ایک طرف سے آ رہے تھے، سب ساتھیوں کی نظریں ادب سے دیدار کر رہی تھیں۔ وجاہت اس طرح کی تھی کہ کوئی ساتھی حضرت جیؒ کی نظر مبارک سے اپنی نظر نہیں ملا سکتا تھا اللہ اکبر! حضرت جیؒ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اور پھر ایک بزرگ اُٹھے اور انہوں نے کہا کہ جن حضرات نے ظاہری بیعت کرنی ہے وہ آگے آ جائیں۔ جب یہ الفاظ میرے کانوں میں پڑے تو پتہ نہیں مجھے کون سی طاقت نے اپنی جگہ سے اُٹھایا اور میں اگلی صف میں چلا گیا اور اس بات کو میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ مجھے تو بیعت کا پتہ تک نہ تھا کہ یہ کیا ہوتی ہے؟ کیوں ہوتی ہے؟ کیسے کی جاتی ہے؟ اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ان سارے سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا اور بھی بہت سے ساتھی اگلی صف میں آ گئے تو اُن بزرگوں نے بیعت کرنے کا طریقہ سمجھایا اور سبھی ساتھیوں نے ایک لمبی سی چادر کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ میں نے بھی چادر کو اپنے دائیں ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ لیا اور جیسے انہوں نے سمجھایا تھا ویسے ہی حضرت جیؒ کے پیچھے پیچھے الفاظ دہراتا گیا اور جب انہوں نے فرمایا کہ آپ کو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں بیعت کیا اور اُس کی نسبت آپ کو عطا کی تو الحمدللہ بندہ ناچیز نے بھی ساتھیوں کے ساتھ اس نسبت کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کے ساتھ اس دنیا سے ایمان والی شہادت

والی موت نصیب فرمائیں آمین ثم آمین!

اُس کے بعد پھر حضرت جیؒ کا بیان شروع ہوا اور مجھے نہیں یاد کہ حضرت جیؒ نے کس موضوع پر بیان فرمایا میں تو بس حضرت جیؒ کو دیکھتا ہی رہا۔ بیان کے بعد جب حضرت جیؒ دعا کے بعد اپنی جگہ پر تشریف لے گئے اس کے بعد نماز ادا کی گئی اور حضرت جیؒ دوسری طرف چلے گئے اور میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر حکیم شوکت علیؒ کو ڈھونڈنے لگا۔ جب میری نظران پر پڑی تو ان کے پاس گیا اور وہ لائحہ عمل چھوٹی سی کتاب ان کو دکھائی جو بیعت ہونے والوں کو ملی تھی تو انہوں نے مجھے خوشی سے اپنے سینے سے لگا لیا اور میں اُن سے سوائے آنسوؤں کے کوئی بات نہ کر سکا اور پھر انہوں نے کہا کہ اب ہم تھوڑی دیر میں واپسی کیلئے روانہ ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں ہم واپسی کیلئے باہر نکل رہے تھے تو حضرت جیؒ اور کچھ ساتھی ایک قبر مبارک پر فاتحہ خوانی کر رہے تھے بندہ ناچیز بھی اس میں شامل ہو گیا اور پھر ہم اپنی بس میں سوار ہو گئے اور ہماری بس نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

قارئین کرام! یہ تھا بندہ ناچیز کا حضرت جیؒ سے ملاقات کا پہلا دن اور واقعہ پہلی ہی ملاقات میں اللہ تعالیٰ نے سلسلے کے ساتھ جوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو تا ابد ہمیشہ قائم رکھیں۔ آمین ثم آمین!

قارئین کرام! اُس کے بعد باقاعدہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے روٹین شروع ہو گئی اور ذکر کے حلقہ جات میں شمولیت، اجتماعات کی باقاعدگی اور ساتھیوں سے میل جول بڑھتا چلا گیا۔ پھر دارالعرفان منارہ میں آنے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حکیم شوکت علیؒ نے بڑی شفقت سے تربیت پر محنت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین!

قارئین کرام! بندہ ناچیز کو لاہور کے موچی دروازہ میں حضرت جیؒ کے جلسہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس میں حضرت جیؒ نے جو موت کی بیعت لی اسے میں نے قبول فرمایا۔ الحمدللہ! اس سے قبل شیرانوالہ باغ میں حضرت جیؒ کا جلسہ ہوا اس میں شمولیت کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ بندہ ناچیز کی زندگی میں حضرت جیؒ کی کرامات کے واقعات بہت ہیں ان میں سے ایک واقعہ شیئر کرنا چاہتا ہوں:

سلسلۂ عالیہ میں آنے کے بعد میری بائیں ٹانگ کے نچلے حصے میں ہڈی کے اندر تکلیف شروع ہو گئی۔ شروع شروع میں ادھر اُدھر کا علاج چلتا رہا، درد بڑھتی گئی یہ درد زیادہ تر رات کے وقت ہوتی اور اتنی زیادہ ہوتی کہ برداشت سے باہر ہو جاتی۔ گوجرانوالہ کے تقریباً تمام اچھے آرتھوپیڈک سرجن سے علاج کرواتے کرواتے پانچ سال کا عرصہ گزر گیا لیکن درد ختم نہ ہوئی۔ بہت زیادہ ایکسرے اور ٹیسٹ کروائے گئے اس دوران ہڈی کے اندر گودے میں ایک بہت بڑا نشان نظر آیا۔ بالآخر ڈاکٹر حضرات نے لاہور میں ایک پروفیسر ڈاکٹر عامر عزیز کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ جب لاہور اُن کے پاس گئے تو انہوں نے آپریشن کرنے کیلئے کہا کہ آپ کی ہڈی کی نلی کے اندر جو گودہ ہے اس کو نکالنا پڑے گا اور اس کا ٹیسٹ کروائیں گے اور آپ کی ہڈی ادھر سے خراب ہو گئی ہے۔ معاملہ بڑا پیچیدہ ہو گیا چنانچہ تکلیف زیادہ تھی، بڑی پریشانی تھی اور بندہ ناچیز اور گھر والے آپریشن کیلئے تیار ہو گئے۔ آپریشن کی تاریخ مل گئی اور آپریشن سے پہلے گھر میں بڑی پریشانی تھی کہ پتہ نہیں کیا ہو گا اور ایک دن میں نے دارالعرفان منارہ میں حضرت جیؒ کے پاس آنے کا ارادہ کر لیا اور دارالعرفان منارہ میں آ گیا۔ سلطان صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑی تفصیل سے بات سنی اور پھر حضرت جیؒ کے پاس اندر کمرے میں لے گئے جہاں حضرت جیؒ تشریف فرما تھے۔ کچھ ساتھی اور بھی بیٹھے تھے شاید ملاقات والے تھے۔ یہ لحہ میری زندگی میں پہلا لحہ تھا کہ میں اپنے شیخ کے اتنا قریب تھا۔ وہ کیفیت میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا مجھ سے بات نہیں ہو رہی تھی اور مجھے تیزی سے پسینہ آ رہا تھا اور سلطان صاحب نے ہی بندہ ناچیز کی تکلیف کا حضرت جیؒ کو بتایا اور حضرت جیؒ نے اُسی وقت

نقش لکھ کے دے دیئے اور سلطان صاحب مجھے باہر لے گئے اور پھر سمجھایا کہ نقش بھی استعمال کریں اور ڈاکٹر کا علاج بھی کریں اور پھر لاہور میں گھر کی ہسپتال میں آپریشن بھی کروایا۔ آپریشن آپریٹ کے بعد آغاخان لیبارٹری سے ٹیسٹ رپورٹ 15 دن کے بعد آئی اور اُس میں کچھ بھی نہ نکلا وہ بالکل کلیئر رپورٹ آئی۔ خود ڈاکٹر عامر عزیز حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ہڈی بھی خراب نہیں نکلی اور رپورٹ میں بھی کچھ نہیں آیا اُس کی سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ ایسا واقعہ آج تک نہیں ہوا ہے لہٰذا انہوں نے آپریشن کے بعد زخم کو ٹھیک کرنے کیلئے دوائی دی اور ہدایت کی کہ آپ نے زیادہ وزنی کام زندگی میں نہیں کرنا بس چلنے پھرنے کی حد تک ٹھیک ہے۔ زیادہ سے زیادہ 10 کلو کا وزن آپ اُٹھا سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ زخم ٹھیک ہونے کے بعد چونکہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ میرا کام دودھ دہی کا تھا اور وہ بڑا وزنی کام ہوتا ہے۔ زیادہ وزن کے دودھ والے ڈرم ہوتے ہیں وہ اُٹھانے پڑتے ہیں۔ زخم ٹھیک ہوتے ہوتے تقریباً چھ ماہ لگ گئے۔ لیکن جتنا وزنی کام میں آپریشن سے پہلے کرتا تھا اُس سے زیادہ وزنی کام میں نے آپریشن کے بعد کیا اور آج تک کر رہا ہوں، چھوڑ نہیں دیا اور وہ درد مجھے آج تک نہیں ہوئی ہے اور اب تو مجھے کام کرتے کرتے یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ میں نے احتیاط کرنی ہے۔ یہ حضرت جیؒ کی کرامت ہے اور بھی بہت سی حضرت جیؒ کی کرامات ہیں جو میرے ساتھ زندگی میں ہوئیں اور جن کو کبھی بھی میں کسی لمحے بھلا نہیں سکتا۔ حضرت جیؒ وہ ہستی تھیں جو سراپا کرامات تھیں۔ میرے بس کی بات نہیں کہ میں حضرت جیؒ کی کرامات کو گن سکوں یا کسی شمار میں لاسکوں۔ بندہ ناچیز تو بہت ہی کم علم ہے، کمزور ہے یہ تو سلسلۂ عالیہ کی نسبت ہے جو شیخ عطا کرتے ہیں کہ کچھ عرض کرنے کی اللہ رب العالمین نے توفیق عطا فرمائی۔

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ موجودہ شیخ حضرت امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی کو تندرستی، صحت اور لمبی زندگی عطا فرمائیں، اُن کی حفاظت فرمائیں اور اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھیں اور حضرت جیؒ کے درجات کروڑوں کروڑوں ہر آن بلند فرمائیں اور تمام ساتھیوں کو سلسلۂ عالیہ کے ساتھ اور اپنے موجودہ شیخ کے ساتھ وفا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

بقیہ صفحہ نمبر 115 سے آگے

آپؒ کا خاص شعبہ تصوف ہے اور اِس پر آپ کی بہت زبردست تصانیف موجود ہیں مثلاً کنوزِ دل، رموزِ دل اور محافلِ شیخ وغیرہ۔

آپؒ نے شعری مجموعے بھی لکھے جن کا اپنا ایک انداز ہے۔ اور اُس میں خصوصاً آپؒ کی لکھی گئی نعتیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپؒ کی بہت سے کرامتیں ہیں لیکن یہاں ابھی جس کرامت کا ذکر کروں گا وہ آپؒ کے صاحبزادے حضرت امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی ہیں جو کہ اِس وقت سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ اور تنظیم الاخوان کے سربراہ ہیں۔ آپؒ نے حضرت مدظلہ العالی کو اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی منتخب فرما دیا تھا اور سلسلہ عالیہ اور تنظیم الاخوان کی تمام ذمہ داریاں آپ کو سونپ دی تھیں۔ میں جس کرامت کا ذکر کرنے جا رہا ہوں وہ یہ ہے کہ آپؒ کے وصال کے ساتھ ہی جہاں نسبتِ اویسیہ آپ مدظلہ العالی کو منتقل ہوئی وہاں علوم کا وہ سمندر بھی آپ مدظلہ العالی کے سینے میں منتقل ہوا جس کے شاہد ہم سب ہیں کہ آپ مدظلہ العالی نے قرآن مجید کی شرح بیان کرنا شروع کی تو وہ گوہرِ نایاب سامنے آئے کہ جو پہلے سماعت سے نہ گزرے تھے اور مزید یہ کہ سلسلۂ عالیہ کے تمام شعبوں کو اِس احسن طریقے سے آگے لے کر چلے کہ ذرہ برابر بھی کہیں جُنبش نہ آئی۔ میں ابھی مزید لکھنا چاہتا ہوں لیکن انشاء اللہ آگے اِس کو جاری رکھنے کی کوشش کروں گا اور آپ سب سے بھی دُعا کی درخواست ہے کہ اللہ کریم ہمیں اِن عظیم ہستیوں کے ساتھ جوڑے رکھے۔ آمین

میرے شفیق شیخؒ

(سراج احمد رفعت، لاہور)

اللہ کریم میرے شیخؒ کے درجات کو بلند فرمائے آپ نے راہنمائی کا حق ادا فرمایا۔ 1985ء میں حضرت جیؒ سے مکہ مکرمہ کی سرزمین پر عجیب انداز میں ملاقات ہوئی۔ ہوا یوں کہ ایسے مقدس مقام پہ رہتے ہوئے طبیعت میں ایک عجیب سی تشنگی محسوس کر رہا تھا۔ مجھے حرمین شریفین میں رہتے ہوئے غالباً دس بارہ سال گزر گئے تھے۔ اس مقدس مقام سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔ مجھے یہ احساس تو تھا کہ اللہ کریم نے مجھ نالائق پر خصوصی کرم نوازی فرمائی اور اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا دیا اور بڑے اچھے شب و روز بسر ہو رہے تھے مگر اندر ہی اندر ایک طرح کی تشنگی محسوس کر رہا تھا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد طواف کر رہا تھا کہ اچانک دل میں خیال آیا کہ اپنے رب سے کیوں نہ مانگوں وہ ضرور میری مدد فرمائیں گے۔ تو میں غلاف کعبہ المشرفہ پکڑ کر اس بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہوا اور عرض کی کہ اے کریم رب! تیرے اور تیرے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں پوری دنیا سے انسان لاکھوں کی تعداد میں اُمڈ کر آ رہے ہیں ان کے اندر تیرے مقرب بندے بھی یقیناً ہوتے ہوں گے میری اپنے کسی مقرب بندے سے ملاقات کرا دے تاکہ مجھے یک گونہ سکون نصیب ہو۔ میری اس دعا کے غالباً دو مہینہ کے اندر اندر ایک دیرینہ ساتھی کے توسط سے حضرت جیؒ سے ملاقات ہوگئی اور میں الحمدللہ ثم الحمدللہ اپنے شیخ سے جڑ گیا اور سلسلہ عالیہ سے منسلک ہوگیا اور محسوس کیا کہ جس کی مجھے تلاش اور تشنگی تھی وہ پوری ہوگئی۔

حضرتؒ نے مجھے کوئی لمبی چوڑی نصیحت تو نہیں فرمائی صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ بیٹا دو ٹائم ذکر میں مداومت کرنا ہے اور میرے غریب خانہ کو مکہ مکرمہ کیلئے مرکز ذکر کا درجہ عطا فرما دیا۔ احباب جدہ طائف اور مکہ مکرمہ سے ہر ہفتہ میرے غریب خانہ تشریف لاتے اور میں ان کو ذکر کراتا۔ اللہ کریم نے میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو ہمہ پہلو مختلف صفات سے نوازا تھا جن کا احاطہ مجھ جیسے ناکارہ انسان کے بس کی بات نہیں مگر الامر فوق الادب کے تحت یہ چند سطور لکھنے کی جسارت کی ہے کیونکہ جناب مخدوم الطاف صاحب مدظلہ العالی اور محترم ایڈیٹر جناب محمد اجمل صاحب کے اصرار پر قلم اُٹھانے کی جرأت کی ہے۔ حضرت جیؒ بہترین مربی تھے اور اپنے ارشادات کو مخاطب کے دل میں اُتارنے کا فن جانتے تھے۔

اللہ کریم نے میرے شیخؒ کو زبان اور بیان پر پوری دسترس عطا فرمائی تھی۔ اس قدر عمدہ تشریح و توضیح فرماتے تھے کہ گویا سامعین کا دل موہ لیتے تھے۔ قرآن کریم کی تفسیر میں اس قدر اعلیٰ اسلوب اختیار فرمایا کہ آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ سادہ مگر دلنشیں انداز اختیار فرمایا کہ تبحر عالم بھی حیران رہ جاتا ہے۔ اللہ کریم نے میرے شیخؒ کو یہ خاص

ملاحیت ودیعت فرمائی۔ مختلف تفاسیر کے مطالعہ کا موقع ملا مگر جو لطف ولذت حضرتؒ کے بیان کردہ مفاہیم سننے اور پڑھنے سے حاصل ہوئی وہ اور کہیں نہیں ہوئی۔

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ جہاں ایک بہترین مقرر اور خطیب تھے وہاں بہترین شاعر بھی تھے۔ حضرتؒ کے کلام کے نو (۹) مجموعے چھپ چکے ہیں جن کو پڑھ کر عجیب وغریب کیفیات کا احساس ہوتا ہے جیسے کسی نے کیا خوب کہا کہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' حضرت اُستاد محترم کے پاکیزہ کلام سے عظیم جذبوں کا اظہار ہوتا ہے اور پڑھنے والے پر بیخودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے نعت لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ اکثر و بیشتر ہم نے دیکھا کہ حضرتؒ اپنے بیان میں جہاں بھی عشق رسول مقبول ﷺ کا ذکر کرتے تو آبدیدہ ہو جاتے اور ہم نے زندگی بھر یہی سیکھا کہ اسلام کا نچوڑ آقائے نامدار ﷺ کی غلامی ہے اور ان سے سچا عشق جو کہ ایک مومن مسلمان کے جذبہ عمل کو اُبھار دے اور زندگی بھر اتباعِ حبیب ﷺ اس کا اوڑھنا بچھونا بن جائے۔

اللہ کریم نے میرے شیخؒ، میرے مربی کو ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں میں ایسی عظمت عطا فرمائی تھی کہ میرا قلم ان کو اُجاگر کرنے سے قاصر ہے۔ میرے شیخؒ قدرتِ خداوندی کا عظیم شاہکار تھے ان کی قدر و قیمت آنے والے زمانوں کے لوگ لکھیں گے۔

حضرت جیؒ اپنے زمانے کے بہترین شکاری بھی تھے۔ اس فیلڈ میں بھی محیر العقول واقعات ملتے ہیں۔

حضرت جیؒ سے جب بھی ملاقات ہوتی تو ایک خاص انداز میں میرا نام لے کر حال احوال پوچھتے۔ ''سراج میاں کیا حال ہے؟'' مجھے اس قدر اپنائیت سے یاد فرماتے کہ میں تاعمر وہ لذت نہیں بھول سکتا۔ میری زندگی میں حضرت کی شفقت کا ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کو میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ حسبِ معمول حضرت جیؒ عمرہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ شروع شروع کے دو سال کیونکہ حضرتؒ کے ساتھ مختصر ساتھی ہوتے تھے اس لیے مکہ مکرمہ میں میرے ہاں قیام فرماتے تھے پھر احباب زیادہ ہوتے گئے تو پھر ہم رہائش کیلئے ہوٹل کا انتظام کرتے آخر میں تو حضرتؒ کی آمد کا سن کر امارات سے اور دیگر علاقوں سے حضرات عمرہ پر تشریف لانے لگے حتیٰ کہ دو اڑھائی سو ساتھی ہو جاتے۔

ہوٹل میں ہونے کے باوجود حضرتؒ ایک وقت کا کھانا میرے ہاں ضرور تناول فرماتے۔ ایک دفعہ ہوا یوں کہ حضرتؒ ایک ہفتہ مکہ مکرمہ رہ کر سیدھے مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں ہفتہ بھر رہ کر سیدھے جدہ تشریف لائے۔ اسی اثناء میں میری اہلیہ نے کہا کہ حضرتؒ نے اس دفعہ ہمیں میزبانی کی سعادت نہیں بخشی۔ میں بھی اندر سے ملول تو تھا مگر خاموش رہا کہ مغرب کے وقت اچانک حضرتؒ کا ٹیلیفون آیا کہ سراج میاں ہم عمرہ کیلئے آرہے ہیں اور رات کا کھانا آپ کے پاس کھائیں گے۔ مجھے یہ پیغام اچانک پہنچا، انتہائی مسرت ہوئی جو آج تک نہیں بھولتی حالانکہ ہمیشہ سے معمول تھا کہ حضرتؒ جدہ سے سیدھے امارات تشریف لے جاتے تھے مگر اس دفعہ خلافِ معمول رات کو مکہ مکرمہ تشریف لائے اور ہمیں شرفِ میزبانی بخشا۔ اللہ کریم میرے محسن و مربی شیخ امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔ آمین!

یادیں ان کی خوشبو خوشبو

محمد سیف اللہ۔ڈیرہ غازی خان

1986ء میں بندہ دارالعرفان منارہ گیا ہوا تھا اور وہاں حضرت جی قاسم فیوضاتؒ سے حصولِ فیض اور تربیت کیلئے دارالعرفان میں قیام پذیر تھا۔حضرت جی قاسم فیوضاتؒ نے گجرات جانا تھا جہاں پر عظمت صحابہؓ کانفرنس میں خطاب کرنا تھا۔حضرت جیؒ ایک دن پہلے گجرات روانہ ہوئے اور مجھے بھی اپنی گاڑی میں ساتھ لے گئے۔ رات کا قیام امان اللہ لک (مرحوم) کے ہاں تھا۔ وہاں ساتھی جمع تھے۔مغرب اور سحری کا ذکر حضرت جیؒ نے کرایا۔اگلے دن عظمت صحابہؓ کانفرنس تھی اور ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔حضرت جی قاسم فیوضاتؒ وہاں تشریف لے گئے۔ پروگرام شروع ہوا اور علماء حضرات کے بیان شروع ہوئے۔ درمیان میں حضرت جی قاسم فیوضاتؒ کا بیان تھا۔حضرت جیؒ نے جب خطاب فرمایا تو سورۂ فتح کی آخری آیت محمد رسول اللہ...... الخ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ نے صحابہؓ کی عظمت اور شان کو تورات اور انجیل میں ان کے دنیا میں آنے سے پہلے بیان فرمایا اور صحابہؓ کی عظمت کو ماننا تورات کے ماننے والوں اور انجیل کے ماننے والوں پر لازم تھا۔پھر جب صحابہؓ کو پیدا کرنے کا وقت آیا تو کیا اللہ تعالیٰ ان کو (معاذ اللہ) ایسے نہ بنا سکا جیسا کہ تورات اور انجیل میں فرمایا؟

اس طرح تو زد، ذاتِ باری تعالیٰ پر پڑتی ہے اور دین کی جڑ کٹتی ہے۔ یہ محال ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے جیسے تورات اور انجیل میں ان کی شان بیان فرمائی ویسے ہی ان ہستیوں کو بنایا اور صحابہ کرامؓ کی عظمت کا انکار قرآن کا انکار ہے۔حضرت جی قاسم فیوضاتؒ کا خطاب اتنا پر تاثیر تھا کہ خطاب کے اختتام پر جب حضرت جی قاسم فیوضاتؒ کانفرنس ہال سے باہر آئے تو سامعین شوق ملاقات میں باہر آگئے اور ہال خالی ہوگیا حالانکہ ابھی مقررین نے خطاب کرنے تھے۔

ایک دفعہ حضرت جی قاسم فیوضاتؒ ملتان دورہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ان دنوں میں کافی عرصے سے بیمار تھا اور طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی۔ میں نے مغرب کے ذکر کے بعد حضرت جیؒ سے دعا کے لیے عرض کیا تو حضرت جیؒ نے شفقت فرمائی اور فرمایا دعا کا وقت ہوتا ہے اور میں تہجد کے وقت آپ کیلئے دعا کروں گا۔ان کی دعا سے میری طبیعت ٹھیک ہوگئی اور دعا کے بہترین وقت کا سبق بھی مل گیا۔

حضرت جی قاسم فیوضاتؒ دورہ پر ملتان، بہاولپور اور خانپور تشریف لے گئے تھے۔خانپور میں عبداللہ درخواستی کے مدرسہ میں اساتذہ سے ملاقات بھی تھی۔ علماء نے سوال پوچھا کہ اسلام میں تو سادگی ہے اور آپ نے اتنی قیمتی گاڑی رکھی ہوئی ہے اس کی قیمت سے غریبوں کی مدد کی جاسکتی ہے۔

حضرت جیؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک مریض آدمی ہوں۔ اگر GTS کی بس میں سفر کرتا تو مجھے یہاں تک آنے میں تین دن لگ جاتے۔(اس وقت اس روٹ پر صرف GTS کی بس ہی چلا کرتی تھی) اور تین دن مزید آرام کرنے پر لگ جاتے۔ میں ایک دن میں راستے میں تین پروگرام کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ (بقیہ ص:155 پر)

یادوں کے دریچے سے

مرتبہ۔ عابدہ حماد دار الفرقان

جب تلک سیماب تیری یاد ہے
یہ جہاں روشن بھی ہے، آباد ہے
(سیماب اویسیؔ)

حضرت قاسمِ فیوضات مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ ایک ایسی عہد ساز شخصیت تھے جنہوں نے امتِ مسلمہ کے طالبانِ حق کو برکاتِ نبوی ﷺ کی ایسی لڑی میں پرو دیا جس نے مردہ قلوب کو حیاتِ جاوداں سے ہمکنار کیا۔

آپؒ کی ہستی وہ مینارۂ نور تھی جس نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کا رخ دینِ اسلام کی طرف موڑ دیا۔ آپؒ نے ہزاروں لوگوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ سینکڑوں لوگوں کو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کی حضوری سے مشرف بار کیا۔ آپؒ کی صحبت میں آنے والے ہر طالبِ حق کو دردِ دل کی نعمت نصیب ہوئی اور سالکین کی زندگیاں اسلام کے سانچے میں ڈھلتی چلی گئیں۔

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُنکی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

مشائخِ عظام کی تاریخ میں آپؒ کا نام ہمیشہ سنہری حروف میں رہے گا۔ آپؒ نے ہر آنے والے کو برکاتِ نبوت ﷺ سے فیض یاب کیا اُس کا دل روشن کیا اور اُسے شرفِ ولایت نصیب ہوا۔ آپؒ کا فیض پوری آب وتاب سے جاری وساری ہے۔

قارئین! حضرت جیؒ کی ہمہ جہت شخصیت کے اتنے پہلو ہیں جن کو احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ آپؒ مترجمِ قرآن، مفسّرِ قرآن اور مفکرِ قرآن تھے۔ آپؒ ایک بلند پایہ علمی اور ادبی شخصیت تھے۔ آپؒ اعلیٰ پائے کے ادیب، حساس شاعر اور بہترین سفرنامہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ، تنظیم الاخوان کے بانی، صقارہ ایجوکیشنل سسٹم کے سرپرستِ اعلیٰ اور الفلاح فاؤنڈیشن کے بھی بانی تھے۔

آپؒ علم وحکمت کا وہ چشمۂ باصفا تھے جس سے ہر آنے والا اپنی ذہنی استعداد کے مطابق سیراب ہوتا۔ آپؒ کو اللہ کریم نے علمِ لدنی کی دولت سے سرفراز فرمایا جس کی بدولت آپؒ نے قرآنِ کریم کے مفاہیم ومطالب کبھی اسرار التنزیل، کبھی اکرم التفاسیر، کبھی اکرم التراجم اور کبھی ''رب دیاں گلاں'' کی صورت میں جداگانہ انداز میں پیش فرمائے۔

کیا بتاؤں میں تیرے حسن کی تاثیر تجھے
رُک سا جاتا ہے زماں اُس کے بیاں سے کیسے
(سیماب اویسیؔ)

آپؒ کو جہاں اللہ کریم نے علومِ باطنی سے حظِ وافر عطا فرمایا، وہیں ظاہری علوم پر بھی اعلیٰ دسترس عطا فرمائی۔ آپؒ کی تصانیف نہ صرف تصوف وسلوک کے طالبین کے لیے مشعلِ راہ ہیں بلکہ علماء کے لیے بھی باعثِ رہنمائی ہیں۔

حضرت جیؒ فیوضاتِ وبرکاتِ نبوی ﷺ کے امین تھے جو آپؒ نے اپنے شیخ قلزمِ فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کے

نقش قدم پر چلتے ہوئے حاصل کی تھیں۔آپؒ کے بارے میں حضرتِ قلزمِ فیوضاتؒ نے فرمایا:

"تم سب میرے مرید ہو اور اکرم میری مراد ہے"

گویا آپ اپنے شیخ کے گوہرِ مراد تھے۔اِس گوہرِ مراد نے برکاتِ نبوی ﷺ کو تقسیم کرنے کے لیے اپنے شب و روز وقف کردیے اور یہ دولت ایسے لُٹائی کہ بلاتخصیص ہر آنے والے کو یہ نعمت نصیب ہوگئی بلکہ اِس بحرِ بیکراں کی وسعت کے سامنے سالکین کو اپنا دامن چھوٹا لگنے لگا۔حضرت جیؒ نے ظرف سے زیادہ عطا کیا، بانٹا نہیں لٹایا ہے، اور لٹایا بھی ایسے ہے کہ آپؒ کے ساتھ ایک ذکر کرنے والے کے ساتوں لطائف روشن ہوجاتے۔آپؒ نے برملا فرمایا:

"مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ جس کام کے لیے برسوں لگتے ہیں، جس کے لیے بڑے بڑے صوفی برسوں وقت طلب کرتے ہیں، مجھے اللہ نے یہ قوت بخشی ہے کہ وہ بات میں ایک لمحے میں کرسکتا ہوں۔یہ اللہ کی عطا ہے۔اگر آپ اِس کے طالب ہیں تو یہ اس راستے کی ایک منزل ہے'۔

آپؒ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ قربِ الٰہی کا مظہر تھا۔آپؒ کی زبانِ حق ترجمان سے جو لفظ بھی نکلتا وہ سالکین کی روحانی، اخلاقی اور جسمانی تربیت کے لیے ہوتا۔قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کی زندگی کا ہر لمحہ سالکین کے لیے وقف تھا۔آپؒ ہمیشہ ساتھیوں کے ساتھ بے حد شفقت فرماتے۔ہر ساتھی کو یہ لگتا کہ حضرت جیؒ سب سے زیادہ میرے ساتھ پیار کرتے ہیں۔آپؒ کی ہر ادا، ہر رنگ ایک الگ خصوصیت لیے ہوئے تھا۔حضرت جیؒ وہ آفتابِ رُشد و ہدایت تھے جو نصف صدی سے زائد عرصہ تک نورِ نبوت کی کرنیں بکھیرتے رہے اور تادمِ واپسیں ہر آنے والے کو عشقِ حقیقی اور عشقِ مصطفی ﷺ سے جوڑتے رہے اور

نَجَآءَ مُحَمَّدٌ سِرَاجًا مُّنِيْرًا

فَصَلُّوْا عَلَيْهِ كَثِيْرًا كَثِيْرًا

کا نعرۂ جانفزا دے کر 7 دسمبر 2017ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے وصلِ حق کے ابدی اُفق میں اُتر گئے۔

درِ حبیبؐ پہ سیماب کو تلاش تو کر

وہ اور جائے گا اُٹھ کر کہاں مدینے سے

(سیماب اویسیؒ)

مگر موت عشق و محبت کے جذبے کے درمیان حائل نہیں ہوتی۔حضرت جیؒ آج بھی ساتھیوں کے دلوں میں، اُن کی باتوں میں اِسی طرح موجود ہیں جیسا کہ وہ اُن کے ساتھ ہوں۔آپؒ کی اپنے سالکین سے رشتے کی ڈور اس قدر مضبوط ہے کہ آپؒ کے ظاہری حیات سے پردہ فرمانے کے باوجود آپؒ اپنے سالکین کے دلوں میں زندہ و جاوید اور ایک روشن چراغ کی طرح منور و تاباں ہیں۔

چھین لے یادیں تیری یہ موت میں طاقت کہاں

ہیں ہزاروں سُر لبِ اعجاز میں رطب اللساں

آپؒ سے وابستہ ہر سالک اپنے سینے میں آپؒ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کی یادداشتوں کا ایک قیمتی خزانہ رکھتا ہے کیونکہ آپؒ کی صحبت نے ہر شخص کی زندگی پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔اُن میں سے چند ایک سالکین کے سینوں میں محفوظ حضرت قاسمِ فیوضاتؒ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کی یادداشتوں کو سپردِ قرطاس کرنے کی کوشش کی ہے۔

دل زار بیٹھا ہے سیماب دیکھو

تیری یاد کو اپنی کُٹیا بنائے

(سیماب اویسیؒ)

اِن ایمان افروز واقعات کو پڑھ کر آپؒ کی شخصیت کے عجب اسرار و رموز کھلتے ہیں جو ہر پڑھنے والے کو آپؒ کو عطا کردہ قربِ الٰہی کی دولت اور بارگاہِ نبوی ﷺ میں آپؒ کے مقام سے روشناس کراتے ہیں۔اگرچہ یادوں کے اس وسیع و عریض سمندر کو کوزے میں بند کرنا ممکن نہیں تھا تاہم ایک سعیِ ناکام کی ہے۔

حضرت جیؒ وہ شمعِ محبت تھے جن کے پروانے بے شمار تھے ہر ایک نے اپنے ظرف، اپنی طلب کے مطابق اُن سے نورِ نبوت اخذ کیا اُن میں سے کچھ وہ بھی تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں آپؒ کے لیے وقف کر دیں اور ہمیشہ کے لیے آپؒ کے در کے ہو رہے اُن میں سے سرِ فہرست ہیڈ ماسٹر محمد خان صاحب ہیں۔

ہیڈ ماسٹر محمد خان (دارالعرفان۔منارہ)

ہیڈ ماسٹر محمد خان نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مشائخ کی رفاقت میں گزارا۔ اُنہیں قلزمِ فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے ساتھ کی بھی سعادت نصیب ہوئی اور قاسمِ فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ کی خدمتِ عالی میں بھی رہے اور اب موجودہ شیخ حضرت مولانا امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی کی معیت میں موجود ہیں۔ آپ 73ء میں سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے اور خود فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے مجھ پر یہ خصوصی مہربانی فرمائی کہ 73ء سے لے کر آج تک کوئی سالانہ اور ماہانہ اجتماع نہیں چھوٹا ہے۔ آپ سلسلۂ عالیہ کے صاحب مجاز کی حیثیت سے عرصہ دراز سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کی یادداشتیں اُن کے اپنے الفاظ میں پڑھیے:

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ سے میری پہلی ملاقات اُن کے گھر منارہ اجتماع میں ہوئی۔ پہلے اجتماع منارہ حضرت قاسمِ فیوضاتؒ کے گھر پہ ہوتا تھا پھر جب ساتھی زیادہ ہو گئے پچاس ساٹھ ساتھی ہو گئے تو اجتماع مسجد میں ہونا شروع ہو گیا۔ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ اپنے گھر سے کھانا پکوا کے لاتے کیتلی بھی خود اُٹھا کر لاتے اور روٹیاں بھی اپنے ہاتھ پہ رکھ کے لاتے۔ جتنے ساتھی وہاں موجود ہوتے قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ سب ساتھیوں کو کھانا کھلاتے۔ حضرت جیؒ کے گھر والے گھر میں خود کھانا پکاتے۔ میری اور قاضی بشیر صاحب کی کھانا لے جانے کی ڈیوٹی ہوتی۔

ایک بات جو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب تک اعلیٰ حضرت جی قلزمِ فیوضاتؒ رہے ہیں قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ نے اپنے آپ کو بالکل نمایاں نہیں ہونے دیا مزاح حضرت جیؒ کی طبیعت کا لازمہ تھا خاص طور پر جب دو تین آدمی بیٹھے ہوتے تو بڑا مزاح فرماتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُس کے بعد اجتماع منارہ سکول میں شفٹ ہو گیا بڑی عجیب بات تھی قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ بعض اوقات خود ٹریکٹر پہ جاتے تالابوں سے پانی بھر کر ساتھیوں کے لیے لاتے ہم بھی ساتھ ہوتے تھے۔

جب دارالعرفان بننا شروع ہوا تو یہاں پہ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کا ایک چھوٹا سا گیراج تھا تو اُس میں ہم نے چولہا لگا دیا۔ میری ڈیوٹی کھانا پکانے اور تقسیم کرنے کی ہوتی تھی۔ اِدھر دارالعرفان کی بنیاد بن رہی تھی۔ ہم خود ہی مستری تھے اور خود ہی مزدور تھے۔ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ خاص طور پر جب چھت پڑ رہی تھی تو خود ٹریکٹر چلا کر سیمنٹ لاتے اور اوپر لے جاتے۔

ایک اور بات مجھے اچھی طرح یاد ہے مجھے شوق ہوتا تھا کہ ذکر کرتے ہوئے وہاں بیٹھوں جہاں صاحب مجازین بیٹھتے تھے۔ ایک دن صاحب مجازین کی صف میں جگہ خالی تھی اور مجھے وہاں بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ قاسمِ فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ ابھی ذکر کے لیے تشریف نہیں لائے تھے۔ اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ ذکر کرا رہے تھے۔ ذکر گھنٹہ، سوا گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹے کا ہوتا تھا۔ ہم بیٹھے ذکر کر رہے تھے کہ یک لخت میرا ذکر تیز ہو گیا مجھے اب صحیح یاد نہیں کہ میرے مراقبات تھے یا نہیں یا لطائف کرتا تھا بہرحال اتنا تیز ذکر ہوا کہ میں نے سمجھا کہ آج تو میں ختم ہو جاؤں گا۔ اتنا تیز ذکر ہوا کہ مجھے لگا کہ میری گردن ٹوٹ جائے گی۔ ایسے محسوس ہوا کہ گردن اُڑ رہی ہے اور میں خود بھی اُڑ رہا ہوں۔ ذکر ختم ہونے کے بعد جونہی آنکھ کھولی تو دیکھا کہ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ میرے ساتھ تشریف فرما تھے۔ پھر اُس کے بعد میں کبھی اُدھر نہیں بیٹھا میں نے کہا کہ یار یہ تو برداشت سے بھی باہر ہے۔

حالانکہ ذکر اعلیٰ حضرت جیؒ کروارہے تھے قاسم فیوضات حضرت جیؒ باہر سے تشریف لائے تو میرے دائیں طرف بیٹھ گئے گویا یہ آپؒ پر شروع سے ہی اللہ کی خاص مہربانی رہی ہے۔

ایک دفعہ دورانِ حج میرے ساتھ عطا محمد صاحب ڈوڈھے والا بھی تھے۔ ہم اکٹھے ہی تھے اور مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھ کر ذکر کررہے تھے وہاں سر ہلانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جوں ہی ہم نے مسجد نبوی کا مراقبہ کیا تو مجھے آپؒ کی طرف سے ایک چیز عطا ہوئی۔ مراقبہ ختم ہونے کے بعد عطا محمد صاحب جواب فوت ہو چکے ہیں اللہ اُن کے درجات بلند فرمائے بڑے مخلص ساتھی تھے وہ بہت تیز مکاشفات کے مالک تھے انہوں نے مجھے مبارک بادی کہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک لفافہ عطا ہوا ہے اور اُس کے اوپر پھول بنے ہوئے ہیں تو میں نے کہا کہ اندر کیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ لفافے کا اندر کا کوئی پتہ نہیں۔ پھر جب ہم حج سے واپس آئے تو قاسم فیوضات حضرت جیؒ نے میرے صاحبِ مجاز ہونے کا اعلان فرمایا تو ہماری جماعت کے فیصلے حضرت محمد ﷺ کے ہوتے ہیں اور انہیں نافذ قاسم فیوضات حضرت جیؒ کرتے ہیں۔

ایک دفعہ بنگلہ دیش کے صاحب مجاز مفتی عبد الاول قاسم فیوضات حضرت جیؒ سے ملاقات کے لیے دارالعرفان تشریف لائے۔ وہ بہت تیز صاحب کشف تھے۔ انہوں نے بنگلہ دیش میں بہت کام کیا ہے اُن کے بہت مدارس بھی ہیں اور ذکر کے حوالے سے بھی انہوں نے بہت کام کیا ہے۔ یہاں آئے تو انہوں نے کہا کہ میری روح عالمِ امر سے آگے نہیں جاتی اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ عالمِ امر سے آگے تالا لگا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ایسا کیوں؟۔ تو انہوں نے کہا کہ قاسم فیوضات حضرت جیؒ کے کچھ مخالفین بنگلہ دیش آئے اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے دور میں وہ ہمارے ساتھی تھے۔ میں اُن سے ویسے ہی ملنے چلا گیا نہ اُن کے ساتھ کھانا کھایا، نہ چائے پی اور نہ ہی گپ شپ لگائی بس سلام دعا کی اور واپس آگیا۔ اُس دن سے میری روح عالمِ امر سے آگے نہیں جاتی۔ کئی دن میں نے اُن کو ذکر کروایا اور پھر پوچھا کہ اب روح جاتی ہے۔ کہنے لگے نہیں جاتی تو میں نے قاسم فیوضات حضرت جیؒ سے عرض کی حضرت جیؒ خاموش ہو گئے۔ پھر بہت ذکر کیا پھر بھی روح نہیں جاتی تھی۔ پھر دوسری دفعہ حضرت جیؒ سے عرض کیا حضرت جیؒ نے فرمایا خیر ہوگی۔ پھر جب ذکر کرایا تو اُن کی روح چل پڑی اور پھر پچھلی جو کمی تھی وہ بھی پوری ہوگئی۔ یہاں سے سمجھ آتی ہے کہ شیخ کے ساتھ مرید کا تعلق خالص اور کھرا ہونا چاہیے۔ شیخ کے دوست کو اپنا دوست، دشمن کو اپنا دشمن سمجھے یہ انتہائی نازک معاملہ ہے۔ اللہ ہر ایک پر اپنا رحم فرمائے۔

ایک دفعہ ہم دارالعرفان کی بنیادوں کی کھدائی کر رہے تھے تو ایک نہایت ہی زہریلا سانپ نکلا۔ قاسم فیوضات حضرت جیؒ اُس وقت ہمارے ساتھی تھے۔ ہم ذرا ذرا سی بات قاسم فیوضات حضرت جیؒ کو بتا دیتے تھے تو ہم نے کہا کہ حضرت جیؒ کو بتاتے ہیں۔ حضرت جیؒ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ مارنا نہیں۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے۔ قاسم فیوضات حضرت جیؒ تشریف لائے تو انہوں نے ہمیں فرمایا کہ ایک بوتل لے آؤ۔ ہم ایک بوتل لے آئے تو انہوں نے سانپ سے فرمایا کہ اِس بوتل میں داخل ہو جاؤ۔ بنیادیں کھودنے والے پاس ہی کھڑے تھے اور یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ سانپ آرام سے بوتل میں چلا گیا۔ پھر کچھ دن تک حضرت جیؒ نے بوتل میں لٹکائے رکھا۔ پھر فرمانے لگے کہ یار مارنا نہیں ہے اِس نے میرا حکم مانا ہے اِس کو چھوڑ دو۔

الحمدللہ جب لنگر مخدوم میں اجتماع ہوا تو اعلیٰ حضرت جیؒ نے اعلان فرمایا اور وہ کیسٹ آج بھی موجود ہے کہ میرے بعد حضرت جیؒ (مولانا امیر محمد اکرم اعوان) میرے نائب ہوں گے تو اپنی زندگی میں ہی اعلیٰ حضرت جیؒ نے اِن کو نامزد فرمادیا اور بڑی شفقت فرمائی۔

قاسم فیوضات حضرت جیؒ الحمدللہ عالم بھی تھے، صوفی بھی تھے لیکن انتظامی امور کی مکمل سمجھ بوجھ بھی آپؒ کی ذات کا خاصہ تھی۔ آپؒ شروع سے ہی قلزمِ فیوضات مولانا اللہ یار خانؒ کے دستِ شفقت میں رہے۔ ساتھیوں کے رہنے کا انتظام، کھانا پینا، بستر اور اِس کے علاوہ

سارے کام قاسم فیوضات حضرت جیؒ خود کرتے تھے اور ہر کام کرنے سے پہلے اعلیٰ حضرت جیؒ سے پوچھ لیتے۔

اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جتنی جماعت کی خدمت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ نے کی ہے اُتنی کسی نے بھی نہیں کی۔ سن 76ء کی بات ہے اُس وقت جماعت کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی قریباً ایک سو پچاس کے لگ بھگ ساتھی ہو گئے تھے تو چند پرانے ساتھیوں نے اعلیٰ حضرت قلزم فیوضاتؒ سے عرض کی کہ ہم بھی جماعت میں کچھ حصہ ڈالنا چاہتے ہیں یعنی لنگر کے خرچے میں حصہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ قاسم فیوضات حضرت جیؒ بھی پاس موجود تھے وہ فرمانے لگے کہ میری تو یہ غارِ ثور والی راتیں ہیں میں اِن میں سے کسی کو بھی حصہ دینے پر تیار نہیں ہوں۔ میں سارا سال کماتا ہوں اور ساتھی اگر چالیس دن کھا جاتے ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں کسی سے پیسے نہیں لوں گا۔ ٹلیالہ اجتماع سے لے کر منارہ اجتماع تک جتنی جماعت آتی رہی سارے کا خرچہ قاسم فیوضات حضرت جیؒ خود کرتے تھے کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیتے تھے جماعت کی ساری خدمت انہوں نے ہی کی۔

ایک دفعہ ناڑی جو کہ ضلع خوشاب کا ایک قصبہ ہے اُس میں قاسم فیوضات حضرت جیؒ کا جلسہ تھا۔ اعلیٰ حضرت جی مولانا اللہ یار خانؒ کا زمانہ تھا۔ ہم شاہ پور سے پانچ ساتھی آئے اور بیان کے بعد چائے پی کر واپس جانے لگے۔ قاسم فیوضات حضرت جیؒ کے پاس اپنی گاڑی تھی۔ اُس وقت ٹرانسپورٹ عام نہیں تھی۔ دو تین گھنٹے بعد ایک گاڑی چلتی تھی جب ہم اڈے پہ پہنچے تو کوئی گاڑی نہیں تھی۔ قاسم فیوضات حضرت جیؒ بہت محبت فرماتے تھے تو فرمانے لگے کہ میں خوشاب تک چھوڑ آتا ہوں۔ راستے میں ہم نے سوال کیا کہ حضرت جیؒ آپ لک کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ (لک ہمارے علاقے کا نامی گرامی ڈاکو تھا)۔ کیونکہ لوگ اکثر ہم سے سوال کرتے تھے کہ آپ کے استاد لک کے پاس کیوں جاتے ہیں۔

حضرت جیؒ نے جو فرمایا اُس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر آپ کسی کے پاس جاتے ہیں اور وہ آپ کو متاثر کر کے اپنے خیالات آپ پہ ٹھونستا ہے تو وہاں نہ جانا آپ کا فرض ہے لیکن اگر آپ کسی کے پاس جاتے ہیں چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر ہو یا بدکار ہو اور جب آپ اُس کے پاس جائیں اور وہ آپ سے متاثر ہو تو وہاں جانا آپ کا فرض ہے۔ لوگوں کے ساتھ حضرت جیؒ کا تعلق بھی اِسی حوالے سے تھا کہ اُن میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آجاتی تھی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم صرف نیکوکاروں کے پاس رہیں مگر ایسی ہستیاں بدکاروں کو بھی نیک بنا دیتی ہیں۔ (میں نے اُس آدمی کو خود دیکھا اُس میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت اچھی تبدیلی آئی)۔ پھر قاسم فیوضات حضرت جیؒ نے ایک بات فرمائی کہ "اگر کوئی آدمی تھکا ہوا ہے اور مسافر ہے اور بے چارہ پریشان ہے وہ کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جائے تو کیا اُس کو نہیں بیٹھنا چاہیے تو اگر میرے پاس برے لوگ کچھ دیر کے لیے آتے ہیں تو اُتنے وقت کے لیے تو وہ برائی سے بچ جاتے ہیں۔" بات یہ ہے کہ دنیا میں نیک لوگوں کی کمی نہیں ہے لیکن کوئی آدمی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ آؤ میں آپ کو بارگاہِ رسالت ﷺ تک پہنچا دوں یہاں لوگ آتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک آدمی آیا اُس نے ذکر پہ بہت زور لگایا لیکن اُس کا قلب انوارات کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ میں نے کچھ دن بعد حضرت جیؒ سے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارا کیا ہے دال روٹی ہی تو کھا رہا ہے۔ کچھ دن بعد اُس نے داڑھی رکھ لی، تہجد کبھی قضاء نہیں کی اور نماز قضاء ہونے کا تو تصور بھی نہیں اور والدین کا گستاخ بھی تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ قاسم فیوضات حضرت جیؒ کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ جو بھی آتا چاہے وہ بدکردار کیوں نہ ہو لیکن اُس کا کردار حضورِ اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو جاتا۔ پوری دنیا میں جماعت کا کام ہو رہا ہے اور لوگ آتے تھے تو حضرت جیؒ ہر ایک کے ساتھ بہت شفقت فرماتے۔

اللہ کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ ہر ایک کے ساتھ پیار کرتے تھے اور اُس کا عقیدہ نہیں دیکھتے تھے بلکہ اُنہیں آخرت کے حوالے سے فکر ہوتی تھی کہ یہ بندہ دوزخ سے بچ جائے۔

انڈونیشیا سے ایک آدمی آیا اُس نے انٹرنیٹ پر قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے متعلق پڑھا۔ اُس کو اسلام آباد سے منارہ آنے میں آٹھ گھنٹے لگ گئے۔ اسلام آباد میں بھی اُس کو کوئی پتہ نہیں تھا کہ دارالعرفان کہاں ہے؟ چکوال کہاں ہے۔ چکوال سے پوچھتا ہوا پونے دو گھنٹے کا سفر اُس نے آٹھ گھنٹے میں طے کیا۔ یہاں پہ سات آٹھ دن رہا۔ میں نے اُس کو قلب سکھایا۔ حضرت جیؒ سے میں نے پہلے عرض کر دیا تھا تاکہ حضرت جیؒ کی توجہ نصیب ہو جائے۔

جوں ہی میں نے قلب سکھایا تو اُس نے رونا شروع کر دیا بہت رویا تو میں نے کہا کہ چلو اچھی طرح رو لے تو پھر بات کریں گے۔ میں نے کہا کہ بھئی کیا بات ہے آپ نے رونا کیوں شروع کر دیا؟ اُس نے کہا کہ میرے دل کے اندر تو خانہ کعبہ آ گیا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ مسجدِ نبوی ﷺ آ گئی ہے۔ میں نے اُس کو بتایا کہ یہ ساری قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کی برکات ہیں۔ پھر اُس نے حضرت جیؒ سے بیعت بھی کی اور ذکر شروع کیا اور کچھ دن یہاں رہ کے چلا گیا۔ اسی طرح نائجیریا سے ایک ساتھی آئے وہ بہت بڑے افسر تھے۔ بیس کے قریب ممالک اُن کے ماتحت تھے۔ کہنے لگے کہ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کی عجیب برکات دیکھی ہیں کہ میری کبھی کوئی نماز قضاء نہیں ہوئی، کبھی تہجد قضاء نہیں ہوئی اور گھنٹہ صبح اور پون گھنٹہ شام کو ذکر کرتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ مراقبات کہاں تک ہیں؟ تو کہنے لگا کہ مراقباتِ ثلاثہ ہیں۔ میں نے اُس کا سبق آگے تو نہیں کرایا لیکن ویسے چیک کرنا چاہتا تھا تو میں نے کہا کہ آپ پانچویں لطیفے پہ خیال کریں۔ پانچویں لطیفے پہ اُس نے خیال کیا تو اُسے پوری مسجدِ نبوی نظر آنا شروع ہو گئی۔ گنبدِ خضریٰ سے سبز رنگ کے انوارات اُس کے قلب میں کافی دیر تک آتے رہے۔ اُس نے انتہائی چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ عصر کے بعد قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے پاس بیٹھے تو حضرت جیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ کون آیا تھا تو میں نے عرض کی کہ حضرت وہ آصف علی اُس کا نام تھا نائجیریا سے آیا تھا۔ حضرت جیؒ نے پوچھا پھر اُس کی کیا کیفیت تھی؟ میں نے عرض کیا کہ الحمدللہ جب پانچواں لطیفہ کرایا تو پورا گنبدِ خضریٰ نظر آیا اور وہاں سے سبز انوارات اُس کے قلب میں آ رہے تھے ساری چیزیں اُسے نظر آنے لگیں اور وہ بڑا رو رہا تھا۔ حالانکہ کافی بڑا آدمی تھا تو حضرت جیؒ نے مجھے فرمایا کہ یار آپ اُس کا سبق تھوڑا آگے کرا دیتے۔

سرگودھا کے ایک ساتھی کے والد فوت ہو گئے تو اُنہوں نے خواب میں اپنے والد کو عذاب کی حالت میں دیکھا۔ وہ بہت پریشان تھے میں نے قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ سے عرض کیا کہ فلاں ساتھی کے والد فوت ہو گئے ہیں اور یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ حضرت جیؒ اُس وقت ہنس رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ کچھ پیسے اللہ کی راہ میں دے دیں اُس وقت دارالعرفان کی مسجد بن رہی تھی۔ اُنہوں نے اِس میں حصہ ڈال دیا۔ پھر خواب میں اُنہوں نے اپنے والد کو نجات میں دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ اُنہوں نے بہترین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور اُنہوں نے شکریہ بھی ادا کیا۔

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ عمرہ پہ تشریف لے گئے وہاں آپؒ کو فہمِ قرآن کا علم لدنی حاصل ہوا جس کے نتیجے میں آپؒ نے قرآنِ پاک کی تفاسیر فرمائیں۔ حضرت جیؒ جب بھی بیان فرماتے آپؒ سے ہر دفعہ ایک نئی بات سننے کو ملتی۔ حضرت جیؒ نے "والذین معہ" کی جو تفسیر فرمائی وہ پہلے کبھی نہ پڑھی۔ الحمدللہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خاص اللہ کریم کی طرف سے انعام ہے۔

انٹرنیٹ پہ لوگ حضرت جیؒ کی تقریر سنتے ہیں اور آ جاتے ہیں۔ حالانکہ پہلے پوچھتے تھے کہ ذکر کیا ہوتا ہے؟ اب کوئی بھی آتا ہے تو یہ نہیں پوچھتا بلکہ کہتا ہے کہ مجھے ذکر کراؤ اور یہ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کی شخصیت کا اثر ہے۔ اللہ کریم قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے درجات بلند

والا فرمائے آمین۔ اب تو ایک ہی حسرت ہے کہ اللہ کریم سلسلۂ عالیہ کے ساتھ جوڑے رکھے اور خاتمہ ایمان پر کرے۔ (آمین) کیونکہ ،

پانی بھرن پنہاریاں رنگا رنگ گھڑے
بھریا اُس دا جانیئے جس دا توڑ چڑھے

ملک احمد نواز مرحوم...... (دار العرفان)

ملک احمد نواز مرحوم وہ خوش قسمت انسان تھے جنہوں نے تین مشائخ کا زمانہ پایا اور تینوں مشائخ کے مریدِ خاص کی حیثیت سے انتہائی قریب رہے۔ دار العرفان منارہ میں بحیثیت صاحب مجاز خدمات سر انجام دیتے رہے اور صقارہ اکیڈمی کے پرنسپل بھی رہے۔ ملک صاحب مرحوم 69ء میں سلسلہ عالیہ میں شامل ہوئے اور اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے خادمِ خاص رہے بعد ازاں حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ کے بھی خادمِ خاص رہے اور تادمِ مرگ موجودہ شیخ حضرت امیر عبدالقدیر اعوان مدظلہ العالی کے بھی خادمِ خاص رہے۔ ملک احمد نواز مرحوم 2018ء میں اِس دارِ فانی سے پردہ فرما گئے اُنھوں نے اپنی زندگی میں جب حضرت قاسمِ فیوضاتؒ بھی حیات تھے ایک انٹرویو ریکارڈ کروایا (جو کہ آڈیو ریکارڈنگ کی صورت میں آج بھی موجود ہے) اُس انٹرویو میں ملک احمد نواز مرحوم نے حضرت جیؒ کے بارے میں کچھ یوں فرمایا:

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ سے میری پہلی ملاقات سن 70ء میں منارہ کے اجتماع میں ہوئی۔ اجتماع میں قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ خود اپنے گھر سے کھانا پکوا کے لاتے اور پھر خود اُٹھا کے لاتے اور لوگوں کو پیش کرتے تو میں اِن کو دیکھ کر دل میں کہتا کہ یار دیکھو یہ کتنے خوش قسمت ہیں اور درجات والے بندے ہیں۔

اعلیٰ حضرت جیؒ کی خدمت میں قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ سب سے آگے ہوتے۔ ایک دفعہ چند ساتھیوں نے اعلیٰ حضرت جیؒ سے فرمایا کہ ہم لنگر میں کچھ حصہ ڈالنا چاہتے ہیں ہمارا بھی حق ہے تو اعلیٰ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ آپ (حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ) آتے ہیں تو اِن سے بات کرتے ہیں۔ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ تشریف لائے تو حضرت جی قلزمِ فیوضاتؒ نے اُن سے فرمایا کہ ساتھی چاہ رہے ہیں کہ لنگر میں ہم بھی حصہ ڈالیں تو اِس پر آپؒ نے فرمایا کہ میرے لیے تو یہ غارِ ثور کی راتیں ہیں یہ میں کسی کو نہیں دوں گا۔ اگر کوئی اپنے طور پر خدمت کرنا چاہتا ہے تو وہ کرے لیکن میں سارا لنگر نہیں دوں گا۔ اِس پر اعلیٰ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ بہتر ہے۔

حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ کی صفت تھی کہ جو ساتھی تھوڑا سینئر ہوتا لوگ اُس کے اِردگرد بیٹھ جاتے اور وہ چوہدری بن جاتا لیکن ہم نے قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے اردگرد کسی کو بیٹھے نہیں دیکھا۔ یہ ذرا مزاج کے سخت تھے۔ اعلیٰ حضرت جیؒ قاسمِ فیوضات حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کا نام لے کر فرمایا کرتے تھے کہ ساری جماعت میں سب سے بہتر توجہ اِنکی ہے یعنی کہ یہ مؤثر بندے ہیں۔ انتظامی امور میں بھی قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ سب سے آگے تھے اور پھر آپ کی متاثر کن شخصیت اور لنگر کے تمام انتظامی معاملات اِس بات کی گواہی دیتے تھے کہ یہ ہی اگلے شیخ ہوں گے۔

سن 71ء میں جب اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ حج کے لیے گئے تو جب روضہ اطہرؐ پہ گئے تو اعلیٰ حضرت جیؒ نے قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ سے فرمایا کہ کیا تم نے کوئی دعا مانگی تھی؟ تو قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ نے فرمایا کہ جی حضرت جی میں نے حرم شریف میں ملتزم پہ دعا مانگی تھی۔ اعلیٰ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ تم نے کیا دُعا مانگی؟ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ حیران ہو گئے کہ اِس دُعا کا تو کسی کو پتہ ہی نہیں۔ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ نے اعلیٰ حضرت جیؒ سے فرمایا کہ میں نے دُعا مانگی کہ یا اللہ مجھے قرآنِ کریم کا فہم عطا فرما، انہوں نے فرمایا وہ دُعا قبول ہو گئی۔

سن 83ء میں اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کی لنگر مخدوم کی تقریر میں انہوں نے واضح فرما دیا کہ بات یہ ہے کہ زندگی کا کوئی پتہ

نہیں اگلے سال میں ہوں گا کہ نہیں۔ میں چار بندے مقرر کر رہا ہوں جس میں انہوں نے حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کا نام بھی لیا اور فرمایا اِن سب کو مراقبات سالک المجذوبی تک کروانے کی اجازت ہو گی لیکن روحانی بیعت کے لیے حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کا نام لے کر فرمایا کہ روحانی بیعت کے لیے اِن کے پاس آنا پڑے گا تو بات ہی ختم ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ حضرت قاسمِ فیوضاتؒ اُن کے روحانی جانشین ہوں گے۔ پھر حضرت مولانا اللہ یار خانؒ نے یہ بات واضح الفاظ میں فرما دی جو آج بھی کیسٹ میں موجود ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے وصال سے پہلے کی بات ہے کہ کچھ لوگوں نے قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے خلاف بہت باتیں کیں۔ ہمیں یہ بات بہت ناگوار گزری تو میں اور ہیڈ ماسٹر صاحب دونوں مل کر قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے پاس گئے۔ اُس وقت دیوار کوئی نہیں ہوتی تھی ٹاہلیاں ہوتی تھیں۔ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ منشی سانول کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے جا کے عرض کی کہ حضرت آپ کچھ بولیں مخالفین آپ کو تنگ کر رہے ہیں آپ تو اپنی صفائی میں کچھ کہیں تو حضرت جیؒ نے ایک بہت خوبصورت مثال سمجھائی۔

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میرا ایک ساتھی گجرات کا ہے اور وہ شکاری ہے اُس نے مجھے بتایا کہ ہم سُور کے شکار پہ گئے تو ایک سُورنی نظر آ گئی۔ ہم اُس کے پیچھے لگ گئے۔ ایک شکاری نے چھت کے اوپر بیٹھ کہ فائر کیا تو اُسکو نہیں لگا۔ پھر ایک شکاری کے پاس سیون ایم ایم کی بندوق تھی۔ وہ سُورنی دیوار کے نیچے جا کر بیٹھ گئی اُس نے وہاں نشانہ رکھ کر فائر مارا تو وہ پھر بچ گئی اور اُسے گولی لگنے کی بجائے اُس نے آگے جا کر تین بچے دے دیے۔ پھر کچھ دیر بعد دو فٹ کے فاصلے پہ رکھ کر مارا تو وہ مر گئی۔ لوگوں نے کہا کہ سُور بھی سُور ہوتے ہیں اور اُن کے بچے بھی سُور ہوتے ہیں تو اُن کو بھی مار دو۔ تو میرے ساتھی نے کہا کہ میں نہیں ماروں گا کیونکہ میری بندوق کی گولی سے بچا کر اللہ نے بچے پیدا کیے ہیں تو میں کون ہوں اُنہیں مارنے والا۔

پھر حضرت جیؒ نے فرمایا کہ احمد نواز! بات یہ ہے کہ وہ تو خنزیروں کو بھی پال رہا ہے تو کیا وہ ہمیں نہیں بچائے گا جبکہ ہم اُس کے نام پہ کام کر رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ فرماتے تھے کہ ساتھی بڑے خط لکھتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ شیطان تنگ کرتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے تو اُنہوں نے حضرت جی مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ کا نام لے کر فرمایا کہ اِس کو تو کبھی تنگ نہیں کرتا بلکہ جس طرف سے اکرمؒ آ رہا ہو، شیطان وہ گلی بھی چھوڑ دیتا ہے۔ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُنہیں نسبتِ فاروقی حاصل تھی۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے اُن کی مشابہت تھی۔ انداز اور قد بُت ویسا تھا۔

اللہ پاک ملک احمد نواز مرحوم کے درجات بلند فرمائے آمین۔

محمد نواز......(فیصل آباد)

محمد نواز کا شمار بھی اُن ساتھیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ کے ساتھ بھی وقت گزارا۔ وہ حضرت قاسمِ فیوضاتؒ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کو یوں قلمبند کر رہے ہیں:

نوجوانی کا زمانہ تھا۔ فلم دیکھنا میرا معمول تھا۔ آدھی فلم ایک دن دیکھتا اور باقی آدھی وقفہ ڈال کر دیکھتا۔ بڑے بھائی نے ایک دن گھر میں ذکر رکھا۔ مجھے بھائی نے کہا کہ فلم پھر کسی دن دیکھ لینا آج گھر میں ذکر ہے آج نہ جاؤ۔ میں ذکر میں بیٹھ گیا۔ ایسی کیفیت ہوئی کہ ذکر کے بعد فلم دیکھنا، دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا سب بھول گیا۔ نمازیں پوری ہو گئیں اور تہجد کی باقاعدگی بھی نصیب ہو گئی۔ ایک سال کے بعد لنگر مخدوم کے اجتماع میں اعلیٰ حضرت جیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت جیؒ مولانا اللہ یار خانؒ نے لنگر مخدوم کے اجتماع میں اپنے بعد حضرت جیؒ کو اپنے جانشین ہونے کا اعلان فرمایا۔ جن تین حضرات کو سالک المجذوبی کے لیے نامزد فرمایا وہ بڑے مسرور تھے اور

لوگوں سے مبارک بادیں وصول کر رہے تھے۔ لیکن میں نے حضرت جیؒ کو بہت زیادہ مغموم پایا۔ حضرت جیؒ کے چہرے پہ خوشی کے نہیں غمی کے تاثرات تھے۔ بعد میں حضرت جیؒ نے لکھا بھی کہ مجھے اپنے محبوب شیخ کے وصال کی سمجھ آ رہی تھی۔ حضرت جیؒ کو اپنے شیخ سے بے پناہ محبت تھی۔ کچھ ہی عرصہ بعد اعلیٰ حضرت جیؒ دنیائے فانی سے پردہ فرما گئے۔

حضرت جیؒ نے سلسلہ عالیہ کی باگ دوڑ سنبھالی اور برکاتِ نبوت ﷺ کو ہم تک اُسی طرح پہنچایا۔ چند سال بعد میں سعودیہ چلا گیا۔ حضرت جیؒ نے کچھ سال بعد ہر سال عمرہ پہ جانے کا اعلان فرمایا۔ چونکہ میں سعودیہ میں ہوتا تھا۔ اس لیے حضرت جیؒ جب بھی تشریف لاتے تھے تو میں اُن کی خدمت کرتا تھا۔ چوبیس گھنٹے ساتھ رہتا تھا۔ حضرت جیؒ کے عمرہ پر تشریف لانے سے پہلے میں نے ایک دن خواب دیکھا کہ حضرت جیؒ نے مجھے اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔ بالکل قلب کے ساتھ لگا رکھا ہے۔ میں ہلکا سا جھجک کے پیچھے ہٹتا ہوں تو حضرت جیؒ نے تین دفعہ پیار سے تھپک کر پھر سے سینے سے لگا لیتے ہیں گویا کہہ رہے ہوں کہ اسی طرح رہو۔ اس طرح حضرت جیؒ نے ہمیں پیار سے ساتھ لگایا اور ہماری تربیت کی۔ حضرت جیؒ کی یہ ہم سے بے پناہ شفقت اور محبت ہے۔ ہم اس قابل نہیں ہیں۔

ایک دفعہ حضرت جیؒ عمرے پر تشریف لائے۔ جدہ میں غلام مصطفیٰ صاحب کے گھر تشریف لائے شام کو مغرب کے بعد میں نے حضرت جیؒ کو کھانا پیش کیا۔ کچن میں حضرت جیؒ تشریف لائے اور مسکرا کے فرمایا۔ ''بچے ہو گئے فارغ'' وہ جو حضرت جیؒ کی ایک نگاہ تھی اس نے ایسا اثر کیا ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ میں کہوں کہ سب لوگ چلے جائیں۔ میں اکیلا ہوں اور میرا اللہ ہو اور دوسرا کوئی نہ ہو۔ یہ سب میرے محبوب شیخ کی اس نگاہ کا اثر تھا۔

ایک دن مکہ مکرمہ میں حضرت جیؒ کی خدمت میں تھا۔ رات گیارہ بجے کے بعد فارغ ہوا تو دل کیا طواف کرلوں۔ طواف میں بہت کیفیات نصیب ہوئیں۔ کل پھر طواف کا ارادہ کیا۔ حضرت جیؒ کا معمول تھا کہ آپؒ بعد نماز ظہر آرام فرماتے تھے۔ میں نے سوچا جلدی جلدی طواف کرلوں۔ طواف کیا لیکن کوئی کیفیت نصیب نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں عصر ہوگئی۔ سوچا نماز پڑھ کر پھر واپس جاتا ہوں۔ واپس ہوٹل پہنچا تو ساتھی گیٹ پر ملے اور پوچھا کہ کہاں چلے گئے تھے حضرت جیؒ تمھارا پوچھ رہے تھے۔ میں جلدی جلدی شیخ کی خدمت میں گیا۔ اور پھر مجھے سمجھ آئی کہ شیخ کی خدمت چھوڑ کے نفلی عبادت کی جائے تو لطف نہیں دیتی شیخ کی خدمت بہت بڑا اعزاز ہے۔ شیخ کی اجازت کے بغیر خدمت سے دور نہیں جانا چاہیے۔ حضرت سے دور نہیں جانا چاہیے۔

اظہر بھائی جان کے ساتھ بہت سفر کیا۔ اکثر ہم اکٹھے حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ حضرت جیؒ کی خدمت میں دفتر حاضری دی میں چونکہ اکیلا تھا تو حضرت جیؒ نے فرمایا۔ اکیلا آیاں ایں لڑ پئے او'۔ میں نے عرض کیا حضرت جیؒ وہ چند دن بعد آئیں گے۔ پھر چند دن بعد پوچھا کہ ''تم کہہ رہے تھے کہ اظہر آئے گا ابھی آیا تو نہیں'' میں نے عرض کیا حضرت جیؒ ان سے رابطہ ہوا ہے۔ راستے میں ہیں آج آ جائیں گے انشاء اللہ۔ اس قدر شفیق ہستی کے مالک تھے کہ ہماری اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی دھیان دیتے تھے۔ الفاظ میں وہ محبت بیان نہیں ہوسکتی۔ بحر حیات میں حضرت جیؒ نے فرمایا ایک مقام ایسا آتا ہے کہ روح اتنی لطیف تر ہو جاتی ہے کہ باقی روحوں کو بھی وہ نظر نہیں آتی۔ اظہر بھائی جان نے اس بارے میں حضرت جیؒ سے بڑے ادب سے پوچھا تو حضرت جیؒ نے ارشاد فرمایا! ''کروڑوں میں کوئی ایک! پھر فرمایا نہیں اربوں میں کوئی ایک''۔ اعلیٰ حضرت جیؒ کا یہ فرمانا کہ فقیر کے چار حروف ہیں۔ فقیر کی ف یہ ہے۔ کہ فقیر اللہ کی ذات میں فنا ہو جائے۔ اس کی نعمتوں اور صفتوں کو نہ دیکھے اس کی ذات میں فنا ہو جائے۔ حضرت جیؒ واقعی عظیم ولی اللہ تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو گئے تھے۔ ایک دن ایک ذمہ داری ادا کی اور پھر حضرت جیؒ کے آفس میں حاضری دی تو حضرت جیؒ نے نظر بھر کے دیکھا اور فرمایا! ماشاء اللہ۔ میری حالت یہ ہوگئی میرا کسی کو دیکھنے کو دل نہ چاہے۔ کسی سے بات

کروں نہ کسی کی باتیں سننے کو دل چاہے۔ تب سمجھ آئی ہم گناہ گاروں کا یہ حال ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نصیب ہوئی۔ ان کا حال کیا ہوگا۔ حضرت جیؒ کا ایک بیان سنا تھا کہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے برکات کیسے نصیب ہوئی ہیں۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ میں نے ایک دن حضرت جیؒ سے دفتر میں سوال کیا کہ حضرت جیؒ آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ آپؒ خاموش ہو گئے اور پھر فرمایا ''کوئی طالب بھی تو ہو''۔ الحمد اللہ وہ برکات آج بھی تقسیم ہو رہی ہیں مگر کوئی طلب تو لے کر آئے۔ ایک دفعہ حضرت جیؒ عمرے پر تشریف لائے۔ تو میری حالت بری تھی۔ انوارات کی وجہ سے جسم ایسے تھا جیسے کسی نے بہت مارا پیٹا ہو۔ تو میں نے حضرت جیؒ سے عرض کی تو میری وہ کیفیت ٹھیک ہوگئی۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ روئے زمین پہ جہاں جتنے ساتھی ذکر کرتے ہیں۔ وہ انوارات میرے وجود سے گزر کے جاتے ہیں۔ اس سے ہم مشائخ کے عظیم حوصلے اور قوت کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں

حضرت جیؒ ایک دفعہ جب عمرہ پر تشریف لائے تو ایک فیملی امریکہ سے تشریف لائی ہوئی تھی۔ (نام میں نہیں لینا چاہتا) اس ساتھی کی اہلیہ نے دسترخوان کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا۔ یہ خدمت میں کیا کرتا تھا۔ برتن وغیرہ اس نے خود پکڑ کے لگانے شروع کر دیئے۔ میں نے سوچا چلو یہ بھی اپنے شیخ کی خدمت کر لیں۔ اتنی دور سے آئے ہیں۔ لیکن ایک دن مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ اس خاتون نے برتن دسترخوان سے اٹھا کر دروازے کے ساتھ ہی رکھ دیے۔ یہ ادب کے خلاف تھا۔ مجھے اس بات سے تکلیف ہوئی۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ کسی کی مشائخ کے آگے شکایت نہیں لگانی چاہیے۔ میں نے مشکل سے یہ بات برداشت کی اور حضرت جیؒ سے اِس بارے کچھ نہیں کہا۔ جب مکہ سے مدینہ گئے تو پہلے دن میں کھانا بنانے لگا تو حضرت جیؒ کچن میں تشریف لائے اور فرمایا میں نے اس کو یہاں آنے سے منع کر دیا ہے۔ تم پریشان نہ ہو۔ تم اپنا کام کرو حضرت جیؒ بغیر بتائے ہماری ساری کیفیات کو جان جاتے تھے۔ کبھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ حضرت جی ہماری ہر چھوٹی بڑی بات کو جان لیتے تھے اور کیسے اعلیٰ ظرف تھے کہ کبھی ہمیں جتلایا نہیں اللہ تعالیٰ حضرت جیؒ کے مشن کے ساتھ جوڑے رکھے۔ اللہ کرے کہ اِس راستے میں ہی موت آئے۔ (آمین)

عابد حسین اعوان......ایڈیشنل کمشنر (ریٹائرڈ) گوجرانوالہ

عابد حسین اعوان صاحب صاحب ریٹائرڈ ایڈیشنل کمشنر ہیں۔ اُن کا حضرت جیؒ سے تعلق سٹوڈنٹ لائف کے آخری سالوں میں ہوا۔ جو گہرا ہوتے ہوتے انتہائی مضبوط ہو گیا۔ وہ خود بتاتے ہیں کہ میری زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے کہ جس میں، میں نے حضرت جیؒ سے راہنمائی نہ لی ہو۔ یہاں اُن کی زندگی کے کچھ واقعات پیشِ نظر ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ لکھتا لیکن حضرت جیؒ کے متعلق لکھتا ہوں تو قلم ہاتھ میں اُٹھاتے ہوئے جذباتی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ لفظ احساسات کا ساتھ نہیں دیتے اور میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ لکھ نہیں پاتا اور جو لکھتا ہوں لگتا ہے کہ وہ میرے جذبات کی ترجمانی نہیں کر پا رہا۔ زندگی میں دو چیزیں ایسی تھی جو مجھے بہت متاثر کرتی تھیں۔ ایک کسی کا علم اور دوسرا کسی کا ورع وتقویٰ۔ مجھے بڑے بڑے نیک لوگوں اور اللہ والوں سے ملاقات نصیب ہوئی مگر کسی نے مجھے اتنا متاثر نہ کیا کہ میں اُس کے دامن سے جڑ جاتا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں نے پہلی دفعہ حضرت جیؒ کی زیارت کی تو میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایسی شخصیات کے بارے میں کبھی افسانوں میں پڑھا تھا مگر دیکھا میں نے آج تھا اور مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ بس دل کی کیفیت ایسی تھی کہ جیسے دل یہ کہتا تھا کہ اب ساری دنیا کو چھوڑ دو اور انہیں اپنا لو۔ اُن کی شخصیت میں جمال، جلال، وقار، آن بان، شان وشوکت تھی اُس کے باوجود ایک بے تکلفانہ انداز تھا۔ ایسی

شخصیت میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ جس اللہ والے کی تلاش مجھے تھی۔ سمجھ آگئی آج میری وہ تلاش ختم ہوگئی ہے اور مجھے گوہرِ مراد مل گیا ہے۔

دیکھا اُنہیں تو ایسے لگا جیسے آج تک
اُن کے بنا حیات مکمل بنی نہ تھی
(سیماب اویسی)

یوں حضرت جیؒ سے تعلق کی ابتدا ہوئی اور یہ تعلق پھر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ حضرت جیؒ کے ساتھ میرا ایک پیار اور مان کا ایسا مضبوط رشتہ استوار ہوگیا کہ حضرت جیؒ بھی مجھے بے تحاشہ پیار کرتے تھے اور مجھے بھی حضرت جیؒ کی شخصیت میں ایک پناہ نظر آتی تھی۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مجھے ایک رہبر کامل مل گیا ہے۔ زندگی میں ایسے کئی واقعات ہیں جب حضرت جیؒ کی بے پناہ شفقت نصیب ہوئی۔ اپنی ملازمت کے دوران بہت سے مشکل مواقع پیش آئے اور بعض دلدلیں تو ایسی تھیں کہ جن میں لوگ اگر ایک دفعہ پھنس جائیں تو پھر اُس میں دھنستے چلے جاتے ہیں مگر حضرت جیؒ کی دُعا اور توجہ سے میں محفوظ بھی رہا اور سُرخرو بھی۔ بہر حال میں چیدہ چیدہ واقعات بیان کرتا ہوں۔ ماضی کے اوراق پلٹوں تو یہ واقعات ایک تسلسل کے ساتھ میرے سامنے آرہے ہیں۔

آئی جو اُن کی یاد تو آتی چلی گئی

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے حضرت جیؒ کی میزبانی کی۔ میں اُس وقت تحصیل دار پسرور تھا حضرت جیؒ جب میرے گھر میں تشریف لائے میں نے ذکر کی محفل کا انعقاد کیا میری چونکہ نئی نئی ٹرانسفر ہوئی تھی اور میں اپنے ساتھ سامان نہیں لایا تھا۔ گھر کے ایک کمرے میں دو چارپائیاں بچھی تھیں اور دوسرے کمرے میں بھی دو چارپائیاں تھیں۔ یوں تو میرا ایک اشارہ گھر کو جدید سامان سے آراستہ کرسکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم سے میں ناجائز فوائد اُٹھانے سے ہمیشہ محفوظ رہا۔ میں نے حضرت جیؒ سے عرض کی کہ حضرت میرے پاس کرسی نہیں ہے تو آپ اِدھر ہی تشریف رکھیں۔ اس پر آپؒ نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ حضرت جیؒ کی آمد سے ایک ہی دن پہلے واقعہ یہ ہوا تھا کہ ڈپٹی کمشنر چینج (change) ہوا تھا اور میں اُن دنوں سخت بیمار تھا اور چھٹی پر تھا اور میرا نائب تحصیل دار میری غیر موجودگی میں میری چھٹی کی اصل وجہ نہ بتا پایا۔ اس پر نئے ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ اِس کو معطل کر دو۔ جب حضرت جیؒ نے مجھے گلے لگایا تو باوجود اس کے کہ میں ایک مضبوط انسان تھا حضرت جیؒ کے گلے لگتے ہی میری آنکھیں نم ہوگئیں۔ ساری بات میں نے حضرت جیؒ کے گوش گزار کی۔ حضرت جیؒ فرمانے لگے کہ "ہم نے اُس بات کی تیاری کرنی ہے جس کا قبر میں سوال ہونا ہے اور جو قبر میں پوچھا جانا ہے۔ قبر میں یہ نہیں پوچھا جانا کہ تم کتنی دیر کہاں رہے؟ اور کہاں نہیں رہے؟ قبر میں ایک ہی سوال ہے کہ میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق رہے یا نہیں۔ میرے بیٹے آپ نے جہاں بھی جو بھی کام کرنا ہے وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر کرنا ہے۔ سروس سے نکال دیں گے تو ہم چھابڑی لگالیں گے رازق اللہ کی ذات ہے"۔ اس کے بعد میرا دل یوں ہوا گویا کسی نے ٹانک مجھے پلا دیا ہو میں ایک دم دلیر ہوگیا اور حضرت جیؒ کے سینے سے مزید چمٹ گیا۔ حضرت جیؒ نے بڑا پیار کیا اور وہی لمحات میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔

گزر گئے ہیں جو خوشبوئے رائیگاں کی طرح
وہ چند روز میری زندگی کا حاصل تھے

اور دلچسپ بات یہ ہوئی کہ جب میں اگلی میٹنگ پہ سیالکوٹ گیا تو وہی ڈپٹی کمشنر مجھے کہہ رہے تھے کہ یار ہمیں تو کسی نے غلط بتایا تھا۔ آپ کی تو ساری رپورٹ میرے سامنے آئی ہے ہم تو آپ کا بہت احترام کرتے ہیں پھر مزید یہاں تک کہا کہ یار اِسے appreciation letter دو۔ بڑی تعریف ہوئی اُس میٹنگ میں اور میں حیران تھا کہ یہ تبدیلی کیسے آئی!

اسی دوران ایک اور بات ہوئی۔ مجھے جو بخار ہو رہا تھا۔ وہ یوں تو اتر گیا لیکن جونہی میری کوئی نماز چھوٹتی مجھے بخار چڑھ جاتا۔ حضرت جیؒ فرمانے لگے کہ یہ اللہ تجھے نماز سختی سے خود پڑھا رہے ہیں۔ میں نے نماز

اور تعویذ کی باقاعدگی کی اور حضرت کے تعویذ پہ تو پھر بخار اُتر گیا۔اب میں نے حضرت جیؒ کے فرمان کے مطابق ذکر شروع کر دیا تب میری جو کیفیت بنی وہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ حضرت جیؒ کی عنایات اتنی ہیں کہ اُن کا ذکر کرنے کے لیے پوری ایک کتاب چاہیے۔

جن دنوں میں H.R.MD.O. سیالکوٹ تھا اور بطور ڈی او سی سیالکوٹ (District Officer of Sialkot) میری پروموشن ہونا تھی۔ ڈپٹی کمشنر نے مجھے کہا کہ اپنے order کروا لو۔ جب appointment order ہو گئے اور میں نے جوائننگ دینا تھی تو ڈپٹی کمشنر مجھے کہنے لگے کہ اِس پوسٹ پہ ایک بااثر سیاسی شخصیت کسی اور کے آرڈر کروانا چاہتی ہے تو تم اپنے آرڈرز کہیں اور کروا لو۔ میں یہ بات سُن کر پریشان ہو گیا۔ اُنہی دنوں حضرت جیؒ سے ملاقات ہوئی تو مجھے پوچھنے لگے کہ کیا بنا آرڈروں کا؟ میں نے کہا حضرت جی order تو ہو گئے ہیں مگر وہ کہہ رہے ہیں کہ کچھ سیاسی مداخلت ہے۔ میں نے پہلی دفعہ دیکھا کہ حضرت جیؒ بڑے غصے میں آ گئے اور فرمایا کہ ''یہ سیاست کیا ہے؟ کچھ نہیں ہے۔ ہر چیز من جانب اللہ ہے تم فکر نہ کرو اللہ بہتر کرے گا۔'' اُس کے بعد پھر دارالعرفان میں ایک شادی پہ حضرت جیؒ سے ملاقات ہوئی۔ میں جب بھی حضرت جیؒ کے سامنے جاتا تو حضرت جیؒ یہی فرماتے تھے کہ تم بالکل فکر نہ کرو یہ کوئی زمینی خدا نہیں ہیں۔ خدا ایک ہی ہے ساری طاقت میرے اللہ کی ہے۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا جو اللہ چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ تو میں واپس آ گیا۔ واپس آ کر رات کو میں نے ایک اور ہمارے مہربان تھے جو سیکرٹری تھے اُن سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ عابد یار چھوڑ دو یہ اوپر تک ساری بات ایک ہی ہے تو آپ کے orders کہیں اور کروا دیتے ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے میں کہیں اور کروا لیتا ہوں۔ لیکن دل میں یہ تھا کہ حضرت جیؒ نے فرمایا ہوا ہے تو آرڈر تو میرے ہی ہوں گے میں نے دو نفل پڑھے۔ نجانے مجھ میں کہاں سے ہمت آ گئی کہ میں نے ڈی سی صاحب کو فون کیا۔ آگے سے پتہ چلا کہ ڈی سی صاحب مہمانوں میں مصروف ہیں بات نہیں کر سکتے۔ میں نے اصرار کیا کہ میں نے لازمی بات کرنی ہے تو انہوں نے بات کروا دی۔ میں نے ڈی سی صاحب سے بات کی اور بڑی کھل کے بات کی تو وہ کہنے لگے کہ آپ صبح تشریف لے آؤ۔ میں صبح جب گیا تو فرمانے لگے کہ یہ تمہارے order appointment ہیں۔ دوسرے بندے نے چارج چھوڑ دیا ہے آپ چارج سنبھال لو۔ میں حیران پریشان کہ رات کیا بات تھی وہ سیکرٹری اور سی ایم ایک طرف تھے اور آج یک دم یہ کیسا پلٹا کھایا۔ اصل بات ہی یہ ہے کہ جو اللہ والے کہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی کہی ہوئی بات، اُن کے کہے ہوئے الفاظ کی حیا رکھتے ہیں۔

پھر دوبارہ جب میری پروموشن مجسٹریٹ کے طور پہ ہونی تھی تو میرے سارے کمیٹی کے ممبران میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یار تیرا نمبر تو پروموشن کے لیے بہت دور ہے۔ میں نے کہا ہاں! ہے تو ایسے ہی! چلو حضرتؒ سے عرض کرتے ہیں۔ میں نے حضرت جیؒ سے عرض کی کہ حضرت وہ پروموشن کا معاملہ ہے تو آپؒ ازراہِ شفقت فرمانے لگے کہ ''میرا مجسٹریٹ آیا ہے۔'' اُس وقت میں تحصیل دار تھا اور پھر مولا کریم نے کرم کیا جہاں تک میری پروموشن ممکن نہیں تھی میں وہاں تک چلا گیا اور حضرت جیؒ کی دُعا سے مجسٹریٹ ہو گیا اور کمیٹی کے ممبران نمبر کا انتظار کرتے رہے۔

ایک نواحی گاؤں میں ایک ہی خاندان کے لوگوں کے درمیان پرانی دُشمنی میری پیدائش سے بھی پہلے کی چلی آ رہی تھی۔ اُنہوں نے بہت عرصے کے بعد اُس دُشمنی کو نئے سرے سے شروع کیا۔ ہمارے خاندان کے کچھ لوگوں نے جذبات میں آ کے مظلوم پارٹی کو جذباتی سہارا دیا اور اِس بات پہ اُن کے مخالفین نے ہمیں اِس لڑائی میں ملوث کر دیا اور ہم پر جھوٹے قتل کا پرچہ کرا دیا اور ہمارے خلاف FIR کٹوا دی۔ اِس علاقے میں ہمارے خاندان کا اصول تھا کہ پولیس کے آنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ میرے دادا اور چچا خود ہی مسئلہ حل کر لیتے تھے۔ ہم وہ لوگ تھے جنہوں نے بے شمار معصوم لوگوں کو قتل کے الزام

بری کروایا تھا۔ بے گناہ لوگوں کو پھانسی کے پھندوں سے بچایا تھا۔ میں اِس جھوٹے مقدمے پر بہت گھبرایا اور حضرت جیؒ کے پاس گیا اور عرض کی کہ حضرت اُنہوں نے تو FIR ہی ہمارے اوپر لکھی ہے تو حضرت فرمانے لگے کہ جو جھوٹ ہوتا ہے وہ جھوٹ ہی ہوتا ہے اللہ کرم کرے گا فکر نہ کرو! اور وہ 302 کی FIR تھی اور یقین کریں کہ ہمارے نامزد ملزم صرف تین دن اندر رہے اُس کے بعد تھانے دار نے انتہائی احترام کے ساتھ اُنہیں خود گھر چھوڑا۔ پھر اسی کیس کی ایک FIR اور بھی ہوئی اور اس کا جب فیصلہ تھا تو حضرت فرمانے لگے کہ کچھ نہیں ہوتا جاؤ اللہ تعالیٰ بالکل کرم کرے گا تو ہمارے ملزمان جونہی اندر گئے تو جج نے کہا کہ "بری" اور آخر میں وہ کہنے لگا کہ میں نے یہ کیوں بری کر دیے؟ اگر میں چاہتا تو اِن سے بہت ساری رقم بطور رشوت کما سکتا تھا۔ وہ خود اپنے اِس بری کرنے کے فیصلے پر حیران تھا۔

جن دنوں میں پسرور میں مجسٹریٹ تھا اُس وقت پسرور ہائی کورٹ نے ٹال ٹیکس کیس میں آرڈر (order) دیا کہ فلاں بس سے آپ نے ٹال ٹیکس نہیں لینا۔ تو میں نے وہ order آگے پاس کر دیا مگر وہ جو کمیٹی کا عملہ تھا اُنہوں نے ایک تو stay order لے لیا اور دوسرے بس سے 74000 ٹال ٹیکس بھی وصول کر لیا۔ تو کورٹ نے توہینِ عدالت (contempt of court) دائر کر دی۔ میں نے حضرت جیؒ سے عرض کیا کہ حضرت وہ contempt of court دائر ہوگئی ہے۔ حضرت جیؒ فرمانے لگے کہ آپ درود شریف کا ورد کرتے چلے جانا، اللہ کرم کرے گا۔ میں ٹال ٹیکس کیس کے سلسلے میں درود شریف پڑھتا ہوا عدالت چلا گیا۔ جج صاحب نے دوسرے کیس کے ساتھ ہی توہینِ عدالت کا کیس ختم کر دیا حالانکہ اُس دن اُس کیس کی شنوائی ہی نہیں تھی لیکن جج صاحب اُن کے وکیل کو کہنے لگے کہ وہ جو تم نے 74000 والی کھپ ڈالی ہوئی ہے اُس کو میں ابھی ختم کرتا ہوں اور ساتھ مجھے کہا کہ یار آئندہ ایسے نہیں کرنا! یہ سب معاملہ دیکھ کر اُن کا وکیل بھی حیران پریشان تھا کہ یہ ہوا کیا ہے؟ اور ہم بالکل کلیئر ہو کر عدالت سے باہر آ گئے۔ یہ حضرت جیؒ کے لیے یہ بالکل معمولی باتیں تھیں لیکن دل میں ایک کسک ہے کہ ہم حضرت جیؒ سے ہیروں کی دکان پہ آ کر کوئلے مانگتے رہے اور حضرت جیؒ سے وہ چیز اُس طریقے سے حاصل نہ کر سکے جس طریقے سے ہمیں کرنا چاہیے تھی۔

حضرت جیؒ ایک ایسا سہارا تھے کہ میرے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھتا تو دھیان فوراً حضرت جیؒ کی طرف جاتا اور حضرت جیؒ سے عرض کرتا کہ حضرت جیؒ دعا فرما دیں۔ اور یہ پتہ تھا کہ میری پشت پر ایک مضبوط ہاتھ ہے اِس لیے مشکل سے مشکل حالات میں کبھی گھبراہٹ کا شکار نہ ہوا۔ اگرچہ حضرت جیؒ کا جانا بہت بڑا نقصان تھا اور یہ کبھی پورا نہ ہو پائے گا مگر اللہ کا شکر ہے کہ وہ اس قدر مہربان تھے کہ اُنہوں نے جاتے جاتے اپنا ایک نعم البدل ہمیں موجودہ شیخ کی صورت میں عنایت فرما دیا۔ گو کہ موجودہ شیخ کو جانشینی کے لیے نامزد کرنے کا فیصلہ مشائخ عظام کا تھا لیکن حضرت جیؒ کی تربیت نے اُنہیں بالکل حضرت جیؒ کی تمثیل بنا دیا۔ حضرت جیؒ کی وہی مہربانیاں، وہی شفقتیں، وہی نوازشیں موجودہ شیخ کی صورت میں آج ہمارے پاس ہیں۔ حضرت جیؒ کی کمی پوری تو نہیں ہو سکتی لیکن الحمدللہ وہ ہمیں ایک مضبوط سہارا اور بہت ہی شفیق کندھا دے کر گئے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ اِس وقت بھی یہ فیض پوری آب و تاب سے جاری و ساری ہے اور برکات و کیفیات کی ترسیل کا یہ سلسلہ آج بھی اُسی طرح چل رہا ہے جیسا حضرت جیؒ کے دور میں چل رہا تھا۔ میں آخر میں حضرت جی مدظلہ العالی کا واقعہ بھی سناتا چلوں۔

ایک رات میں گھر میں اپنے نواسے عبدالواسع کو جلد سُلانے کے لیے جب گھر کی تمام بتیاں بند کروا کے بستر پر آیا تو ساتھ والے کمرے سے آنے والی عجیب سی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ کچھ دیر بعد پھر وُہی آواز سنائی دی اور ساتھ میں یوں لگا جیسے بچے کا کھلونا بج رہا ہو۔ جب کمرے میں جاتا تو وہاں کسی چیز کی موجودگی کا احساس نہ ہوتا۔ میں نے حضرت جی مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ گھر سے اِس طرح کی آواز آ رہی ہے۔ حضرتِ جی مدظلہ العالی نے فرمایا کہ ''اب وہ آواز نہیں آئے گی''۔

اور واقعی ہی اُس کے بعد وہ آواز آنا بند ہوگئی۔

حضرت جیؒ کے دور میں جو کمیاں کوتاہیاں ہم سے سرزد ہوئیں اُنہیں ہمیں مستقبل میں دور کرنا چاہیے اور حضرت جیؒ کے بتائے ہوئے طریقے سے اللہ کے راستے پہ اُس کا ذکر کرتے ہوئے منازلِ سلوک طے کرنی چاہئیں۔ حضرت جیؒ کی باتیں ہمارے لیے ایک مینارۂ نور اور ایک روشن قندیل جیسی ہیں۔ اللہ تادمِ واپسیں حضرت جیؒ کی تعلیمات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اظہر خورشید۔ فیصل آباد

اظہر خورشید صاحب فیصل آباد کے صاحبِ مجاز ہیں۔ آپ کا شمار اُن خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے جن کو سفر و حضر میں حضرت جیؒ کے انتہائی قریب رہنے کا موقع ملا۔ آپ کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ آپ فنا فی الشیخ تھے اور فنا فی الشیخ ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اظہر خورشید صاحب کا مضمون اُن کی انتہائی مصروفیت کی وجہ سے تاخیر سے موصول ہوا اِس لیے اُن کے مضمون سے حضرت جیؒ کے ساتھ گزارے گئے حسین لمحات کی یادوں کے کچھ اقتباسات قارئین کی نظر ہیں۔

؎ دنیا بھر کی یادیں ہم سے ملنے آتی ہیں
شام ڈھلے اِس سونے گھر میں میلہ لگتا ہے

میں جب بھی حضرت جیؒ کی شخصیت کو دیکھتا تھا تو مجھے اُن کے گرداگرد ایک نور کا ہالہ محسوس ہوتا تھا اور انوارات کا ایک بالکل اورا (aura) سا بنتا تھا اور کبھی وہ بہت گاڑھا ہوتا تھا اور کبھی وہ بس ایک نور سا پھیلا پھیلا ہوتا تھا۔ میں کیسے بتلاؤں مگر جب کافی سالوں کے بعد مجھے اُس کا ادراک ہوا تو میں جب حضرت جیؒ کے ہاتھ کو چھوتا تھا یعنی اُس نور کے ہالے کو یا اُس اورے کو جب بھی چھونے کا موقع ملتا تھا تو میرے ہاتھ کے اندر ایک ارتعاش محسوس ہوتا تھا۔ جس کو میں Physically (جسمانی طور پر) دیکھتا بھی تھا اور ہمیشہ محسوس کرتا تھا اور اُس کے اندر کا جہان ہی اور تھا وہاں کی کیفیات اور تھیں۔ وہاں کی بشاشت، خوشیاں، سکون غرضیکہ ہر چیز مختلف تھی۔ آج میں یہی سوچتا ہوں کہ اگرچہ زندگی میں کم کم موقع ملا لیکن الحمدللہ اُس نور کو چھونے کا موقع ملا، اُسے محسوس کرنے کا موقع ملا۔ حضرت جیؒ سے پہلے میری زندگی میں کوئی شیخ نہیں تھے یا اب موجودہ شیخ المکرم مدظلہ العالی ہیں۔ شیخ کے بارے میں میری یہی رائے ہے کہ شیخ سوچنے کی ذات ہے ہی نہیں۔ شیخ تو دراصل محسوس کرنے کی ہستی ہیں۔ شیخ کو بندہ جیسے جیسے محسوس کرے تو اُسے ویسے ویسے لطف آنے لگتا ہے، ویسے ویسے کیفیت نصیب ہوتی ہے اور ویسے ویسے اُس پر بہت سی چیزیں آشکار ہوتی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے حضرت جیؒ کی مجھ سے محبت اور توجہ کا یہ اثر ہوا کہ میں اکثر اِس کیفیت میں رہا۔ میں نے اپنی زندگی میں حضرت جیؒ سے زیادہ وجیہہ، بہادر اور عقل مند شخص نہیں دیکھا۔

84ء کی بات ہے جب میری حضرت جیؒ سے پہلی ملاقات ہوئی تو وہ ایسے ہوئی کہ اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کا وصال ہوا ہی تھا اور میں اِس چیز سے، اور اُن کی ذات سے واقف نہیں تھا۔ اُنہی دنوں میرے چند محسنوں کی وجہ سے مجھے حلقے میں آنا نصیب ہوا حکیم صادق صاحب اور میرے کزن عارف صاحب جنہوں نے مجھے سلسلہ عالیہ کی دعوت دی تھی اسی دوران فیصل آباد کے چند ساتھیوں نے مرشد آباد جانے کا پروگرام بنایا۔ مجھے کسی بات کا کچھ اندازہ نہ تھا کہ مرشد آباد کیا ہے؟ میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم لوگ فیصل آباد سے دوپہر میں نکلے اور شام کو مرشد آباد پہنچے۔ وہاں پہ پہنچ کے ذکر کیا، ذکر کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ یہاں حضرت جیؒ نے تشریف لانا ہے۔ ہم نے رات کو ذکر کیا اور حضرت جیؒ کا انتظار کیا، مگر آپؒ تشریف نہ لا سکے۔ تہجد کے ذکر کے دوران مجھے یوں لگا تھا کہ میرے سینے کا جو بایاں قلب والا حصہ ہے وہاں ایک سفید سی مستطیل نما سکرین آ کر رک گئی اور اُس کے اوپر ایک انسانی چہرہ نمودار ہوا اور وہ اِس قدر واضح اور قریب سے دکھائی دے رہا تھا کہ مجھے جلد کے بال بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں ذکر کے بعد خود سے کہنے لگ گیا کہ ساری رات مولوی دیکھ دیکھ کر مجھے کچھ ہو گیا ہے اور اس لیے مجھے ذکر میں بھی مولوی نظر آ رہے ہیں۔ اِس بات کا اندازہ نہیں

تھا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے۔ صبح اُٹھے تو مجھے پتہ چلا کہ حضرت جیؒ صبح بھی تشریف نہیں لاسکے اب پروگرام یہ طے پایا کہ ہم سب حضرت جیؒ سے ملنے دارالعرفان منارہ جائیں گے۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ دارالعرفان کیا ہے؟ بہر حال ہم دو گاڑیوں میں تقریباً آٹھ نو لوگ تھے۔ جب ہم منارہ دارالعرفان پہنچے تو جیسے ہی ہم سارے لوگ حضرت جیؒ کے دفتر میں پہنچے تو میں نے دیکھا حضرت جیؒ اپنے پرانے آفس میں زمین پہ رگ rug سی تھی اُس پہ تشریف فرما تھے اور مجھے یاد پڑتا ہے حضرت جیؒ نے گرے کلر کی لمبی لڑ والی سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی۔ پگڑی کی لڑ کمر سے نیچے تک آ رہی تھی۔ حضرت جیؒ نے ہلکے مٹی رنگ کے کپڑے زیب تن کر رکھے تھے اور آپؒ کی گود مبارک میں عبدالرقیب بھائی کھیل رہے تھے۔ جیسے ہی میں نے حضرت جیؒ کو دیکھا تو اچانک سے مجھے یاد آیا کہ وہ تو حضرت جیؒ کی تصویر تھی جو میں نے دورانِ ذکر دیکھی تھی۔ شاید حضرت جیؒ کو ملنے سے پہلے ہی مجھے اللہ کریم نے حضرت جیؒ کی محبت عطا کر دی تھی۔ میں حضرت جیؒ سے ملا۔ مجھے اُس وقت حضرت جیؒ کی ذات کا دراک نہیں تھا، میں جو بہت محبت اور جذبات کی باتیں کیا کرتا تھا لیکن آپؒ سے مل کر مجھے سمجھ آئی کہ آپؒ "تو" محبتوں کے امام ہیں" اور میں صحیح جگہ پہ آ گیا ہوں۔ مجھے تو یونیورسٹی مل گئی ہے اور مجھے اُسی وقت یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میں آپؒ کے بغیر نہیں رہ سکتا مجھے حضرت جیؒ کی ذات سے محبت اور بے پناہ عشق ہو گیا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ احساس بڑھتا رہا اور آج تک بڑھتا رہا کہ میں کبھی بھی اپنے شیخ کے قابل نہیں تھا یہ احساس مجھے ہمیشہ سے تھا اور اب بھی بہت زیادہ ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ کے ساتھ شاید میرا پہلا عمرہ تھا یا دوسرا تھا، بہر حال اللہ کریم نے مجھے مسلسل یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں حضرت جیؒ کے ساتھ کئی سال لگاتار عمرہ کے لیے جاتا رہا۔ ایک دفعہ جب ہم عمرہ کے لیے گئے تو ہم مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ مدینہ منورہ میں ہم سب نے تیاری کی، سفید کپڑے پہنے، خوشبو لگائی اور ہم مسجد نبوی ﷺ کی طرف جا رہے تھے تو رستے میں ایک شخص تھا۔ اُس کے کپڑے بہت زیادہ صاف نہیں تھے لیکن سفید رنگ کے تھے اور جیسے عرب میں لوگ قندورہ پہنتے ہیں تو اُس نے پاؤں تک وہ پہن رکھا تھا اور وہ یمنی تھا۔

اُس نے جیسے ہی حضرت جیؒ کو دیکھا تو وہ حضرت جیؒ کی طرف لپک پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں پانچ چھ قرآن حکیم تھے، جو اُن دنوں میں لوگ ہدیۃً لے کر قرآن شریف مسجدِ نبوی ﷺ میں رکھ دیا کرتے تھے، اب تو اجازت نہیں ہے۔ اُس سے تھوڑے فاصلے پر ایک موٹا سا نوجوان لڑکا جس کے گھنگریالے بال تھے اور سانولا سا رنگ تھا کھڑا تھا۔ اُس بچے کے ہاتھ میں بھی حاجیوں کو دینے کے لیے قرآن شریف تھے تو اُس بندے نے اپنے قرآن شریف بھی اُس بچے کو پکڑا دیے اور خود آ کر حضرت جیؒ کو گلے لگا لیا۔ حضرت جیؒ کے ساتھ باقی جماعت کے سینئر ساتھی بھی تھے جو حضرت جیؒ کے پیچھے تھے۔ میں بھی ساتھ ہی تھا اور میں اس سارے منظر کو بغور دیکھ رہا تھا۔ جب اُس نے حضرت جیؒ کو گلے لگایا تو حضرت جیؒ وہاں رُک گئے اور آپؒ نے اُس کو گلے لگا لیا۔ میں اور ساتھی بھی شاید میری طرح یہی سوچ رہے تھے کہ حضرت جیؒ بالکل فریش ہو کر نہا کر روضۂ اطہر ﷺ کی طرف جا رہے ہیں اور اِس بندے کو تو پسینہ بھی آیا ہوا ہے اور اِس کے کپڑے بھی اتنے صاف نہیں ہیں لیکن اُس نے بڑی محبت سے حضرت جیؒ کے ساتھ چلنا شروع کر دیا اور حضرت جیؒ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اُس نے حضرت جیؒ کو دعوت دی کہ آپ میرے گھر کھانا کھائیں۔ کھانے پہ جب جانے لگے تو حضرت جیؒ اور سینئر ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ اتنے لوگوں کو غریب بندہ کھانا نہیں کھلا سکتا اور اچھا نہیں لگتا۔ حضرت جیؒ نے اُس کی دل جوئی فرمائی اور اُس کے ساتھ کھانے پہ گئے۔ جب حضرت جیؒ نے کھانا کھایا تو اُس نے ایک برتن میں سب کے ہاتھ دھلوائے جو وہاں کا رواج بھی ہے کہ مہمان کھانے کے بعد ایسے ہاتھ دھوتے ہیں۔ بعد میں وہ خوشی کے ساتھ اُس پانی کو پینے لگ گیا اور ساتھ ہی ساتھ اُس نے وہ پانی اپنے بچوں اور باقی گھر والوں کو بھی پلایا۔

خیر جب اُس سے پوچھا گیا کہ آپ اِس طرح سے حضرت جیؒ کو دیکھ کے کیوں آئے ؟ تو اُس نے کہا کہ میں اللہ سے دُعا کیا کرتا تھا کہ اللہ کریم مجھے اِس کائنات میں موجودہ لوگوں میں آپ کا جو محبوب ترین بندہ ہے اُس سے ملادے تو میری یہ دُعا کچھ اِس طرح قبول ہوئی کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو اُنہوں نے مجھے حضرت جیؒ سے ملوایا اور حضرت جیؒ کو دکھلایا کہ یہ ہستی ہیں اور اُس کے ساتھ ہی میری نیند اور خواب ختم ہو گیا۔ میں بڑا آزردہ ہوا کہ میں آپ ﷺ سے یہ پوچھ ہی نہیں پایا کہ یہ مجھے کہاں ملیں گے۔ میرے قلب میں رہنمائی اِس طرح آئی کہ میں نے کہا کہ یہ خواب مجھے مدینہ منورہ میں آیا ہے تو یہ مجھے مدینہ منورہ میں ہی ملیں گے۔ چونکہ یہاں تو بڑی خلقت آتی ہے اور میرا کام بھی یہی تھا کہ قرآن شریف لوگوں کو دیتا ہوں اور اُن پیسوں سے پھر اپنی زندگی چلاتا ہوں۔ میرا یہ معمول تھا کہ میں مسجدِ نبوی ﷺ کے دروازے کے باہر کھڑا رہتا تھا اور آنے والوں کو دیکھتا رہتا تھا۔ جب سب لوگ اندر چلے جاتے اور جماعت شروع ہو جاتی تو میں دروازے میں داخل ہونے والا آخری بندہ ہوتا تھا۔ میں سب سے پیچھے نماز پڑھتا تھا اور جیسے ہی میں سلام پھیرتا تھا تو میں وہاں سے نکلتا اور دوسرے دروازے کے آگے کھڑا ہو جاتا تھا اِس اُمید پہ کہ جو اِدھر سے آنے والے تھے وہ اِس دروازے سے جائیں گے جو دوسرے دروازے سے آئے ہیں وہ دوسرے دروازے سے جائیں گے تو اُن کو بھی دیکھوں گا تو میں دوسرے دروازے کے آگے کھڑا ہو جاتا اور مجھے یہ کرتے ہوئے لگ بھگ قریباً ایک ماہ یا کچھ عرصہ ہو گیا تھا تو آج مجھے آپ نظر آئے تو پھر میں بے اختیار ہو گیا۔

پھر اُس نے اپنے بیٹے کے بارے میں حضرت جیؒ کو بتایا کہ ''میرے بیٹے کو مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور یہ گر جاتا ہے تو میں نے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی بات اپنے بیٹے کو بتائی کہ اُنہیں بھی اِس طرح مرگی کا دورہ پڑتا تھا اور جب وہ گر جاتی تھیں تو اُنہیں اپنی خبر نہیں رہتی تھی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ میرے لیے دُعا فرمائیں مجھے یہ تکلیف ہے تو نبی کریم ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ آپ اِس سے شفاء چاہتی ہو یا جنت چاہتی ہو تو اُن خاتون نے جواب دیا کہ جنت سے بڑھ کے کیا چیز ہے مگر بس اتنا ہو جائے کہ جب میں گروں تو میری بے پردگی نہ ہو اور اُس کے بعد کبھی اُن کے ساتھ ایسا نہیں ہوا اُن کی بے پردگی نہیں ہوتی تھی۔'' یمن سے آنے والا وہ شخص حضرت جیؒ کے ساتھ ساتھ ہی رہا اور یوں وہ اگلے کئی دنوں میں نظر آتا رہا۔ اُس کی ایسی محبت تھی جس پہ کم از کم میں تو بہت رشک کیا کرتا تھا کہ آپ ﷺ نے اُس کا ہاتھ حضرت جیؒ کے ہاتھ میں دیا۔ مجھے اُس یمنی کی شکل یاد ہے اور اُس کے بیٹے کی بھی شکل یاد ہے اور دونوں کا قد کاٹھ بھی یاد ہے۔ وہ حضرت جیؒ کو دیکھ کے ایسے ہو جاتا تھا جیسے بندہ خوشی سے دیوانہ ہو جاتا ہے۔

جن دنوں حضرت جیؒ علیل تھے اور جب مجھے پتہ چلا کہ حضرت جیؒ اب مال خانہ نہیں جاتے اور وہاں نہیں بیٹھتے بلکہ گھر کے اندر ہی رہتے ہیں اور آرام فرماتے ہیں تو میرا دل مال خانے کے جانوروں کے لیے بہت اُداس ہوا۔ کیونکہ میں نے دیکھا تھا کہ حضرت جیؒ ایک بار مال خانے میں تشریف لائے تو جانور (اونٹ، گھوڑا، بیل، بھینسیں) آپؒ کی راہ تک رہے تھے۔ جیسے ہی حضرت جیؒ کی آواز آئی تو اونٹ چھوٹی چھوٹی آوازیں نکالنے لگ گیا۔ حضرت جیؒ نے اُس کے پیچھے کھڑے ہو کر فرمایا ''اوئے میں ادھر آں'' (اوئے میں ادھر ہوں)۔ اُس نے فوراً گردن گھمائی اور پورا گھوما اور حضرت جیؒ کی طرف ہو گیا۔ اِس طرح سے اور جانور بھی حضرت جیؒ کی تشریف آوری پہ ایسا ہی کرتے تھے۔ میرے دل میں خیال آتا تھا کہ جانور تو بہت اُداس ہو جائیں گے۔ وہ آپؒ سے اتنا پیار کرتے ہیں، وہ آپؒ کے بغیر نہیں رہ پائیں گے۔ اب وہ کیا کریں گے؟ آپؒ تو مال خانے جاتے نہیں وہ تو آپؒ کی راہ تکتے تھے۔ میں اُن جانوروں کے لیے بے حد اُداس تھا۔ اُنہی دنوں جب میں دار العرفان گیا اور حضرت جیؒ سے ملا۔ میں نے عرض کی کہ حضرت آپ مال خانے تشریف نہیں لے کے جاتے تو جانور تو بہت اُداس ہوں

کہ تو حضرت جیؒ فوراً فرمانے لگے " نہیں میں روز صبح گھر سے آ کر گاڑی لے کر پہلے اُدھر جاتا ہوں۔ میں شیشے نیچے نہیں کرتا کہ ڈاکٹرز نے منع کیا ہوا ہے لیکن میں اُن کے پاس کچھ دیر رُکتا ہوں وہ مجھے روز ملتے ہیں۔" حضرت جیؒ کی زندگی کا ایک یہ پہلو بھی میں نے دیکھا ہے۔ اللہ کرے کہ میں تادمِ مرگ اپنے شیخ کی محبت واطاعت کا حق ادا کرتے ہوئے اُن کے مشن کو آگے بڑھاتا رہوں۔ حضرت جیؒ دنیا میں بھی میری پہچان، میرا حوالہ تھے اور اللہ کرے کہ آخرت میں بھی یہی حوالہ میری نجات کا باعث بنے۔ اللہ حضرت جیؒ کے درجات میں بے پایاں بلندی عطا فرمائے۔ آمین۔

عبدالرحمٰن جامی (لاہور)

عبدالرحمٰن جامی 1973ء میں سلسلۂ عالیہ میں آئے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کا زمانہ بھی پایا اور حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ سے بھی کسبِ فیض کیا اور آج کل وہ لاہور میں واہگہ ٹاؤن کے امیر ہیں۔ وہ حضرت جیؒ کے حوالے سے ایک خوبصورت واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

میں شیخ زاید ملٹری ہسپتال ابوظہبی میں کام کرتا تھا۔ وہاں ایک شخص اکبر حبیب جو کہ آزاد کشمیر کا تھا۔ میں نے اُس کو بیعت کروایا تھا۔ وہ میرے ساتھ ہی آفس میں کام کرتا تھا۔ میں ہسپتال کی ایمرجنسی میں ڈیوٹی کرتا تھا اکبر حبیب ہسپتال کے انٹیلی جنس intelligence آفس میں ڈیوٹی کرتا تھا۔ حضرت جیؒ تشریف لائے تو میں نے اس کو بھی دعوت دی۔ یہ تمام پروگرام اور مجالسِ ذکر اللہ میں شامل ہوتا رہا اور حضرت جیؒ کے ہاتھ مبارک پر بیعت ہو کر سلسلہ عالیہ میں داخل ہوا۔ حضرت جیؒ کے وطن واپس آ جانے کے بعد اس نے باقاعدگی کے ساتھ ذکر شروع کر دیا اور مجالسِ ذکر میں بھی شامل ہونا شروع کر دیا۔ ملٹری میں جتنے بھی لوگ کام کرتے اُن سب کے پاسپورٹ ہر یونٹ کے انٹیلی جنس آفس میں جمع ہوتے تھے اور جب کوئی اپنے ملک چُھٹی پر جاتا تو پاسپورٹ ملتا تھا اور چُھٹی سے واپس آ کر دوبارہ آفس میں جمع کروانا ہوتا تھا۔ اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ ایک دن میں ابھی ڈیوٹی پر پہنچا ہی تھا کہ اکبر حبیب ملنے کے لیے آ گیا اور خلافِ معمول بڑی مسرت کے ساتھ ملا۔ میں نے پوچھا خیریت ہے تو کہنے لگا کہ میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے اور میں نے حضرت امیر محمد اکرم صاحبؒ کی بڑی کرامت دیکھی ہے وہ بتانے کے لیے آیا ہوں۔ میں بھی خوش ہوا اور کہا کہ پھر تو جلد بتاؤ۔ تو اُس نے بتایا۔ کہ میرا ایک دوست ہے۔ ملٹری ہسپتال میں ہی کام کرتا ہے۔ لیکن اُس کی ڈیوٹی سوحان کیمپ میں ہوتی ہے۔ سوحان کیمپ ابوظہبی سے دبئی کے راستہ پر آتا ہے اور ابوظہبی سے تقریباً 100 کلومیٹر یا اس سے کچھ زیادہ کے فاصلہ پر ہوگا۔ وہ پاکستان چھٹی پہ گیا ہوا تھا۔ اور کل ہی چھٹی گزار کر واپس ابوظہبی آیا ہے۔ میں عصر کے وقت مارکیٹ گیا، تو اچانک اُس کے ساتھ ملاقات ہو گئی، سلام دعا کے بعد اُس نے مجھے کہا کہ صبح میں نے سوحان کیمپ میں جا کر ڈیوٹی جوائن کرنی ہے اور پاسپورٹ بھی صبح ہی جمع کروانا ہے ورنہ غیر حاضری لگ جائے گی۔

اور اگر میں ڈیوٹی پر جا کر واپس پاسپورٹ جمع کروانے کے لیے آؤں تو سارا دن ضائع ہوگا۔ آنے جانے کا بھی مسئلہ ہوگا۔ لہٰذا تم یہ میرا پاسپورٹ لے لو، اور صبح اپنے آفس میں جمع کروا دینا، کیونکہ افسران سے پہلے اس نے ہی جا کر آفس کھولنا ہوتا تھا۔ تو میں نے انکار کیا۔ مگر اُس کے اصرار پر پاسپورٹ لے کر اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لیا۔ اور مارکیٹ میں خرید وفروخت میں مصروف ہو گیا۔ شام کو جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری جیب میں تو پاسپورٹ ہی نہیں ہے۔ کہیں راستے میں گر گیا ہے۔ جس پر میں بے حد پریشان اور فکر مند ہوا کہ میں نے پاسپورٹ لینے کی غلطی کیوں کی؟ اور اگر پاسپورٹ نہ ملا تو میرا کورٹ مارشل ہو جائے گا۔ سزا ہو گی اور نوکری بھی چلی جائے گی کہ تم نے آفس سے باہر پاسپورٹ لینے کی غیر قانونی حرکت کیوں کی۔ اور دوست کا بھی کورٹ مارشل ہوگا کہ تم نے آفس میں آ کر جمع کیوں نہیں کروایا وغیرہ وغیرہ۔

اِس پریشانی میں نمازِ عشاء کا وقت ہو گیا اور نماز کے لیے قریبی مسجد میں چلا گیا۔ پریشانی کے عالم میں ہی وضو کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کی کہ مولا کریم اگر پاسپورٹ نہ ملا تو سزا بھی ہوگی اور میری نوکری بھی چلی جائے گی۔ میں نے سنا ہے کہ اگر کسی کا پیر (مرشد) کامل ہو تو وہ مشکل وقت میں کام آتا ہے۔ میں نے حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ کو پیر پکڑا ہے اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اگر تو وہ میرے پیر کامل ہیں تو اُن کے وسیلہ مبارکہ اور برکت سے مجھے صبح تک پاسپورٹ مل جائے گا۔ اگر نہ ملا تو میں سمجھوں گا کہ میرا پیر کامل نہیں ہے۔ اور وضو مکمل کیا اور نمازِ عشاء باجماعت ادا کی، اور گھر جا کر اسی پریشانی کے عالم میں سو گیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ تشریف لائے ہیں، اور مجھے فرمایا کہ اکبر حبیب اتنی جلدی جذبات میں نہیں آتے اور نہ ہی ایسی جذباتی دُعا کرتے ہیں۔ چلو آؤ میں تمہیں پاسپورٹ دوں۔ میں حضرت جیؒ کے ساتھ چلا تو دیکھا کہ حضرت جیؒ میرے آفس میں ہیں اور اُسی دراز میں جہاں میں نے پاسپورٹ رکھا تھا اُس کو کھولتے ہوئے مجھے پاسپورٹ دکھایا اور پوچھا کیا یہی پاسپورٹ تھا؟ تو میں نے عرض کیا جی حضرت یہی ہے۔ تو حضرت جیؒ نے پاسپورٹ دراز میں رکھتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ لو میں نے پاسپورٹ اُس کی اصل جگہ پر رکھ دیا ہے اب تم نے بالکل پریشان نہیں ہونا، اطمینان کرو''۔ اتنا کہنے کے بعد حضرت جیؒ تشریف لے جاتے ہیں اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ تو میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہ تو خواب تھا۔ ٹائم دیکھا تو فجر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ اُٹھ کر وضو کیا اور نماز کے لیے مسجد میں چلا گیا۔ نماز باجماعت ادا کر کے گھر آیا تو دل نے گواہی دی کہ یہ صرف خواب نہیں ہو سکتا کیونکہ پیر صاحبؒ نے پاسپورٹ دکھایا بھی ہے اور اُس کی اصل جگہ پر رکھا بھی ہے لہٰذا یہ خواب نہیں حقیقت ہو گی۔ اُسی وقت وردی پہن کر آفس چلا گیا حالانکہ ڈیوٹی ٹائم میں ابھی تین گھنٹے کا وقت باقی تھا مگر دل کی تسلی کے لیے فجر پڑھتے ہی نکل کھڑا ہوا اور جا کر آفس کھول کر دراز چیک کیا تو دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ پاسپورٹ دراز میں سیریل نمبر کے حساب سے اپنی اصل جگہ پر پڑا ہوا ہے۔ جس کو دیکھ کر میری ساری پریشانی دور ہو گئی اور نہایت دلی خوشی ہوئی کہ واقعی میرا پیر کامل ہے ویسے تو میرا یقین پہلے بھی کامل تھا مگر جذباتی ہو گیا تھا لیکن اب میرا یقین اور پختہ ہو گیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں نے اُس کو کہا کہ دراصل یہ واقعہ حضرت جیؒ کی کرامت کی سند اور اظہارِ قرب اور مقبولیت بارگاہِ الٰہی ہے، اور یہ کرامت حضرت جیؒ کے ولی کامل و اکمل ہونے کا ثبوت ہے۔

خطیب مولانا بشیر احمد علوی (اسلام آباد)

مولانا بشیر احمد علوی فوج میں خطیب اعلیٰ رہے ہیں۔ اُن کا شمار سلسلۂ عالیہ کے پرانے ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ وہ اسلام آباد کے صاحب مجاز ہیں۔ حضرت جیؒ کی معیت میں گزارے گئے وقت کو یوں قلمبند کر رہے ہیں:

حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ حضرت مولانا اللہ یار خان صاحبؒ کے جانشین تھے۔ سلسلہ اویسیہ کے مشائخ میں آپؒ نے دینِ حقہ کی خدمت کا حق ادا کیا۔ آپؒ نے نہ صرف سلسلۂ عالیہ کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا بلکہ آپؒ نے لوگوں کی زندگی میں روحانی انقلاب بھی بپا کیا۔ قاسمِ فیوضات حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ نے حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کی خدمت میں جو عرصہ گزارا وہ محنت اور مجاہدے سے بھر پور تھا۔ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ صبح کی نماز کے بعد تیار ہو کے مسجد کے دروازے بند کر دیتے اور ذکر پاس انفاس شروع فرما دیتے۔ آپؒ کا یہ ذکر اتنے زور اور جوش سے ہوتا کہ مسجد کے دروازوں کی کنڈیاں تک حرکت کرنے لگ جاتیں اور آوازیں آنا شروع ہو جاتیں۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''بعض اوقات تو ذکر کرتے ہوئے ناک سے خون جاری ہو جاتا اور کپڑے تبدیل کرنا پڑتے۔ جن دنوں گرمی زیادہ ہوتی تو شکر پانی میں گھول کے پی لیا کرتا۔ پیٹ کی درستگی کے لیے بھی چھلکا اسپغول ہر وقت پاس رکھا کرتا تھا۔'' شب و روز کا اکثر حصہ ذکر پاس

انفاس کرتے ہوئے گزرتا جس میں قلزمِ فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کی توجہ کی بارش ہوتی رہتی۔

حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے اپنے شیخ کو پہلے دن جان بھی لیا اور مان بھی لیا اس لیے حضرت قلزمِ فیوضاتؒ کے منہ سے جو بات نکلی اُس کو پورا کرنے کی میں نے مقدور بھر کوشش کی۔ میں نے زمینداری بھی کی، تجارت بھی کی لیکن حضرت قلزمِ فیوضاتؒ کا کوئی پروگرام کبھی نہ چھوڑا۔ آپؒ اگر گلگت سکردو گئے تو بھی میں اُن کے ساتھ تھا۔ اگر کبھی کشمیر کراچی کی طرف جانا پڑا تو بھی میں آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ دنیوی امور کبھی بھی میرے لیے رکاوٹ نہیں بنے بلکہ میرے دنیاوی امور لوگوں سے بہتر چلتے رہے۔''

قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ نے اپنے شیخ کی اطاعت اور ماننے کی مثال پیش کرنے میں حد کر دی۔ ایک مرتبہ قلزمِ فیوضاتؒ کو پیسوں کی ضرورت پیش آئی اور اُنہوں نے پیغام بجھوایا۔ قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے پاس بھی اُس وقت رقم نہ تھی البتہ گاڑی موجود تھی۔ اُنہوں نے اپنے ڈرائیور کو کہا کہ گاڑی پنڈی لے جاؤ اور فروخت کر کے رقم قلزمِ فیوضات حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کو چکڑالہ پہنچا آؤ۔ ڈرائیور گاڑی بیچنے کے بعد پیسے لے کر چکڑالہ قلزمِ فیوضاتؒ کی خدمت میں پہنچا اور رقم اُن کے حوالے کر دی۔

قلزمِ فیوضاتؒ نے پوچھا کہ گاڑی کدھر کھڑی کی ہے؟ ڈرائیور نے جواب دیا حضرت یہ گاڑی کے ہی پیسے ہیں جو میں پنڈی میں بیچ کر سیدھا آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ قلزمِ فیوضاتؒ تھوڑی دیر پریشان ہوئے لیکن اُن کے دل سے جو دعا نکلی اُس کا یہ نتیجہ رہا کہ اُس کے بعد قاسمِ فیوضات حضرت جیؒ کے پاس ہمیشہ ایک سے زائد اور بہترین گاڑیاں رہیں۔

حضرت قاسمِ فیوضاتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میں پچیس سال تک حضرت قلزمِ فیوضاتؒ کے ساتھ رہا اور پھر پینتیس سال تک حضرت کے مشن کی تکمیل میں لگا رہا۔ گویا حضرت کو پہچاننے میں مجھے ساٹھ سال لگ گئے۔ اب میں کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنے شیخ کو جانتا، مانتا اور پہچانتا بھی ہوں۔' آپؒ نے ساری زندگی صرف خود اللہ ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی رب کی یاد کے ساتھ جوڑا اور رب نے آپ کو اپنی رضا کے ساتھ جوڑ دیا۔

محمد لطیف بٹ اویسی......(میر پور آزاد کشمیر)

لطیف بٹ اویسی میر پور ڈویژن (آزاد کشمیر) کے صاحبِ مجاز ہیں۔ وہ گزشتہ زندگی کے اوراق پلٹتے ہوئے حضرت جیؒ کی خوبصورت یادوں کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرما رہے ہیں کہ:

دارالعرفان میں جب آپؒ کا پہلا بیان سنا تو ایک ایک لفظ دل میں اُترتا چلا گیا۔ بیان میں قرآنِ کریم کی شیرینی اور لذت محسوس کی۔ اللہ اور اُس کے حبیب ﷺ کی محبت محسوس ہوئی اور ایمان ویقین میں پختگی آئی۔ آپؒ کے بیان میں سوزِ صدیقؓ دل کی گہرائیوں میں، فاروقی گرج انداز میں، عثمانؓ کی حیا نگاہ میں اور جراتِ علیؓ عزم وحوصلہ میں نصیب ہوتی تھی۔ آپؒ دل کی دنیا میں انقلاب برپا کرنے والی ہستی تھے۔ آپؒ کا پہلا بیان سن کر ہی داڑھی رکھنے کا ارادہ کر لیا اور سلسلۂ عالیہ کی نسبت نصیب ہوئی۔ آپؒ کی رفاقت سے کیفیات کا ایسا تسلسل نصیب ہوا جن کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ ایک دفعہ ہم اپنے محبوب شیخ المکرم قاسمِ فیوضاتؒ کی زمینوں پر کام کر رہے تھے۔ آپؒ وہاں پانی کا کنواں کھدوا رہے تھے آپؒ نے پتھر دکھایا جو کنواں سے تقریباً 90 فٹ گہرائی سے نکلا تھا۔ اس پتھر کو جب توڑا گیا تو اُس میں سے ایک تتلی نما چیز نکلی جو زندگی کی بہاریں گزار رہی تھی۔ آپؒ نے فرمایا "رب وہ ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر وقت ہر حال اور ہر جگہ پوری کرنے والا ہے۔ جو رب 90 فٹ گہرائی میں موجود پتھر کے اندر اس تتلی کی خوراک کا انتظام کر رہا ہے اور اُس کو زندہ بھی رکھے ہوئے ہے۔ کیا وہ رب ہمیں رزق نہیں دے گا؟ اللہ کی ذات پہ یقینِ کامل کی ضرورت ہے" کام کے دوران مقامی لوگوں سے ملاقات ہوئی وہ لوگ کہنے

لگے کہ قاسمِ فیوضاتؒ یہاں کے عثمانِ غنیؓ ہیں کہ اِس دور دراز علاقے میں جہاں پانی کی شدید قلت ہے یہ آدمی ہمارے لیے سیدنا عثمانِ غنیؓ سے کم نہیں۔

ہمارے علاقے بھمبر کے قصبہ دھندر کوٹ میں ایک بہت پرانی دشمنی چلی آرہی تھی جس میں دونوں فریقین کا کافی بھاری جانی اور مالی نقصان ہو چکا تھا۔ کافی لوگ معذور اور کچھ لوگ جیل کاٹ رہے تھے۔ ایک گروپ کے لیڈر جن سے پہلے زیادتی ہوئی تھی وہ کہنے لگے کل میری تاریخ ہے اور مجھے علم ہے کہ میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ آپ کے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوں۔ قاسمِ فیوضاتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ حضرت جی دعا کریں کہ آئندہ کی زندگی آرام سے گزرے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا "اللہ خیر کرسی (اللہ خیر کرے گا)۔" قاسمِ فیوضاتؒ کا یہ فرمانا مجھ ناچیز کے لیے پختہ یقین تھا کہ اب اللہ خیر کرے گا۔ میں نے دوسرے گروپ کے لیڈر سے بھی رابطہ کیا پہلی ملاقات میں مجھے اچھے نتائج ملے۔ اس کے بعد کافی عرصہ یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ اِس سے پہلے کافی لوگ صلح کی کوشش کر چکے تھے۔ بندہ ناچیز نے اِس یقین کے ساتھ کوشش کی کہ میرے شیخ نے کہا ہے کہ اللہ خیر کرے گا۔ مظلوم خاندان کروڑ روپے مانگتے تھے اور دوسرے فریق لاکھوں دیتے تھے۔ میرے شیخ کی دعا سے اچھے انداز میں صلح ہو گئی۔ ذکرِ الٰہی کی برکت سے حضرت جیؒ کی توجہ اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ آج تقریباً ڈیڑھ سال سے دونوں گروپ امن وسکون کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور ساتھ علاقے کے لوگ بھی امن کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اللہ قاسم فیوضات حضرت جیؒ پہ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور اُن کے درجات بلند فرمائے اور حضرت جیؒ کے مشن کو کامیاب فرمائے۔ اللہ ہمیں نفاذِ اسلام کے لیے قبول فرمائے اور غزوۃ الہند میں حضرت جیؒ کے ساتھ ہراول دستہ میں منتخب فرمائے آمین۔

ریاض حسین شاہ...... (گلگت)

ریاض حسین شاہ گلگت کے قائم مقام صاحب مجاز ہیں حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ کے حوالے سے وہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

1986ء میں میں گلگت بلتستان میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہا تھا اور اپریل کا مہینہ تھا اور سکول میں تفریح کا وقت۔ میں کسی کام سے باہر نکلا تو میری نظر ایک وجیہہ وخوش لباس، قدآور چہرے پہ سنتِ نبوی ﷺ سجائے ایک پُرنور اور باوقار شخصیت پر پڑی اور میں مبہوت ہو کر رہ گیا۔ بے اختیار دل میں خیال آیا کہ قرونِ وسطیٰ کے مسلمان سپہ سالار ایسی ہی شخصیت کے مالک ہوں گے۔ اس شخصیت کے مسلمان کے لیے دل میں عقیدت ومحبت کا جذبات پیدا ہوئے۔ دل چاہا کہ آگے بڑھ کر ملاقات کروں لیکن اُن کی مسحور کن اور رعب دار شخصیت کی وجہ سے ہمت نہ ہوئی دل مسوس کر رہ گیا۔ اسی دن بعد نمازِ عصر میرے دوست سلیم صاحب (مرحوم) اور سعید صاحب میرے پاس تشریف لائے اور اُنہوں نے بتایا کہ ہمارے مرشد جناب حضرت مولانا اکرم اعوانؒ تشریف لائے ہیں اور آج شام ہمارے ہاں اُن کی دعوت ہے۔ آپ بھی ضرور آئیں میں نے شرکت کا وعدہ کیا۔ شام کو حسب وعدہ سعید صاحب (پنڈی والے) کے گھر چلا گیا۔ جیسے ہی ڈرائینگ روم میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں وہی شخصیت تشریف فرما ہیں جن کو میں نے آج ہی بازار میں دیکھا تھا۔ میں بے اختیار عقیدت سے انہیں ملنے کے لیے آگے بڑھا۔ اُن کی محفل میں بیٹھنے کا موقع ملا اور اُن کی باتوں سے مستفید ہوا۔ کچھ دیر بعد ذکر شروع ہوا لیکن یہ بندہ اِس محفل میں شریک نہ ہوا۔

دوسرے دن حضرت جیؒ شکار کے لیے خنجراب تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے برفانی چیتے کا شکار کیا۔ حضرت جی تو واپس تشریف لے گئے لیکن اُن کی باتیں میرے دل میں گھر کر چکی تھیں۔ یہ اُن ہی کا

اثر تھا کہ مجھ جیسا مذہب سے دور بندہ سلیم صاحب اور سعید صاحب کے ساتھ محفلِ ذکر میں شریک ہونے لگ گیا اور نہ صرف نمازِ پنجگانہ ادا کرنے لگا بلکہ تہجد میں بھی باقاعدگی آنے لگی ذکر کی محفلیں سجنے لگیں اور کلین شیو چہرہ سنتِ نبوی ﷺ سے سج گیا۔

آپؒ شکار کے بعد واپس گلگت تشریف لائے تو مجھے آپؒ کے پاؤں دبانے کا موقع ملا، آپؒ کی خصوصی توجہ کی وجہ سے میرے تمام لطائف منور ہو گئے۔ وہ توجہ، وہ سرور، وہ کیفیت ناقابلِ بیاں ہے۔ اُن ہی دنوں میرا تبادلہ چلاس ہو چکا تھا اور اچانک میرا خیال اُس طرف چلا گیا۔ وہاں کے مسائل ذہن میں آنے لگے حضرت جیؒ نے فرمایا "بیٹا! جاؤ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی" میں شرمندہ ہونے کے ساتھ ہکا بکا رہ گیا۔ میں تو دعا کروانا چاہتا تھا لیکن ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میری عقیدت میں مزید اضافہ ہوا، وقت کے ساتھ ساتھ حضرت جیؒ کی شخصیت کے مزید پہلو آشکار ہوئے۔

ڈاکٹر محمد دین (ریٹائرڈ وٹرنیری آفسر) پنڈی گھیپ

ڈاکٹر محمد دین ریٹائرڈ وٹرنیری آفسر ہیں اور پنڈی گھیپ کے امیر سلسلہ رہ چکے ہیں۔ اِن کا شمار حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے ساتھ شروع میں ذکر کرنے والے ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ وہ شیخ المکرمؒ کے ساتھ گزارے گئے اپنے قیمتی لمحات یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ذکر میں آنے کا حال کچھ ایسے ہے کہ میٹرک کے بعد فارغ تھا۔ رشتے کے ماموں بشیر صاحب ہمارے گھر آئے اور بتایا کہ کل چکڑالہ جا رہا ہوں، وہاں ایک بڑے پائے کے عالم استاد ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شرفِ ملاقات نصیب ہوئی۔

حضرت جیؒ مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ کے ساتھ میری پہلی ملاقات نور پور کے پہلے پروگرام میں ہوئی۔ میں وہاں پندرہ یا بیس دن رہا۔ آپؒ اکثر ملک خدا بخش کے ساتھ اڑیال کا شکار کر کے لاتے اور ساتھیوں کو کھلاتے۔ اعلیٰ حضرت جیؒ کے لیے تیتر کا شکار کر کے لاتے اور اعلیٰ حضرت جیؒ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپؒ نے ملازمت ترک کر کے کان کنی شروع کر دی تھی۔ آپؒ نے اس کاروبار میں اعلیٰ حضرت جیؒ کا بھی حصہ رکھا اور ساری زندگی وہ حصہ اعلیٰ حضرت جیؒ کی خدمت میں پہنچاتے رہے۔

حضرت جیؒ مجھ سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کہہ کر مخاطب فرماتے۔ آپ زیادہ بات چیت نہیں فرماتے تھے۔ زیادہ تر ذکر اذکار میں مشغول رہتے۔ دن بھر کاروباری سرگرمیاں جاری رکھتے۔ شام کو جب تشریف لاتے تو اپنی لائن میں بیٹھ کر ذکر شروع کر دیتے تھے۔ قلزمِ فیوضات پہلی لائن میں تشریف فرما ہوتے تھے، ساتھی اپنے اپنے مراقبات کے لحاظ سے ساتھ بیٹھتے تھے، حضرت جیؒ، اعلیٰ حضرتؒ کے ساتھ ہر کام میں سرِ فہرست ہوتے تھے۔ معمول (ذکر) میں مصروف رہتے۔ کوئی خاص بات ہوتی تو ہنسا دیا کرتے تھے۔ کمال کی حسِ مزاح رکھتے تھے جو حقیقت پر مبنی ہوتا تھا۔

حضرت جیؒ، اعلیٰ حضرت جیؒ کے پہلے شاگردوں میں سے تھے۔ استاد جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ نے اس بندے کو اتنا حافظہ عطا فرمایا ہے کہ جو سبق مولوی ایک مہینے میں یاد کرتے ہیں، وہ سبق یہ ایک دن میں یاد کر لیتے تھے۔"

حضرت جیؒ کو قرآن فہمی میں ملکہ حاصل تھا، اسی خصوصیت کی بناء پر اعلیٰ حضرتؒ نے انہیں قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپؒ نے ڈلوال میں اپنے جمعہ کے بیان میں تفسیر شروع کی۔ پہلے پہل قرآن کریم جہاں سے کھولتے تفسیر فرمانا شروع کر دیتے۔ بعد میں باقاعدہ ترتیب وار تفسیر شروع فرما دی۔ اس کے بعد منارہ میں جمعہ کے بیان میں تفسیر فرماتے۔ بڑے حضرت جیؒ نے انہیں اپنا طالب علم فرمایا اور ہمیشہ ان کی علمی ذہانت کی تعریف کی۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ 'یہ میرے چوٹی کے طالبعلم ہیں۔"

کوئلے کی کانیں محکمہ جنگلات کے اندر ہوتی ہیں اور کان کنی

کے سالانہ ٹھیکے کی رقم محکمہ جنگلات کو دینا پڑتی ہے۔ کانزرویٹر آف جنگلات خالد صاحب (جو میرے ذاتی دوستوں اور میرے علاقے سے ہیں اور جماعت سے تعلق بھی نہیں رکھتے) نے بتایا کہ "حضرت جیؒ وہ واحد بندہ ہیں جنھوں نے سارا سال ٹیکس ادا کیا ہے۔"

حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میرا کوئلہ سب سے سستا ہوتا ہے۔ کیونکہ میں کان کنی میں استعمال ہونے والا سامان جیسے ریڑھیاں، گینتیاں اور بیلچے وغیرہ جہاں بنتے ہیں، وہاں سے پورے سال کے لے آتا ہوں۔" کم لاگت کی وجہ سے آپ ٹھیکداروں کو کوئلہ سستے داموں فراہم کرتے تھے۔ ایک بندے سے ٹھیکہ کیا ہوا تھا کہ پورا سال اس ریٹ پر ٹرک کے حساب سے کوئلہ فراہم کروں گا۔ بعد میں کوئلہ مہنگا ہوگیا، وہ بندہ پریشان ہوکر آپ کے پاس آیا۔ حضرت جیؒ نے فرمایا

" میرے تمہارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے، وہی ہوگا، اسی ریٹ پر سارا سال کوئلہ فراہم کروں گا۔" اسے اسی ریٹ پر کوئلہ فراہم کا اور فرمایا" نیا ریٹ تو نئے آنے والوں کے لیے ہے'۔

اعوان کی بسیں راولپنڈی سے سرگودھا دارالعرفان سے گزرتی تھیں۔ اعوان کی ایک بس نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی جیپ کو ٹکر ماری۔ جیپ الٹ گئی۔ آپؒ زخمی ہو گئے۔ ہسپتال سے جب فارغ ہوئے، وہ مذکورہ بس اسی روٹ سے گذری، حضرتؒ نے بس اندر کھڑی کر دی۔ ڈرائیور بھاگ گیا۔ مالک بس، دیگر مالکان بس کے پاس گیا کہ بس نکلوا دیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ ایسا بندہ ہے کہ ہماری جرات نہیں کہ ان کے پاس جائیں۔ میری موجودگی میں وہ بندہ حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس آیا، بس حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو دیتے ہوئے معافی مانگی۔ آپؒ نے فرمایا" مجھے اللہ نے اپنی گاڑیاں دے رکھی ہیں، تم اپنی بس اپنے پاس رکھو، اپنے ڈرائیورز کو سمجھاؤ گاڑیاں آرام سے چلائیں۔ عام بندوں کو روندتے چلے جاتے ہیں" اور بغیر جرمانے کے آپ نے بس واپس کردی۔"

آپ کا وجدان بہت تیز تھا۔ جس میں اُنہیں کبھی غلطی نہیں لگی۔ جسے آپ نے کبھی بیان نہیں فرمایا۔ کبھی بیان فرمایا تو ہیڈ ماسٹر محمد خان صاحب سے بیان فرمایا۔ آپؒ کو کوئی انعام بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے ملتا تو ساتھیوں میں حلوہ تقسیم فرماتے۔

حفیظ الرحمٰن......(ٹوبہ ٹیک سنگھ)

حفیظ الرحمٰن ایک عرصہ دراز تک ٹوبہ ٹیک سنگھ میں الاخوان کے صدر کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔ آج کل وہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے صاحب مجاز ہیں۔ حضرت جیؒ کی مرجع خلائق شخصیت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

ایک جامع صفات کے حامل شیخ المکرم قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ دورانِ گفتگو اور درسِ قرآن میں ہر آنے والے کے سوالوں کا جواب مرحمت فرماتے سائل کو سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ ہوتی۔ شرح صدر کا یہ انداز وہبی تھا۔ افمن شرح اللہ صدرہ للا اسلام فھو علی نور من ربہ سے آپؒ کے ارشادات کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ حتٰی کے اکرم التراجم اتنا عام فہم ہے کہ ہر شخص بآسانی ترجمۂ قرآن پڑھ سکتا ہے۔

قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ کے ساتھ محبت ہر وہ شخص کرتا جو آپ کو ایک نظر دیکھ لیتا یا آپ کی تحریر و تقریر سنتا۔ آپؒ کے وصال سے دو ماہ قبل دارالعرفان منارہ میں میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو امریکہ سے وہاں پہنچا۔ اُس کا کہنا تھا مولانا کے آڈیو اور ویڈیو تفسیر قرآن مجھے آپؒ کے قدموں میں لے آئے ہیں۔ چالیس دن آپؒ کی صحبت میں گزار کر جا رہا ہوں یہ ایک بندے کا کہنا ہی نہیں تھا ہر ملاقات کرنے والا آپؒ کو اپنا مہربان محسوس کرتا۔ یہ اللہ کی خاص مہربانی تھی مجھے ایسے احباب ملے جو سلسلۂ عالیہ میں بیعت ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خواب میں آپؒ کا چہرہ مبارک دکھایا اور آپؒ سے نسبت قائم کرنے کا حکم فرمایا۔ آپؒ حضرت جنید

بغدادیؒ کے اندازِ تصوف کا مظہر تھے آپؒ فرماتے تھے مجھے میرے شیخ اعلیٰ حضرت مولانا اللہ یار خانؒ فرمایا کرتے تھے آپ کو بادشاہی بھی عطا ہوگی اور فقیری بھی سو الحمد للہ اللہ نے میری سوچ سے بڑھ کر مجھے عطا کیا۔

ہمارے شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مفتی سید محمد سلمان صاحب جو گولڈ میڈلسٹ تھے حضرت جیؒ کا بیان سن کر آنسو بہاتے اور کہتے کہ اندازِ بیان عطاءِ پروردگار ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب مسائل السلوک کی شرح اس قدر آسان کر کے مکمل کرنا حضرت جیؒ کی کرامت ہے تصوف کیا ہے اور یادِ الٰہی اور ذکرِ قلبی کا ودیعت کرنا اس پُر فتن دور میں اللہ اللہ عظیم کرامت ہے جو آیا ذکرِ قلبی ہی نہیں لطائف اور انوارات کا تسلسل حاصل کر کے گیا۔

لطائف روح کے اعضائے رئیسہ ہیں مگر ان کا تعلق عالمِ امر سے جوڑ دینا یہ حضرت جیؒ کی ایک نظر کا کمال تھا۔ میں تو بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ جو شیخ المکرم سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ قاسم فیوضات حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوانؒ کو سوچنا ہی شروع کر دیتا وہ پھر وصالِ حق کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا۔ نفاذِ اسلام کے لیے موت کی بیعت لینا اور غزوہ ہند کی حدیث کو عام کرنا آپؒ کا خاص کمال تھا۔

غلام مصطفیٰ (راولپنڈی)

صاحب مجاز غلام مصطفیٰ کو حضرت جیؒ کے ساتھ کئی دفعہ عمرہ پر جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہاں انہوں نے حضرت جیؒ کی بہت ساری کرامات دیکھیں جن کو انہوں نے یوں بیان کیا:

ایک دفعہ حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضری نصیب ہوئی اور مدینہ منورہ سے دس کلومیٹر دور بیئر روحہ (جگہ کا نام ہے) پر جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ چند ساتھی اور بھی ساتھ تھے وہاں حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ نے حضرت محمد ﷺ کے قدوم مبارک کی نشاندہی فرمائی۔ حضرتؒ نے چھڑی کے ساتھ نشان زمین پر لگائے، اور فرمایا کہ "یہ آپ ﷺ کا دایاں قدم مبارک ہے اور دوسرا نشان آپ ﷺ کا بایاں قدم مبارک ہے" اس طرح سے کافی جگہوں پر قدومِ مبارک کی نشاندہی فرمائی۔ قدومِ مبارک کی جگہ پر کھڑے ہو کر حضرت جیؒ نے نوافل ادا کیے اور فرمایا کہ "اس جگہ پر حضرت محمد ﷺ نے بھی نماز ادا فرمائی تھی۔' حضرت جیؒ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی جنگ خندق میں کمانڈ پوسٹ والی جگہ کی نشاندہی فرمائی اور پھر حضرت عمرؓ کی کمانڈ پوسٹ والی جگہ کی بھی نشاندہی فرمائی۔ اور پھر حضرت عثمان غنیؓ کی کمانڈ پوسٹ کی نشاندہی فرمائی۔ ایک جگہ ساتھی نے سوال کیا کہ خندق کہاں تھی؟ جس پر حضرت جیؒ نے ایک گاڑی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "خندق یہاں تھی۔"

مسجدِ قبلتین کے مقام پر حضرت جیؒ نے مسجد کے قبلہ کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ "پہلے قبلہ کی پوزیشن ایسے تھی اور قرآن کی آیات کے نزول کے بعد قبلہ کا رخ تبدیل ہو گیا۔' حضرت جیؒ نے قبلے کی (پوزیشن) کی نشاندہی فرماتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات کو بھی شامل فرمایا۔ ایک جگہ حضرت جیؒ سے بھائی جان عبدالرقیب صاحب نے سوال کیا کہ جہاں پر آپؒ نے دو نفل ادا کیے ہیں وہ کون سی جگہ ہے؟ جس پر حضرت جیؒ نے فرمایا کہ "یہاں آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔" اس موقع پر فیصل آباد کے ساتھی خالد ممتاز بھی ہمارے ساتھ موجود تھے۔

مدینہ منورہ سے تبوک کے راستے میں ایک کنواں ہے۔ یہاں ریگستان ہے اس کنویں کا پانی بہت کڑوا تھا حضرت محمد ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس کنویں میں ڈالا تو پانی میٹھا ہو گیا۔ یہ کنواں کافی بڑا ہے اس کے درمیان میں اوپر لکڑی رکھ کر کنویں کے دو حصے بنائے گئے ہیں ایک حصہ حضرت عثمانؓ نے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جبکہ دوسرا حصہ یہودی کی ملکیت تھا تمام لوگ حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے پانی بھرتے تھے اور یہودی کی طرف سے کوئی آدمی پانی نہیں بھرتا تھا کیونکہ یہودی پانی کے بدلے پیسے وصول کرتا تھا۔ اس پانی کی ایک

خصوصیت یہ تھی کہ اگر پانی زمین پر گرتا تھا تو آگے پھیلتا نہیں تھا۔ (پانی زمین میں جذب بھی نہیں ہوتا تھا) وہ پانی بکریاں آ کر پیتی تھیں۔ اِس مبارک کنویں سے حضرت جیؒ نے پانی کا ڈول خود نکالا، پانی پیا اور تمام ساتھیوں کو بھی پانی پلایا۔

مکۃ المکرمہ سے احد کے مقام پر حضرت جیؒ بائی روڈ تشریف لے گئے تھے۔ سراج رفعت صاحب نے راستے کے متعلق رہنمائی فرمائی۔ حضرت جیؒ نے مقامِ اُحد پر کھڑے ہوکر غزوہ اُحد کے حالات و واقعات پر تفصیل سے ساتھیوں کو بتایا۔

مدینہ منورہ میں قرآن سینٹر پر جہاں قرآنِ پاک پرنٹ کیا جاتا ہے حضرت جیؒ تشریف لے گئے اور اُن کو مشورے بھی دیئے۔ اُس کے علاوہ دورانِ عمرہ روحانی طور پر اماں حوا سے بات کی۔ میں بھی اُس وقت حضرت جیؒ کے ہمراہ تھا۔

حضرت جیؒ مقامِ غارِ ثور پر بھی تشریف لے گئے۔ حضرت جیؒ کے ساتھ میں، حیدر زمان صاحب اور مختار بھائی بھی تھے۔ حضرت جیؒ جب غارِ حرا جا رہے تھے تو غلام مصطفٰی صاحب گاڑی چلا رہے تھے۔ چڑھائی پر گاڑی نے جواب دے دیا۔ حضرت جیؒ نے توجہ فرمائی اور گاڑی چڑھائی چڑھ گئی۔ مدینہ منورہ میں حضرت جیؒ مسجدِ قبا میں کئی بار نوافل ادا کرنے کے لیے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ اِس کے علاوہ بے شمار واقعات دورانِ عمرہ پیش آئے لیکن وقت کی کمی کے باعث تحریر نہیں کر سکا۔ انشاء اللہ زندگی رہی تو پھر لکھوں گا۔

انصر اقبال (دارالعرفان)

انصر اقبال بہت چھوٹی عمر میں دارالعرفان آ گئے۔ انہیں حضرت جیؒ کے ساتھ شعبۂ زراعت اور مویشی فارم پہ مسلسل 17 سال کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں:

کہ مجھ کم علم میں اتنی استعداد نہیں کہ ان کی ذاتِ عالیہ پر کچھ لکھ سکوں۔ البتہ مبالغہ آرائی اور عقیدت سے ہٹ کر میں نے اس دور میں والدین سے بھی زیادہ شفیق اور چھوٹی چھوٹی ضروریات کی تکمیل کرنے والے پائے۔ آپؒ جب بھی کسی کام کے لیے فرماتے وہ کام مکمل ہونے تک بذریعہ ٹیلی فون اُس کام کے متعلق پوچھتے اور راہنمائی فرماتے۔ اگر دارالعرفان سے باہر کام ہوتا تو دارالعرفان واپس پہنچنے تک بار بار پوچھتے رہتے۔ کام جتنا بھی مشکل اور تھکا دینے والا ہوتا۔ آپؒ کا فون آنے پر الحمدللہ ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی اور کام آسانی سے مکمل ہو جاتا۔

آپؒ کی شفقت اتنی زیادہ ہے کہ ضبطِ تحریر میں نہیں آ سکتی۔ حضرت جیؒ بلاناغہ عصر کے بعد مویشی فارم پر آتے اور نمازِ مغرب کے بعد تک تشریف فرما رہتے۔ حضرت جیؒ مویشی فارم پہ تشریف لاتے تو اکثر مجھے فرماتے "انصر پینے کے لیے پانی لاؤ۔" میں دوڑ کر گھر سے پانی لے آتا۔ ایک دن آپؒ کی طبیعت ذرا ناساز تھی۔ آپؒ فرماتے ہیں "انصر پانی میں برف ڈالی ہے۔" میں نے عرض کی "نہیں حضرت جی گھڑے سے لے آیا ہوں میرے گھر میں فریج ہی نہیں۔" دو دن بعد حضرت جیؒ نے دارے پر بلوایا تو فرمایا یہ فریج گھر لے جاؤ۔

ایک دفعہ بیلوں کی دوڑ کے لیے بیلوں کی ورزش کروا رہے تھے۔ حضرت جیؒ بھی تشریف فرما تھے۔ میری اپنی غلطی سے ٹانگ ٹوٹ گئی۔ آپؒ نے اُسی وقت اپنے ڈاکٹر کو فون کیا کہ لڑکے کی ٹانگ کا علاج کرنا ہے۔ اس پر تجربے نہیں کرنے اور ساتھ ہی آپؒ کی آواز بھاری ہو گئی اور آنکھیں نم ہو گئیں۔ اُن کی توجہ سے میں نے الحمدللہ ٹانگ کے آپریشن کے دوسرے دن چلنا شروع کر دیا۔ میری ٹوٹی ٹانگ دوسری سے زیادہ مضبوط ہے۔ ہسپتال سے واپس آنے کے بعد میرے گھر بھی تشریف لائے۔ اُن کی شفقتیں اور محبتیں اتنی زیادہ ہیں کہ تحریر میں نہیں آ سکتیں۔ بچپن میں ایک فقرہ کہیں لکھا ہوا پڑھا تھا "پیر سیال لجپال" اُس کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ اب سمجھ آئی ہے۔ مولانا امیر محمد اکرم اعوان "لجپال"

اللہ کریم ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور مجھ ناچیز کو اُن کے درسے تادمِ واپسیں جوڑے رکھے۔"آمین"

حافظ طاہر محمود(ٹوبہ ٹیک سنگھ)

طاہر محمود تحصیل سمندری کے امیر ہیں وہ اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جن کے خاندان کو حضرت جیؒ کی خصوصی توجہ نصیب رہی۔اس ضمن میں حضرت جیؒ کے حوالے سے اپنی چند یادداشتیں بیان کرتے ہیں:

بچپن سے کہانیاں اور رسالے پڑھنے کا شوق تھا۔ایک دن گھر میں بڑے بھائی ڈاکٹر نصیر احمد کی وساطت سے المرشد پڑھنے کا موقع ملا۔حضرت جیؒ کی باتیں دل میں اتر گئیں۔پرانے المرشد اٹھا کر پڑھنے شروع کر دیے۔خاص طور پر سوال و جواب تو معلومات کا ایک نایاب خزانہ تھے۔الحمدللہ آج تک کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب حضرت جی نے پہلے سے ارشاد نہ فرمایا ہو۔حضرت جی کے بیانات سننے کا موقع ملا تو کیفیت ہی کچھ اور ہوگئی۔ایک بیان کئی کئی بار سن کر بھی دل نہ بھرتا۔آڈیو کیسٹس کا زمانہ تھا۔جمعہ کے بیان کی کیسٹ ہفتہ یا اتوار کو ملتی تو پہلی فرصت میں الاخوان کے دفتر جا کر سنتے۔ایسا محسوس ہوتا کہ حضرت جیؒ کے بیان کے ساتھ انوارات وکیفیات کا ایک پر سکون دریا بہہ رہا ہے۔اور سامع بھی اس دریا کی روانی کے ساتھ بہے جا رہا ہے۔پہلی دفعہ حضرت جیؒ کی خدمت میں مسجد کے ساتھ والے دفتر میں حاضری نصیب ہوئی۔دروازے کے ساتھ بیٹھا تھا۔پاس ہی ایک جوتا پڑا تھا۔جوتے کے سائز سے اندازہ لگایا کہ یہ یقیناً حضرت جی کا ہے۔میں نے انگلی سے جوتے کے اوپر والے حصے سے کچھ خاک لی اور قلب پر لگائی۔سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت جیؒ مجھے ہی دیکھ رہے ہیں۔وہ نظر دل میں اتر گئی اور پھر کبھی ان مبارک قدموں سے دور نہیں جا سکا۔

ہے سیمابؔ ذرا سی بات
مرنا جینا تیرے ساتھ
(سیمابؔ اویسی)

بچپن سے ہی دل کی بیماریوں نے راہ تک لی تھی ڈاکٹرز حضرات نے بھاگنے،سیڑھیاں چڑھنے اور رش والی جگہ پر جانے سے منع کر دیا تھا۔سلسلۂ عالیہ میں آتے ہی پی ٹی کلاس کو جوائن کر لیا۔بہت بھاگے،سیڑھیاں چھوڑ،پہاڑوں پر چڑھتے تھے۔جلسے،ریلیاں،جلوس سب اٹینڈ کیے۔ایک دن میں دس دس کلومیٹر بھاگے۔خوب ذکر کیا۔آج تک کبھی دل نے چوں تک نہیں کی یہ ڈاکٹرز کو بتائیں تو وہ یقین نہ کریں یہ سب ذکر الٰہی ہی کی برکات ہیں۔جو شیخ المکرم سے عطا ہوئیں۔

پی ٹی کلاس میں شمولیت کا موقع ملا تو حضرت جیؒ کی خدمت کی عظیم سعادت بھی مل گئی۔ایک دفعہ سیکیورٹی ڈیوٹی کے سلسلے میں دارالعرفان حاضری کا موقع ملا۔حضرت جیؒ لاہور دورے پر تھے۔کچھ دن گزر گئے ہماری ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی۔دعا کی کہ بارِ الٰہا کیا حضرت جیؒ کا دیدار نصیب نہ ہوگا۔دل پریشان تھا۔اگلے دن پتہ چلا کہ حضرت جیؒ دورہ مختصر کر کے واپس تشریف لا رہے ہیں۔عصر کی نماز کے بعد خلافِ توقع حضرت جیؒ کے آفس کا دروازہ کھلا اور حضرت جیؒ نے مسجد کو رونق بخشی۔مزے کی بات یہ کہ سب سے مصافحہ بھی کیا ہم جیسے گناہ گار بھی مصافحہ سے نوازے گئے۔

تیرا کرم بھی تیرا کرم ہے میری طلب بھی بڑھتی جائے
جس نے درد دیا ہے دل کو کاش وہ اِس کو اور بڑھائے
(سیمابؔ اویسی)

ایک دفعہ حضرت جیؒ ٹوبہ الاخوان کے جلسے کیلئے تشریف لائے۔فنِ خطابت پر حضرت قاسم فیوضاتؒ کو ایسا ملکہ حاصل تھا کہ لوگ دم بخود ہو کر تقریر سنتے سناٹا چھا جاتا حضرت جیؒ نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر کی۔شہر کے معروف مفتی سید محمد سلمان صاحب بھی سامع تھے۔اُنہوں نے حیران ہو کر پوچھا حضرت آپ نے تقریر کرنا کہاں سے سیکھا؟ آپؒ کے خطاب میں الفاظ وتراکیب کا استعمال،بے ساختگی،کھرا پن،پر اثر انداز،کیفیات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر،اور ادبی و علمی انداز نمایاں تھے۔

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

حضرت جیؒ کے ساتھ انٹرنیٹ پہ ذکر شروع کیا تو ذاتی زندگی کی اصلاح ہونا شروع ہوگئی۔ زندگی میں کئی بار ملک سے باہر جانے کے بے شمار مواقع میسر آئے مگر کبھی اُن سے فائدہ اُٹھانے کی خواہش پیدا نہ ہوئی کہ ہم جیسے گناہ گار، بدکار، سیاہ کار جب شیخ کے در پر حاضر ہوتے ہیں تو کم از کم توبہ کی توفیق تو نصیب ہو جاتی ہے اور زندگی از سرِ نو اتباعِ رسالت ﷺ کی طرف چل پڑتی ہے۔

میرے بڑے بھائی منیر احمد شاہد ایک دفعہ دارالعرفان مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لیے گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ دورانِ بیان میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یار میں تو بہت گناہ گار ہوں۔ میرا کیا بنے گا؟ اُسی لمحے حضرت جیؒ نے بیان میں فرمایا کہ "شیخ کی ایک نظر زندگی بھر کے گناہ معاف کروانے کے لیے کافی ہے۔"

ایک دفعہ حضرت جیؒ کے آفس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک صاحبِ مجاز بھی دفتر میں موجود تھے۔ میں اُن دنوں ایک گناہ کی طرف مائل تھا اور عجیب بات یہ ہوئی کہ حضرت جیؒ نے اُسی گناہ کے بارے میں اُن صاحبِ مجاز سے گفتگو شروع کر دی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، بہت ندامت ہوئی لیکن تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت ٹھیک ہوگئی۔ اُس کے بعد سے آج تک کبھی اس گناہ کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔

2001ء کی بات ہے کہ میری بڑی بہن جو راولپنڈی میں رہتی تھیں بہت بیمار تھیں۔ ہیپاٹائٹس سی کے ساتھ ساتھ دیگر عوارض بھی لاحق تھے۔ ایک دفعہ اینڈوسکوپی کروائی تو معدے کو کئی جگہ نقصان پہنچا۔ حالت بے حد تشویش ناک تھی۔ اُنہیں خون کی اُلٹیاں شروع ہو گئیں۔ خون اِس قدر نکل رہا تھا کہ ہاسپٹل والے وقفے وقفے سے خون سے بھرے پاٹ (Pot) تبدیل کرتے۔ ڈاکٹرز بالکل نا امید تھے۔ حضرت جیؒ سے عرض کیا گیا تو آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ اب ٹھیک ہونا تو مشکل ہے مگر ساتھ ہی چار تعویز عنایت فرمائے۔ جب تعویزوں کے بارے عرض کیا گیا تو فرمایا "زندگی دے جیہڑے چار ساہ ہیں سوکھے آ جن گے" (زندگی کے جو چار سانس ہیں وہ آرام سے آجائیں گے) اور اُس کے بعد وہ پورے چار سال تک زندہ رہیں اور ڈاکٹرز حیران تھے کہ وہ کیسے بچ گئیں۔ آپؒ نے چار سانسیں فرمایا تھا اور وہ پورے چار سال بعد اِس دارِ دنیا سے پردہ فرما گئیں۔

سن 2006ء میں میرے سب سے بڑے بھائی بشیر عابد جو کہ ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ میں ڈائریکٹر کے عُہدے پر کام کر رہے تھے کو اچانک Liver Cancer (جگر کا کینسر) تشخیص ہوا۔ ہم سب حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ کے پاس حاضرِ خدمت ہوئے۔ بڑے بھائی جان کو بیعت بھی نصیب ہوئی اور تعویز بھی عطا ہوئے اور فرمایا کہ "بیٹا سوئی نہ لگوانا"

(بائیوپسی نہ کروانا)۔ بھائی نے تعویزوں کا استعمال شروع کیا تو اُن کی طبیعت میں بہتری آگئی۔ ڈاکٹرز نے بائیوپسی (Biopsy) تجویز کی۔ بائیوپسی ایک ٹیسٹ ہے جس میں سوئی داخل کر کے متاثرہ جگہ کا ٹکڑا لیتے ہیں تاکہ علاج میں آسانی ہو۔ ہم نے منع کر دیا لیکن ڈاکٹرز نے اُس کے بغیر علاج کرنے سے انکار کر دیا۔ گھر میں دو رائے ہوگئیں کہ بائیوپسی کروانی ہے یا نہیں۔ ہم نے ڈاکٹرز کے پریشر میں آکر بائیوپسی کروالی۔ جس کے بعد بھائی جان کی حالت بگڑ گئی اور پھر سنبھل نہ سکی اور چند دنوں میں ہی اُن کا وصال ہوگیا۔ بعد میں حضرت جیؒ کی بات سمجھ میں آئی مگر دیر ہو چکی تھی۔ لیکن حضرت جیؒ کی دُعا سے بھائی جان کا سفرِ آخرت بخیر ہوا اور وہ اپنی منزل پا گئے۔

حضرت جیؒ کی بے پناہ شفقت و محبت کے سہارے ہم آج خود بھی ذکر کر رہے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی کروا رہے ہیں۔ حضرت جیؒ کی انتہائی شفقت کہ ہمیں فنافی الرسول ﷺ جیسی عظیم نعمت سے نواز دیا۔

حضرت جیؒ کے وصال نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا والدین کی وفات پر ایسا دکھ نہ ہوا تھا جو حضرت جیؒ کے اِس دارِ دنیا سے پردہ فرمانے پر

ہوا۔ پہلی دفعہ زندگی میں سمجھ آئی کہ دکھ سے رونا کیا ہوتا ہے۔

جب تیری یاد کا شعلہ کوئی دل سے لپکے
بن کے سیلاب وہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

(سیماب اویسیؔ)

زندگی کا بہترین وقت وہ تھا جو حضرت جیؒ کے ساتھ گزر گیا۔ لیکن حضرت جیؒ نے ہمیں بے یارومددگار نہیں چھوڑا بلکہ ایک ایسی ہستی کے دامن سے وابستہ کر دیا جن کے انداز سے لے کر اثرات تک کیفیات وہی ہیں جیسا کہ حضرت قاسم فیوضاتؒ خود ہوں۔ زندگی حضرت قاسم فیوضاتؒ کی خوبصورت یادوں کے سہارے ہی گزر رہی ہے۔ اب تو ایک ہی تمنا ہے کہ بقیہ زندگی حضرت جی قاسم فیوضاتؒ اور موجودہ شیخ مدظلہ العالی کے مشن کی انجام دہی میں گزر جائے آمین۔

وہ جو گیا تو یاد کو اپنی دل میں ہمارے چھوڑ گیا
کاش ہو طاقت یاد میں ایسی یاد ہی اُس کو واپس لائے

(سیماب اویسیؔ)

خیر القرون کے بعد حضرت قاسم فیوضاتؒ نے تاریخ تصوف میں پہلی دفعہ یہ مثال رقم کی کہ خواتین کو بھی فیوضات و برکاتِ نبوی ﷺ تقسیم کیں۔ ہزاروں خواتین کی اصلاح اور تربیت فرمائی۔ حتیٰ کہ گھریلو خواتین بھی فنا فی الرسولؐ اور فنا فی اللہ جیسی اعلیٰ منازل کی دولت سے سرفراز ہوئیں۔ "الاخوات" کے نام سے خواتین کی جماعت اپنی ذاتی اصلاح سے لے کر ملکی سطح تک نفاذِ اسلام کے لیے کوشاں ہے۔ جہاں ہر شہر میں مردوں کے ذکر کے حلقے قائم ہیں وہیں خواتین کے ذکر کے حلقے بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ حضرت قاسم فیوضاتؒ نے خواتین پر خصوصی شفقت فرماتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اُنہیں سلسلۂ عالیہ کی نسبت عطا کی بلکہ تصوف و سلوک کے اعلیٰ منازل کی طرف بھی اُن کی راہنمائی فرمائی۔ خواتین بھی حضرت جیؒ کی صحبت میں گزارے ہوئے قیمتی لمحات کا اثاثہ یادوں کی صورت میں رکھتی ہیں جن میں سے چند خواتین کی خوبصورت یادداشتیں قلمبند کی گئی ہیں۔

تیری یادوں کے دلنشیں میلے
وقت ایسا جیا نہیں میں نے

(سیمابؔ اویسی)

عفیفہ خان (لاہور)

شیخ سے محبت کرنے کے لیے مرید کو کسی بھی واقعہ یا چیز کے ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن کچھ واقعات ایسے ہو جاتے ہیں جو مزید عقیدت اور محبت کے بڑھنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ بہت دفعہ تو ایسے واقعات کا ظہور شیخ سے ملنے سے پہلے ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ سلسلے میں آنے اور حضرت جیؒ سے ملنے سے سال، دو سال پہلے سے کچھ ایسے واقعات اور خوابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہماری فیملی میں ایک صوفی بزرگ گزرے ہیں جن کا قد اندازاً 5'5 ہو گا۔ خوابوں میں شکل ہمیشہ ان کی ہوتی لیکن قد کاٹھ بہت اونچا لمبا ہوتا۔ جو سالوں بعد حضرت جیؒ کو دیکھ کر پتہ چلا کہ وہ بزرگ تو حضرت جیؒ تھے۔ یہ سب منجانب اللہ ہی ہوتا ہے، یہاں چند واقعات شیئر (share) کروں گی۔

شروع میں خواب میں دیکھتی تھی کہ ایک کھلا میدان ہے، کھیت ہی کھیت اور اُن پہ میلوں لمبی پتھروں کی دو ڈھائی فٹ اونچی دیوار ہے جس پہ حضرت جیؒ (تب میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہیں) تشریف رکھتے ہیں اور تھوڑا ہٹ کر میں بھی بیٹھی ہوں اور حضرت جیؒ قلب کی درستگی سے متعلق کچھ ہدایات فرما رہے ہیں۔ اُن بزرگ ہستی کا انتہائی رعب ہے اور میرے منہ سے چاہنے کے باوجود کچھ نہیں نکل رہا۔ سر ہلانے یا جی جی کہنے کے علاوہ اور کچھ response نہیں دیا جا رہا۔

پھر کچھ مزید خوابوں کے بعد اندازہ ہوا کہ میں انہیں سخت مزاج سمجھ رہی ہوں لیکن وہ تو انتہائی شفیق ہیں اور بہت محبت رکھنے والے ہیں۔ پھر یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ کسی وجہ سے انتہائی مصروف ہیں اور اُس طرح وقت نہیں دے سکتے جیسے ہمارا دل چاہتا ہے لیکن اُن کے دل میں ہمارے لیے بے حد خیر خواہی اور محبت ہے۔

کچھ وقت ان سب خوابوں اور کیفیات میں گزر گیا۔ پھر ایک دن اپنے گھر کی سٹڈی (Study) میں فرش پر ایک چھوٹا سا کتابچہ گرا ہوا ملا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ ہمارے سلسلے کا "لائحہ عمل" کا کتابچہ ہے۔ وہ میرے Study room میں کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ مجھے اِس کا علم نہیں ہے لیکن اُس وقت میں نے اُٹھا کر پڑھا اور سوچا کہ اس میں تو ساری باتیں بڑے صحیح عقائد کے ساتھ ہیں (تب لگتا تھا کہ دین کا اور عقائد کا بہت پتہ ہے، سلسلۂ عالیہ میں آنے کے بعد اپنی اوقات کا اندازہ ہوا)۔

کچھ عرصہ بعد ایک تقریب میں سلسلۂ عالیہ کی چند خواتین سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے حضرت جیؒ کے اور سلسلۂ عالیہ کے بارے میں کچھ تعارفی باتیں بتائیں۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ میں اُس سلسلے کے شیخ المکرم کے پاس بیعت کے لیے گئی ہوں جس جگہ ملنے گئی ہوں اُس جگہ کے اردگرد ایک سمندر ہے اور درمیان میں چھوٹی سی construction ہے۔ شیخ المکرم خود سجدے میں ہیں اور اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ بہت لمبے قد کاٹھ والے ہیں۔ وہ مسلسل سجدے میں ہیں۔ اُن کے پاس ایک چھوٹے قد اور چھوٹی ٹانگوں والا شخص کھڑا ہے جو چاہتا ہے کہ میں اس سے بیعت کر لوں۔ اس دوران آواز آتی ہے کہ اِس چھوٹے قد والے شخص سے بیعت نہیں کرنی، یہ چھوٹی پنسل ہے جو جلد گھس جائے گی۔"

کچھ عرصہ بعد حضرت جیؒ لاہور تشریف لائے اور اُنہی خواتین نے مجھے حضرت جیؒ کی آمد کے بارے بتایا حضرت جیؒ کی زیارت کی تو حیران رہ گئی کہ یہ تو وہی ہستی ہیں جن کی کچھ عرصہ سے خواب میں زیارت کر رہی تھی کیونکہ وہ اسی قد کاٹھ کے تھے۔ ایک دفعہ کچھ پرانی اور نئی خواتین کے ساتھ دارالعرفان میں حضرت جیؒ کے پاس آنے کا موقع ملا۔ حضرت جیؒ حق کی خاطر دوسروں سے نہ ڈرنے کی بات کر رہے تھے۔ اس دوران حضرت جیؒ نے فرمایا کہ "ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ کسی نے تو ایک سائنس دان سے ڈارون کی تھیوری کی بحث میں کہہ دیا تھا کہ اگر آپ کو اس تھیوری پر اتنا ہی یقین ہے تو ٹھیک ہے، پھر آپ کے great grandparents چمپنزی ہوں گے، میرے great grand-parents تو حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ ہیں۔' میں اِس جملے سے سناٹے میں آگئی کیونکہ 5 یا 7 سال پہلے میں نے یہ جملہ ایک سائنس دان کو جو ڈارون تھیوری کے درست ہونے پر بضد تھے، اور بلا وجہ بات کو طول دے رہے تھے، کو کہا تھا۔ میرے لیے حیرت بلکہ ششدر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ کیا ہماری اتنی چھوٹی چھوٹی اور اتنی پرانی باتیں بھی شیخ المکرمؒ کے علم میں آجاتی ہیں۔

کئی دفعہ لاہور سے کسی بات پہ اُلجھتے ہوئے چلتی تو ادارے میں حضرت جیؒ ملاقات پر کبھی تو اِس بات سے متعلق پوچھ لیتے کہ وہ کیا بات ہے؟ یا خود ہی کوئی ایسی بات فرما دیتے جس میں اس الجھن کا حل ہوتا۔

بیشک تمام تعلقات اور پہچان والوں میں سب سے خوبصورت تعلق اپنے شیخ المکرم سے ایک مضبوط تعلق اور نسبت رکھنا ہے۔ یہ ایسا تعلق ہے جس کے لیے ہر چیز قربان کرنا worth ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ہمیں ہمارے مشائخ کے قدموں میں رہنا نصیب فرمائیں آمین اور حضرت جیؒ پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے (آمین)۔

عجب شخص گزرا ہے اِس رہ گزر سے
سحر جیسی گردِ سفر دیکھتا ہوں

نصرت پروین۔ملتان

یہ غالباً 2011 کے اجتماع کی بات ہے۔ میں اڈے سے دارالعرفان پہنچی تو ایک انتہائی خطرناک کالے رنگ کا بچھو جو کہیں سے میرے بیگ میں آ گیا تھا، نے میرے پاؤں کے انگوٹھے پر کاٹ لیا۔ میرے ساتھ ایک ساتھی خاتون موجود تھیں۔ انہوں نے فوراً بچھو کو مار دیا۔ اِسی اثناء میں بچھو کے ڈنک کا زہر میرے پورے پاؤں پر پھیل گیا اور میرا پورا پاؤں کالا ہو گیا۔ میں انتہائی تکلیف کے عالم میں کراہ رہی

تی۔ ثمینہ باجی کو جب اِس واقعے کی اطلاع دی گئی انہوں نے حضرت جیؒ سے اِس کا تذکرہ فرمایا۔ آپؒ نے فرمایا کہ "مریض کو دم کیا ہوا نمک کھلاؤ اور متاثرہ جگہ پر بھی نمک لگاؤ۔" رات کے دو بجے تک میں تکلیف سے انتہائی بے چین رہی اور دم کیا ہوا نمک چاٹتی بھی رہی اور پاؤں پر لگاتی بھی رہی۔ اگلی صبح میں اُٹھی تو میری حیرت کی انتہا نہ تھی کہ میرا پاؤں بالکل ٹھیک تھا اور کسی قسم کا کوئی نشان باقی نہ تھا اور درد سے بھی مکمل آرام تھا۔ بعد میں کچھ خواتین نے مجھے مشورہ دیا کہ ڈاکٹر کو دکھا دو اور کوئی دوائی لے لو۔ لیکن میرے شیخ المکرمؒ کی یہ کرامت تھی کہ کسی بھی دوائی کے بغیر میں ٹھیک ہوگئی اور اِس قدر زہریلا بچھو مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

زاہدہ مظہر......(اسلام آباد)

اعلیٰ حضرتؒ کے وصال کے بعد قاسمِ فیوضات حضرت امیر محمد اکرم اعوانؒ جب پنڈی گھیپ میں تشریف لائے۔ اُس وقت ہمارے علاقے پنڈی گھیپ کے صاحبِ مجاز مختیار صاحب تھے اُنہی کے گھر آپؒ نے تشریف لانا تھا مگر کچھ گھر کی تعمیر کا کام اور کچھ شہر کے اندرونی علاقے کی وجہ سے اُنہوں (مختیار صاحب) نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ہمارے گھر تشریف لائیں کیونکہ ہمارا گھر شہر کے شروع میں کھلی مین روڈ پر واقع تھا۔ جب اُنہوں نے یہ بات ہماری والدہ اور بھائی سے کی تو اُنہوں نے بڑی خوشدلی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کہ حضرت جیؒ ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں حالانکہ ہم سلسلہ عالیہ میں نئے تھے اور ابھی عورتیں تو بیعت بھی نہیں ہوئی تھیں۔ مگر بڑے بھائی کے بتانے پر ہی ذکر جاری تھا اور آپؒ کو دیکھے بغیر ہی اُن سے محبت ہوگئی تھی۔ سب منتظر تھے۔ ہماری والدہ نے بڑی محبت سے گھر کی صفائی اور دیگر انتظامات کیے۔ مختلف سلسلہ عالیہ کی پرانی ساتھی خواتین کی کھانا پکانے پر ڈیوٹی لگی مگر کسٹرڈ بنانے کی ڈیوٹی مجھ کو دی گئی۔ میں اُس وقت سکول کی طالبہ تھی میں بہت ڈری ہوئی تھی کہ بھائی بتاتے تھے کہ حضرت جیؒ صاحبِ نظر ہیں اور مجھے یہ تھا کہ میں تو اتنی گناہ گار ہوں وہ میرے ہاتھ کا پکا ہوا کیونکر کھائیں گے۔ کیونکہ باقی خواتین پرانی ساتھی تھیں۔ خیر جب حضرت جیؒ تشریف لائے اور کھانا کھایا تو مجھے بھائی نے بتایا کہ حضرت جیؒ نے تو بہت شوق سے صرف کسٹرڈ ہی کھایا۔ یہ بات اُنؒ کی محبت اور مان رکھنے کی میرے دل پر نقش ہے۔

خیر حضرت جیؒ تشریف لائے، مرد و خواتین بیعت ہوئیں ہم گھر والے بھی سب بیعت ہوئے۔ حضرت جیؒ نے کھانا کھایا آرام کیا اور پھر تشریف لے گئے مگر یہ بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ اِس سارے واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اُنؒ کا ہمارے گھر تشریف لانا اس قدر بابرکت تھا کہ نہ صرف میرے والدین اور ہم سب بہن بھائی سلسلہ عالیہ سے منسلک ہیں بلکہ آگے ہمارے بچے بھی سلسلہ عالیہ میں دل و جاں سے شامل ہوئے۔

ہمارے علاقے کے بارے میں صاحبِ نظر لوگوں کا کہنا ہے کہ "یہاں کے لوگوں کے دل بڑے سخت ہیں۔' حقیقتاً یہ لوگ اولیاء اللہ سے بہت ہی کم عقیدت رکھتے ہیں بلکہ سخت مخالف ہیں مگر اس سب کے باوجود ہمیں اللہ کریم نے سلسلۂ عالیہ سے جوڑے رکھا یہ اُنہیں کے قدموں کی برکت ہے۔ ہماری والدہ صاحبہ مشکل سفر کے باوجود بڑے شوق سے دارالعرفان جاتی تھیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ ایک دفعہ وہ آپؒ کے گھر گئیں تو اُس دوران آپؒ اور اماں جی کے ساتھ اُنہیں مرشد آباد جانا نصیب ہوا۔ اسی طرح آپؒ اور اماں جی ایک بار عمرے پر تشریف لے گئے تو والدہ صاحبہ کو گھر میں بچوں کے پاس ٹھہرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

دُنیا کے معاملات میں جب بھی کوئی معاملہ پیش آیا تو حضرت جیؒ کو خط لکھتی اور جواب آیا یا نہ آیا میرا معاملہ حل ہوگیا۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ یوں بھی ہوا کہ اگر میں نے خط لکھا مگر اُسے پوسٹ نہ کر سکی تو بھی میرا معاملہ ٹھیک ہوگیا۔ ہمارے ایک کزن نشہ کرتے تھے اُنہیں ذکر سکھایا۔ جیسے جیسے اُنہوں نے ذکر کرنا شروع کیا، نشہ اُن سے چھوٹتا چلا گیا۔ میری چھوٹی بہن کی بیٹی کو برص کا مرض لاحق ہوگیا۔ اُس کے

چہرے اور گردن پر اچھے خاصے نشان بن گئے تھے وہ اُس کو لے کر قاسم فیوضات حضرت جیؒ کے پاس آئی۔ آپؒ نے ایک کریم دم کر کے دی اور فرمایا کہ یہ کوئی بیماری نہیں، اس کے رنگ بنانے والے سیلز نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اب یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ الحمدللہ اللہ کریم کا اتنا کرم ہوا کہ کچھ ہی عرصے بعد اُس کی بیماری ٹھیک ہونا شروع ہو گئی اور اب ماشاءاللہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکی ہے۔ ایک دفعہ مجھے بھی ڈاکٹر نے گردے میں پتھری بتائی اور کہا کہ فوراً لیزر کروائیں۔ میں حضرت جیؒ کے پاس آئی اور اُنہیں اپنے مسئلے کے بارے میں بتایا۔ آپؒ نے نقش دیے۔ نقش استعمال کرنے کے کچھ دن بعد دوبارہ رپورٹس آئیں تو رپورٹس بالکل ٹھیک آئیں اور سب صاف تھا مرض کا کوئی نشان نہ تھا۔ اللہ کریم کا بڑا احسان ہے جس نے ہمیں ایسی ہستی سے جوڑا جنہوں نے ہمیں واصل باللہ کر دیا۔ اللہ کریم سے دُعا ہے کہ سلسلۂ عالیہ سے وابستہ رکھے اور ہمیشہ ذکر کرنے کی توفیق ارزاں رکھے۔ آمین۔

ریحانہ یعقوب......(فیصل آباد)

اللہ کریم کا احسان ہے اور اُسکی مہربانی ہے کہ اُس نے مجھے حضرت جی قاسم فیوضاتؒ جیسے عظیم شیخ کی دولت سے نوازا آپؒ کے ساتھ کئی دفعہ عمرہ پر جانے کی سعادت بھی نصیب فرمائی۔

دسمبر سن 86ء کی بات ہے میں اپنے بیٹے طلحہ جو کہ اُس وقت نومولود تھا کو لے کر حضرت جیؒ کے ساتھ عمرہ پہ گئی۔ جماعت کے اور ساتھی بھی موجود تھے۔ ہم مسجد عائشہ گئے حضرت جیؒ نے فرمایا کہ یہاں سے احرام باندھو اور دو نفل ادا کرو۔ پھر ہم نے عمرہ کیا اور پھر آب زم زم پیا۔ جب سعی کی باری آئی تو طلحہ رونے لگ گیا میں اُسکو لے کر بیسمینٹ (Basement) میں چلی گئی۔ واپس آئی تو میرے سعی کے تین چکر رہ گئے تھے۔ اس عمرہ میں میرے ساتھ میرے اباجی، امی، میرا بھائی اظہر، حضرت جیؒ اور باقی ساتھی بھی تھے۔ تقریباً چونسٹھ ساتھی تھے۔ تو میں جب بیس مینٹ (Basement) سے واپس آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ صفاء کی پہاڑی پہ حضرت جیؒ کھڑے تھے اور حضرت جیؒ ایسے دیکھ رہے تھے کہ ایک آنکھ بھی نہ جھپک رہے تھے اور مجھے ایسے نظر آ رہا تھا کہ جیسے بیت اللہ شریف سے نور ٹکراتا ہے اور حضرت جیؒ کی دونوں آنکھوں سے ملتا ہے۔ بار بار نور آ اور جا رہا تھا۔ میں سامنے کھڑی دیکھتی رہی۔ میں کبھی اِدھر دیکھوں کبھی اُدھر دیکھوں اور پھر کبھی حضرت جیؒ کی طرف دیکھوں۔ میں نے پھر اپنے اباجی سے اِس واقعے کا تذکرہ کیا تو کہنے لگے کہ تم نے حضرت جیؒ سے پوچھ لینا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں اباجی! میری جرات نہیں ہوئی۔ اُس وقت تو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ عمرہ سے واپسی پر حضرت جیؒ نے الاخوان کا اعلان کیا اور فرمایا کہ مجھے بیت اللہ شریف سے مُہرِ نبوت ملی ہے اور وہاں سے مُہرِ نبوت ﷺ والا جھنڈا ملا ہے پھر یہ عقدہ سمجھ میں آیا۔

حضرت جیؒ نے خود اکرم التفاسیر میں اِس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے کہ:

"میں حرم بیت اللہ شریف میں حاضر تھا ہم طواف کے بعد سعی کر رہے تھے۔ صفا پر کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے دعا کی جاتی ہے جب دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو میں نے دیکھا حالانکہ آگے برآمدوں کی ڈاٹیں ہیں ستونوں کے درمیان سے بیت اللہ شریف کی کوئی جھلک نظر آ جاتی ہے۔ لیکن مشاہدات میں مادی چیزیں درمیان سے ہٹ جاتی ہیں۔ ایک نور کی تجلی جو بیت اللہ سے اُٹھی ایک شعلہ لپکا جس نے بابِ فتح پر، بابِ فتح وہ دروازہ ہے کہ جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا تو جس دروازے سے نبی اکرم ﷺ حرم میں داخل ہوئے تھے اس کا نام آج بھی باب الفتح ہے۔ باب الفتح کے اوپر جا کر وہ شعلہ جو چھوٹا سا لپکا تھا ایسے پھیلتا گیا کہ اُس کے اوپر جا کر پورا گلوب بن گیا۔ روئے زمین کا پورا نقشہ بن گیا اس پر، اور کسی پُرنور ہاتھ نے سبز جھنڈا لے کر اُس کے اوپر گاڑ دیا۔ جس کے اوپر مُہرِ نبوت ﷺ تھی، جھنڈے کے درمیان میں مُہر تھی جس پر لکھا ہوا تھا محمد رسول اللہ، میں نے اس سے یہ اخذ کیا، جھنڈا ہرا جھنڈا اور اس میں مُہرِ نبوت ﷺ، اس جھنڈے کو اُٹھا

کروئے زمین پر اسلام کی عظمت کو منوانے کا حکم دیا جا رہا ہے، یہ میری سمجھ تھی، اس کا شعور ربِ کریم نے مجھے دیا اور میں نے یہ سمجھا، میرا چونکہ یہ ذاتی مشاہدہ تھا اور صاحبِ کشف اپنے کشف کے ماننے کا مکلف ہوتا ہے جب کہ وہ حدودِ شریعہ کے اندر ہو کہ اگر حدودِ شریعہ سے متصادم ہو تو اتباع شریعت کا کیا جائے گا، اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسے مشاہدے میں غلطی لگی لیکن حدودِ شریعہ کے اندر ہی نہیں یہ زمانے کی ضرورت کے بھی مطابق تھا میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس دور میں ایسے لوگ جنہیں براہِ راست کوئی حکم دینا محمد رسول اللہ ﷺ پسند فرمالیں تاریخ ساز لوگ ہیں۔ وہ ایسے افراد ہوں گے کہ جنہیں بعد میں آنے والوں کی آنکھیں ترسا کریں گی کہ کاش اس بندے سے ملاقات ممکن ہوتی کاش یہ زمانہ ہم نے دیکھا ہوتا۔ یہ معمولی بات نہیں کہ اس دور کے کسی بندے کسی فرد کو محمد رسول اللہ ﷺ اتنا شرف بخشیں کہ انقلابِ زمانہ پر اس سے بات کرنا پسند فرمائیں۔"

حکیم محمد صادق صاحب مجاز (ٹوبہ ٹیک سنگھ) نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ میری لنگر پہ ڈیوٹی تھی تو رات کا کھانا حضرت جی قاسمِ فیوضاتؒ کے گھر سے بن کر آتا تھا۔ ایک دن عشاء کے وقت کھانا آیا تو اچانک سے مردوں سے بھری ہوئی ایک بس آگئی۔ تو میں نے حضرت جیؒ سے عرض کی کہ مردوں کی بس آئی ہے اور کھانا تو بہت تھوڑا ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا! محمد صادق! پتیلی کا ڈھکن پورا نہ اتارنا اس کو دوسری طرف کرلو جہاں کسی کی بھی نظر نہ پڑے اور ایک طرف ہو کر چپ کر کے سالن ڈالتے جاؤ۔ حکیم صاحب کہتے ہیں کہ اتنے بندے تھے اور سب کو دو دو آلو اور ایک ایک بوٹی دی اور سب کو کھانا پورا آگیا۔ ساتھیوں کے جانے کے بعد میں نے حضرت جیؒ سے کہا کہ حضرت جیؒ ماشاء اللہ کھانے میں اتنی برکت تھی حالانکہ دیکھنے میں تو اتنی سی پتیلی تھی لیکن سب نے پیٹ بھر کے کھانا کھالیا۔

دسمبر 86ء کے عمرہ پہ ہی جب اُحد کی پہاڑی پہ گئے تو وہاں حضرت جیؒ نے نشاندہی فرمائی اور آپؒ نے فرمایا کہ یہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی اور یہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک ہے تو اس سب کی حضرت جیؒ نے نشاندہی فرمائی تو ساتھی جن کو نظر آتا تھا (یعنی کشف تھا) وہ کہتے تھے کہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے حضرت جیؒ فرما رہے ہیں۔ حضرت جیؒ کے ساتھ گزارا ہوا وقت اب خواب سا محسوس ہوتا ہے۔ اللہ کریم کا بہت احسان ہے کہ اس نے حضرت جیؒ کے ساتھ جوڑے رکھا اللہ حضرت جیؒ کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔

قارئین! ساتھیوں کی لکھی گئی تحریریں اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ حضرت جیؒ کے دستِ شفقت نے ہر ایک کو اپنی آغوش میں لیا ہوا تھا۔ حضرت جیؒ جیسی ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں جو تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے آپؒ کا زمانہ پایا، آپؒ کے ساتھ وقت گزارا اور آپؒ کے حوالے سے خوبصورت یادیں اُن کے دامن سے جڑیں۔ یادوں کے دریچے سے کچھ ساتھیوں کی یادوں کو ہی تحریر میں لایا جا سکا ہے وگرنہ ہر عاشق کے سینے میں حضرت قاسمِ فیوضاتؒ کے حوالے سے اتنی خوبصورت یادیں اور باتیں ہیں کہ شاید ضخیم کتابوں کا ایک وسیع ذخیرہ بن جائے۔ حضرت جیؒ کی یادیں ایک ایسا ناپیدا کنار سمندر لگ رہی ہیں کہ جس کی گہرائی سے موتی نکالتے صدیاں بیت جائیں مگر نہ گہرائی ہاتھ آئے اور نہ موتیوں کا ذخیرہ کبھی کم ہو۔

میں یہ بات قارئین پہ واضح کر دوں کہ یادوں کے اس مجموعے میں آپ کو کہیں بھی مبالغہ آمیزی نظر نہیں آئے گی۔ واقعات جس طرح پیش آئے اور احبابِ سلسلہ نے جیسے بتائے اُسی طرح میں نے لکھ دیئے ہیں۔ زیبِ داستاں کے لیے اِس میں رنگ نہیں بھرے گئے۔

قارئین! شیخ کی باتیں، شیخ کی یادیں لکھنا جہاں باعثِ سعادت ہے وہاں امرِ محال بھی ہے۔ اگر اس کاوش میں کوئی کمی یا کوتاہی ہے تو یقیناً میری کم علمی، کم فہمی اور کم مائیگی کی وجہ سے ہے۔ گزارش ہے کہ قارئین! اس سے صرفِ نظر فرمائیں گے۔ اللہ کریم اس سعی کو اپنی

بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور اِسے سالکین اور عامۃ المسلمین کے لیے اصلاح کا سبب بنائے اور حضرت جیؒ پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے (آمین)۔

بیتے ہوئے لمحات نہیں آتے پلٹ کر
لیکن بسے ہیں آنکھ میں سارے ہی سمٹ کر
ملنا تو مسرت کی علامت ہے جہاں میں
دل یاد سے ملتا ہے تو روتا ہے لپٹ کر
آؤ تو کبھی تم کو بھی دکھلا دوں سکوں میں
آباد ہے سینے میں جہاں ایک سمٹ کر

(سیماب اویسی)

بقیہ صفحہ 123 سے آگے

پھر فرمایا کہ اللہ کی عطا سے یہ میری اپنی گاڑی ہے اور یہ مریدین سے نہیں لی ہوئی۔ اگر میں اس کے پیسے غریبوں کو دے دیتا تو چند لوگوں کی مدد ہو جاتی اور یہ دین کا کام رُک جاتا۔

ایک دفعہ ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمانے لگے کہ سادگی اور جہالت میں فرق ہوتا ہے۔ ایک سادگی ہوتی ہے ایک جہالت۔ میں نے ایک دورہ پر صبح کی نماز مسجد میں ادا کی تو وہاں پر ایک شخص نے مجھے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ دعوت قبول فرماتے تھے آپ بھی میری دعوت قبول فرمائیں اور یہیں تشریف رکھیں۔ میں ناشتہ لے کر آتا ہوں۔ میں نے کہا میزبان نے تو ناشتہ بنایا ہوا ہے آپ بھی لے آئیں، آپ سے ناشتہ کر لیتے ہیں۔ وہ شخص گیا اور جب واپس آیا تو مسجد کے لوٹے میں چائے لی ہوئی تھی اور سر کے رومال میں کیک رس رکھے ہوئے تھے اور ان پر مکھیوں کی آلائش لگی ہوئی تھی۔ تو میں نے عرض کیا کہ میں ابھی اتنا نیک (سادہ) نہیں ہوا کہ ایسا ناشتہ کروں۔ پھر فرمایا سادگی اچھی چیز ہے لیکن اس میں صفائی اور پاکیزگی کا خیال ضرور رکھا جانا چاہیے۔ کھانا بھلے سادہ ہو لیکن صاف ستھرا اور طیب ہونا چاہیے۔

ڈیرہ غازی خان کے ایک دورے کے موقع پر ایک جگہ صبح کا درسِ قرآن تھا تو وہاں راستے میں ایک قبر تھی جو ایک سلسلۂ ذاکرین کے مشائخ میں سے تھے۔ انہوں (صاحب قبر) نے راقم کو فرمایا کہ حضرت جیؒ سے عرض کریں مجھے فیض سے نواز دیں تو میں نے حضرت جیؒ کو ان کی عرض پیش کی۔ تو حضرت جیؒ ان کی قبر پر رُک گئے اور انہیں مراقبات سے مشرف فرمایا یہ اس سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے مشائخ کی خصوصیات میں سے ہے کہ روحانی طریقہ سے صاحب قبر سے فیض لے بھی سکتے ہیں اور فیض دے بھی سکتے ہیں۔

تنظیم الاخوان کی نئی نئی بنیاد رکھی گئی تھی اور حضرت جی قاسم فیوضاتؒ کا دورہ ڈیرہ غازی خان ہوا۔ اس وقت یہ بحث چل رہی تھی کہ کیا اسلام جدید ٹیکنالوجی کے حصول میں رکاوٹ ہے؟ تو حضرت جیؒ نے اس موضوع پر بہت خوبصورت بیان فرمایا جس کا پمفلٹ ''اسلام اور جدید ٹیکنالوجی'' کے عنوان سے پرنٹ کیا گیا۔

اسلام اور تصوف پر ہی نہیں جدید علوم پہ بھی آپؒ کی نگاہ بہت گہری تھی۔ آپ خوب جانتے تھے کہ

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اسی لیے تو آپ کے بیانات نئی نسل کے لیے بھی بے حد کشش رکھتے اور جو کوئی آپ کی محفل میں آجاتا، آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ اللہ کریم آپؒ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

بنامِ شیخ

انجینئر عبدالرزاق اویسی

سلام اے منبعِ رحمت، سلام اے ماہِ عرفانی
وفورِ کیف میں بھی نہ کہا ما اعظم شانی
تیری ہر بات باعظمت، ترا ہر قول لاثانی
چمکتی ہے ضیائے معرفت سے تیری پیشانی
شبستانِ ولایت میں تُو ہے اک شمعِ نورانی
جو ظلمت میں گھرے تھے اُن کو بخشا ذوقِ وجدانی
مئے توحید مل جائے بقدرِ ظرفِ امکانی
جہان رنگ و بُو میں آج ہے تیری جہانبانی
"تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طُولانی"

بقیہ صفحہ نمبر 64 سے آگے

مسلمانوں کے ہیروز، فرقہ واریت واتحادِ امت، توہینِ رسالت، نام نہاد دانشوروں کی اسلام کشی اور بیحیائی کی مہم، چادر اور چاردیواری کا تحفظ، ویسٹرن سوسائٹی اور اُس کے اچھے برے پہلو، جشنِ آزادی اور روشن خیالی کی حقیقت، مکالمہ بین المذاہب کی اصلیت، کردار کی نحوست اور ماحولیات، نئی نسل، انٹرنیٹ اور موبائل، نئے شہر آباد کرنا، بڑھتی ہوئی آبادی کی حقیقت، جنات کی حقیقت، ڈپریشن اور سٹریس، استحکام پاکستان، احتجاج کا صحیح اور غلط طریقہ، حقیقی جہاد، غزوۃ الہند، افغان جہاد، جیسے اہم موضوعات بھی آپؒ کی تحریر وتقریر کا حصہ ہیں۔

الغرض! حضرت جیؒ ایک منفرد اور نابغۂ روزگار شخصیت کے مالک ہیں۔ آپؒ نہ صرف ایک عظیم صوفی، شاعر، متکلم، ماہر مفسر ومترجم، بلکہ صحافی ومضمون نگار، کامیاب بزنس مین، محنتی کاشتکار، گھڑسوار اور شترسوار، ماہر نشانہ باز، حاذق طبیب اور مسلمانوں کی تاریخ کے بہت ہی عظیم صوفی ہیں۔ علاوہ ازیں متعدد کتابوں اور سفر ناموں کے مصنف، عظیم لائبریری کے مالک، علمِ لدنی کے حامل، لاتعداد اقوال کے موجد، ہزاروں سوالات کے تسلی بخش جوابات دینے والے باکمال انسان تھے۔ آپؒ کی شخصیت کا ایک انوکھا پہلو یہ بھی ہے کہ آپؒ نے خوبصورت مویشی اور چرند پرند پالے، نوادرات اکٹھے کیے اور ایک خوبصورت عجائب گھر بنایا۔ علیٰ ھذا القیاس اس کے علاوہ کتنے ہی اور پہلو ہیں حضرت جیؒ کی شخصیت کے جو انشاءاللہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے سامنے آئیں گے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ تادمِ واپسیں سلسلہ عالیہ سے جوڑے رکھے اور خاتمہ بالایمان نصیب فرمائے (آمین)

MY KNOWLEDGE WEAPON SIQARAH

صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ

مسلسل دس سال تک راولپنڈی بورڈ میں پوزیشن لینے والا ادارہ

خوشخبری! بوائز کے لیے صقارہ میں ٹیلنٹ ٹیسٹ کا آغاز

داخلہ برائے: 6th, 7th, 8th, Pre 9th

رجسٹریشن کی تاریخ	20 نومبر سے 31 دسمبر 2019
ٹیسٹ کی تاریخ	4 جنوری 2020ء بروز ہفتہ

نمایاں خصوصیات

- اعلیٰ کوالیفائیڈ اسٹاف
- تعلیم کے ساتھ فزیکل ٹریننگ
- ISSB کے لیے خصوصی تیاری
- جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کشادہ کیمپس
- اسلامی شعار کی مکمل پابندی
- ہاسٹل کا بہترین انتظام
- اساتذہ کی زیر نگرانی پریپ
- تعلیم بذریعہ ملٹی میڈیا

داخلہ فارم برائے ٹیسٹ مبلغ -/300 روپے کالج ہذا سے وصول کریں رجسٹریشن بذریعہ فون اور ای میل بھی ہو سکتی ہے

نوٹ: ٹیسٹ صبح 10 بجے صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ میں منعقد ہوگا۔ امیدوار طلبا کا ٹیسٹ سے ایک گھنٹہ پہلے امتحانی سینٹر پہنچنا ضروری ہے۔ ٹیسٹ ریاضی، اردو اور انگریزی کے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے مضامین پر مشتمل ہوگا۔

انٹرویو کے لیے بذریعہ ٹیلی فون مطلع کیا جائے گا۔

Mob:0333-0559972, 0341-6782142, 0332-8384222, 0543-562222

Email: siqarahsciencecollege@gmail.com

صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ چکوال

travelling on obscure tracts, heading in unrecognised directions in the dark of the night, with an unknown stranger as our driver.

I firmly believe that Allah Kareem in His Infinite benevolence granted me the opportunity to meet my Shaikh ul Mukarram, my Hadhrat Ji (RUA), for a second time to receive his Dua and Tawajjuh before he left this ephemeral world for his blessed abode in Barzakh. I was in Karachi and was just about to leave for Dubai, when I received the message that Hadhrat Ji(RUA) was no longer with us. It was very difficult to believe the news. Hadhrat Ji (RUA) was a worthy of the Silsilah. All the Ahbab felt the pain of this irreversible loss. But Hadhrat Ji (RUA) did not leave us orphaned, rather, he left the Grand Silsilah and the Ahbab in the strong and capable hands of his son, the successor Shaikh chosen by the Masha'ikh, Shaikh ul Mukarram, Hadhrat Ameer Abdul Qadeer Awan MZA. Someone who has learnt Tasawwuf and Sulook, from childhood and from someone who is an institute within himself ------ His Eminence Hadhrat Maulana Allah Yar Khan (RUA) and his blessed Father, Hadhrat Muhammad Akram Awan (RUA) ; Hence, Masha Allah the Silsilah continues to be as strong and secure as ever, and it will In Shaa Allah continue till Qiyamah as has been predicted by Hadhrat Allah Yar Khan (RUA).

May Allah Kareem's blessings continue to shower on the Masha'ikh of our Silsilah for an eternity. Ameen.

Continued from Page No.167

but left us in the hands of someone so special; one who is not just a Sheikh but is also from his bloodline and a part of him, his son. Although, Hazrat Ji (RUA) knew the burden this responsibility, but at the same time, realizing our utmost need; he placed this huge burden on the shoulders of his son. My feelings for my present Sheikh, are the same of 'What a Great Sheikh', plus he is even dearer as he is a very precious gift from Hazrat Ji (RUA) to us. This tribute to him is like a drop in the ocean, it cannot do justice to his extraordinary personality. A personality with such innumerable facets, that if I try to describe them all, one lifetime will never be enough. To sum it up, all I can say is that he was an ocean of love who engulfed us all or rather the entire humanity around.

not only my Honourable Shaikh but also as my Spiritual Father. A couple of years ago, I received a shocking news that my husband was suffering from cancer and subsequently suffered the pain of losing him. I cherish the words of consolation Hadhrat Ji (RUA) wrote to me after my husband's death, but what held me together during this very difficult period was Hadhrat Ji's (RUA) advice to continue Zikr under all circumstances. Subhan Allah, by the blessings of Zikr and Hadhrat Ji's-(RUA) Duas, I stayed strong during his illness and it continues to be this way even now, years after he passed away.

My last meeting with my Honourable Shaikh was less than a fortnight before he left for his eternal abode in Barzakh. I was leaving for Dubai where I had relocated from Rome, and before leaving, I went to Dar ul Irfan on a day trip with a group of ladies to seek Faidh and Hadhrat Ji's-(RUA) Dua. We spent a long time in his presence, and he spoke to each one of us individually. Hadhrat Ji-(RUA) looked much weaker than the last time I met him. He expressed his concern over the inconvenience and loss being caused to the general public by the people who were staging the Dharna on a bypass of the motorway. Later that afternoon, during our return journey to Lahore, our van too got caught in the lockdown caused by the Dharna, and we got stranded at Bhera for many hours. The Idarah remained in constant touch with us and finally when there was no more hope of the motorway reopening, we were advised to turn back to Dar ul Irfan. Since we had already left the Kalar Kahar exit behind us, and were on the 'wrong' side of the motorway, the driver had the difficult task of reversing the van towards the exit in the face of cars flashing their headlights and coming towards us at full speed. By Allah Kareem's Grace and Mercy we managed to head back to Munara. We arrived at Dar ul Irfan late at night, and the following morning we presented ourselves before Hadhrat Ji (RUA) for a second time; he (RUA) was very concerned about us and advised us to remain there till it was safe to travel. That night at about 10 p.m. after learning that the Dharna had finally been called off, we set out for our homes a second time. We travelled throughout the night on remote village tracts to avoid the traffic jam on the motorway, we finally arrived in Lahore at the time of the Fajr Salah. It was only due to Hadhrat Ji's (RUA) Dua that we (eleven ladies) arrived at our homes safe and sound after

should do. When I went to collect the medicine, I discovered that the company had started dispensing the drug in tablet form instead! Miraculous things started happening once I decided not to make any compromise when it comes to my Deen.

Most of the Silsilah texts, undisputedly a treasure, a trove of spiritual knowledge and religious guidance, are in the Urdu language. As I began reading them, I realized what a wealth of knowledge our non-Urdu speakers were missing out on, and a desire took hold of me to translate these books into English. So that our foreign Ahbab can also benefit from the content of these books and also the young second and third generation Muslims living abroad, who are unfamiliar with the Urdu language. I wrote to Hadhrat Ji (RUA) stating my desire in an email and asked for his (RUA) permission and blessing. He granted me with the permission immediately, but it was then that I realised my mistake in being hasty and having written without evaluating my own capabilities. I was just a newcomer to Tasawwuf, I did not even know its terminology; my Urdu was in level with, or even lesser than, a student educated in English medium schools, and finally my English was not much to boast about either. Hastily, I wrote back to Hadhrat Ji (RUA) and placed my inadequacies and limitations before him, but he instructed me to continue writing and to also send him some pages from my translation. I had already begun to translate Hayat e Javidan, the biography of Hadhrat Allah Yar Khan (RUA) on my own, so I posted a few pages to him at Dar ul Irfan. Hadhrat Ji (RUA) then connected me with a senior member of the translating team, and so began my long and blessed association with the wonderful work of translating the Silsilah texts. Alhamdulillah, this process has been continuing without a break since then. This task could not have been accomplished without Hadhrat Ji's (RUA) special Tawajjuh and Dua. Of course, 'The Jewel in the Crown' of all our translations has undoubtedly been the translation of Hadhrat Ji's (RUA) 'Akram ut Tarajim'. It took almost six years to complete this blessed project. During the process of translation, Hadhrat Ji's (RUA) presence and Tawajjuh could be felt guiding me innumerable times.

ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ عطا............اللہ! اللہ!

I have so many fond memories of Hadhrat Ji (RUA) stretching over years. It suffices to say that Hadhrat Ji (RUA) was

with Shaikh ul Mukarram and recieving his blessed Tawajjah (Special attention) was that I became regular in offering my daily five-time Salah. Even when I was out of the house and it was time for Salah, I was always able to find a place to offer it. Although this was easier to do in Pakistan and Dubai, but even in Italy I only had to ask, and by Allah's Grace, a place, a corner, or a chair would be provided for my Salah. Previously, I used to feel shy to do so, but Hadhrat Ji's (RUA) Tawajjuh removed this weakness.

However, the most important change that took place was that the blessing of performing daily Zikr. It re-established my connection with our beloved Holy Prophet (SAWS). The desire to mould my life more in accordance with his (SAWS) Sunnah, began to grow. And as the connection strengthened, it led to an ease in doing the things I had previously assumed were impossible or difficult. Waking up for Tahajjad, making up for my missed Salah (Qaza e Umri), other Nawafil that our Illustrious Master (SAWS) performed. All began to be easily accommodated during the course of the 24-hour cycle. While I was in Rome, I had found a Qari Saab to teach me the Holy Quran online. But when I moved to Dubai, I wanted to learn from a Qari Sahib directly, face to face. I was told that not many teachers consented to come and give individual Quran lessons at home. Therefore, I would have to go and attend lessons at a Quranic institute. Again, I felt blessed when within a few days and completely out of the blue, I found a card under my door from a Qari Sahib who was looking for private students to teach at home. He has been my teacher since then and Alhamdulillah, I noticed a lot of improvement in me.

Numerous noticeable changes in my character and habits began appearing as well. I felt a disinclination to go out for entertainment, which had been a previous 'must' for me and my husband. I began to avoid eating out and started covering my head with a scarf. It became a habit to carefully scrutinise the ingredients of each item before buying them at the supermarket, and in the process, I readily gave up many of my previously favourite food items. Even medicines were double-checked for any forbidden or Haram ingredients. I remember that soon after my Bai'at I was prescribed some medicine which was dispensed in the form of gelatine capsules that was sourced from animal bones. I became worried as to what I

This is a memoir of my first meeting with Hadhrat Ji (RUA). After the meeting as I walked towards the car, I felt as if I was floating in the air. This feeling lasted on me for days. Both my preoccupations were dispelled when I returned to Rome. At the time, the format of the Paltalk Zikr had three components; an extract from Hadhrat Ji's (RUA) Bayan, followed by live Zikr conducted by Hadhrat Ji (RUA), and lastly a lecture about Tasawwuf by the admin; the brother who is in charge of the Our Sheikh room. These inspiring sessions regarding Zikr, Tasawwuf, the Silsilah, and other aspects of the Deen became a source of enlightenment for me.. By doing Zikr daily with Hadhrat Ji (RUA), by listening to his online Bayans of previous years, and through the emails that he (RUA) kindly allowed and encouraged me to send him, I never felt out of touch with Hadhrat Ji (RUA). To my surprise, my bookshelf was replete with almost every relevant book I needed on the Silsilah that my friend had thoughtfully supplied me with over the years. I began reading them one after the other, and my knowledge about Tasawwuf, the history of the Silsilah Aliyah and our Masha'ikh began to increse.

The immediate effect of my meeting Naqshbandia Owasiah. From that moment onwards, he was not just Faiqa's 'Peer Sahib' but he was also my 'Shaikh ul Mukarram, Hadhrat Ji' and I was his devotee! I don't recall ever feeling so ecstatic as I felt then. We had a chance to sit in Hadhrat Ji's (RUA) presence for a considerable time. I found him very easy to talk to and very knowledgeable on every subject. He also had a marvellous sense of humour. Before we took leave, I expressed the two preoccupations I had on my mind. First, as I was leaving Pakistan soon and would not be returning for a year at least. Would the gap in distance and time drift me away from him and the 'spirituality' I was seeking? Secondly, I had no knowledge about Tasawwuf or the Silsilah I had just joined, and since there were no other Silsilah members in Rome. Who would I learn from and who would answer my queries? Hadhrat Ji (RUA) did not seem overly concerned. He asked Faiqa to teach me how to perform Zikr and instructed me to join him daily for Zikr on Paltalk. As we stepped out, I paused by the office door, looking back at Hadhrat Ji (RUA) I tried to lock his image in my heart and mind. Never had I been so greatly inspired and affected by someone's personality and company that I felt reluctant to leave.

complete change. And without even setting eyes on my Shaikh, I was ready to take a Bai'at on his hand!

We were shown into Hadhrat Ji's (RUA) office which was empty at the time, and we were asked to sit down. After a few minutes the side door opened and a smiling Hadhrat Ji (RUA) walked in adjusting his Pagri. My heart stopped. I had never been in the presence of such an impressive personality and I felt immediately drawn to his magnetic charm. His imposing height added to his presence and dignity, his gaze was soft as well as piercing, and he had the most perfect and noble hands. In split of a second, I had recorded all this in my mind. There was nothing 'Peer-like' in his appearance that I had expected. He was immaculately dressed in Shalwar Kameez and his Pagri was of the whitest white. He smiled when Faiqa introduced me as the friend whom she had mentioned to him earlier; and his welcoming smile filled my heart with light and a sense of joy. I offered my Salam and presented my request for Bai'at. He (RUA) nodded kindly, but just then Hadhrat Ji's (RUA) personal attendant requested permission to admit two ladies, a mother and her very distraught daughter to the room. The daughter was possessed by a Jinn and her poor distressed mother had brought her to Hadhrat Ji-(RUA) as a last resort. Within a few minutes of my first meeting with Hadhrat Ji (RUA), I witnessed how he exorcized the Jinn from the young girl. Hadhrat Ji (RUA) asked her to sit near his desk and very calmly he kept looking at her. At first, she remained quiet but then she began to cry softly. Hadhrat Ji (RUA) kept a steady gaze on her, and I kept on watching; the crying increased intensely, and the girl gave a shriek and began sobbing loudly. Finally, her sobs subsided, she calmed down and became normal as if nothing had happened. Afterwards, Hadhrat Ji (RUA) spoke gently with both the ladies and instructed them to do Zikr constantly. And then they left. Later, I read many incidents about how Hadhrat Ji (RUA) had saved people possessed by Jinns through the power that Allah Kareem had bestowed upon him. But, witnessing it first-hand, on my very first attendance with Hadhrat Ji (RUA) left a lasting impact on me.

Finally, the momentous event of my life that I had been waiting for arrived, and I took Bai'at with my Honourable Shaikh (RUA). Hadhrat Ji (RUA) held one end of a shawl, while I held the other end and he admitted me to the Silsilah

to Munara. It was a cold, crisp and sunny morning with a slight smoky smell of charcoal that lingered in the air throughout the plains of Punjab. The motorway was flanked on either side by flat green fields with alternating patches of golden yellow sarson (mustard), and richly endowed citrus orchards. By the time, the mountain range came in sight where the motorway leaves the plains and begins its steep climb towards Kalar Kahar, I turned to Faiqa to finally get to know a little about her 'Peer Sahib' and her Silsilah. "What is he like?", "who is he?", "what does the term Silsilah denote?", "what does it mean to belong to one?", I went on asking. I am ashamed to admit that all my questions were asked frivolously. Furthermore, when she mentioned the word 'Bai'at', I instinctively connected it to some strange ritual. What I am trying to explain here is that I did not know anything about the Silsilah in general and its Shaikh in particular. In fact, I did not even know what the word 'Shaikh' meant. I was half expecting to meet someone in flowing robes and dangling beads. My main purpose of setting out with my friend that morning was to get the time to reconnect with them, reminisce about the good times we had had together, have a pleasant outing and lunch on the picnic that had been so meticulously prepared for us. After the short preamble of the Silsilah, we both resumed our usual 'gup shup'.

About a kilometre or less away from Dar ul Irfan, an intense feeling overcame me. Perhaps, an inner voice which seemed more like a command said: 'You are leaving for Rome in a few days! Who knows when you will get a chance to come back? Do not waste this opportunity; make Bai'at with the Peer Sahib today'. And without thinking, I immediately announced: "Faiqa, I am going to make Bai'at with your Peer Sahib!" For a moment, I couldn't believe the words that came out my mouth, nor could my friend, who literally jumped out of her seat. As for Mobeen, he almost stopped the car! Later, Faiqa told me that she thought I was joking.

However, ten minutes later when I entered the gate of Dar ul Irfan for the first time, I was firm on my resolve to become a member of the Silsilah Naqshbandiah Owaisiah. All Praise belongs to Allah SWT Who holds His servant's heart between His Fingers and turns it in whichever direction He Pleases! Just a short while ago, I had been joking frivolously, my sole desire had been to spend a pleasant time with old friends, and suddenly the very next minute my feelings had undergone a

desire to tread a similar path stirred within me. But Alas! the feeling was short-lived, and eventually I concluded that my world and the world of 'Spirituality' were far off from one another. But, the Divine with His Infinite Knowledge, Wisdom and Mercy had willed otherwise. Slowly and gradually, things began to turn around.

Around this time, our old family friends in Rome: Mobeen and Faiqa, were transferred back to Lahore. Together, my friend Faiqa and I had been treading the same path; longing to be more devoted to our religion. However, not quite knowing it's what, how, and where. Her moving to Lahore was a step that eventually led her to seek the Light in Munara, while I remained in Rome shrouded in darkness of ignorance. She tried many times to persuade me to meet her Shaikh (spiritual teacher), but ever since my failed experience with spiritual self-education, I had become circumspect about Sufi doctrines, Peers and Saints. So, I politely declined her offer. Years passed in this obliviousness, and our meetings during my family's annual holidays to Lahore became less frequent and reduced to mere telephonic conversations. Despite all this, her keen insistence to meet her Shaikh at Dar ul Irfan never abated, while my resistance towards her remained firm. Sadly, the only excuse I would proffer time and again was that our busy 'social whirl' between family and friends in Lahore made it impossible to make time for a day trip to Dar ul Irfan. Thankfully, she never gave up trying, and upon each visit I made to Lahore she would load me with the books of the Silsilah. Books that I would take back and dutifully place alongside the other Sufi literature that was collecting dust on my bookshelves.

During one visit home, when we were a few days away from returning to Rome, just to please my friend, I finally capitulated to her request. It was quite late on a wintry night of December, when during a phone call she once again brought up the topic of paying a visit to her 'Peer Sahib'. I jokingly agreed, hoping that it proves difficult to obtain permission at that late hour from the Markaz for a visit the very next day. But within minutes she called me back to say that I should be ready for an early morning start the next day. The ease with which the permission had been granted took me by surprise! My husband who had shared my reserve in this whole matter, decided to remain in Lahore, while I made the initial visit on my own.

Next morning, I was picked up by my friend and her husband, and I set out with them on an expected pleasant drive

The Call of the Heart

Dr. Azra Haq

'Create the thirst, the water will come to you'. Maulana Rumi

Where do I begin to recount the story of my honourable benefactor who shook me out of my deep slumber and took me one step at a time, guarding me, guiding me, on the Path of Sulook? And how can I summarise years of his kindness and immense love, given so generously to me and my family, in these few pages? It was my privilege and my greatest luck to have been shown his door and to be one of his devotees. And I can never thank Allah Kareem enough for having blessed me with such an eminent Sufi Master.

My story starts a few years before I met my noble guide. We adopted Rome, Italy, as our permanent 'home' mainly because my husband found its business atmosphere quite favourable. At the same time, it's warm and congenial atmosphere suited the children and me. Along with a large group of other Pakistani expats, we endeavoured to create a 'mini Pakistan' within our homes to provide a religious and cultural grounding for our children. But, as I began raising my family, I realised that my own knowledge about Islam was quite limited. To rectify the lapse, I began to read and educate myself. The more I studied, the more I realised how incomplete my knowledge was and that there was yet another branch of ISLAM, Tasawwuf, whose nature I did not understand, nor did I know how to acquire it.

It was around that time when I started reading Sufi literature extensively, in hopes of acquiring this 'elusive knowledge'. But the more books I read on this subject, the more I failed to grasp their meaning. Somehow, I could not relate to anything in those books, and it resulted in me becoming not only more ignorant than before but confused as well. Then, on one trip to Lahore, I came across a copy of Qudrat Ullah Shabab's 'Shahab Nama'. It was very refreshing to read about the spiritual experiences of someone from our own era, rather than of the people of bygone times, and the

and I drove home with tears rolling down all the way. Later, analysing this whole scenario, I concluded that he must have some exceptional power of mesmerism. Hence, leaving me in a trance-like state; such that I was left unable to access or find faults. This conclusion led me to the decision of meeting him, yet again, to achieve my intended goal.

The second meeting finally came about, over a month later at a breakfast, where yet again I fell into the state of inexplicable tears. Casually asking everyone individually about their well-being, he turned to inquire the same from me, "And, how are you?" at which, I awkwardly responded almost in a submission that, "This is the state I am in!". Upon hearing this, he threw his head back and laughed as was his habit. He declared, "This is a good state". Thereafter, we engaged in collective Zikr-Allah with him, which instantly ignited a spiritual transformation within. The recognition and realization that we may never be blessed with this opportunity again brought about an urgency within me to do his Bayt and I urged my mother to do the same.

By the grace of Allah (SWT), it's been over twenty-five years now; I can never thank my Allah (SWT) enough for providing me with such a great spiritual teacher, who led me to feel the cognition of Allah (SWT). And eventually presenting me into the spiritual presence of our Beloved Prophet (SAW), whereupon the honour of his blessed Bayt was bestowed upon me. There are no words to express my gratitude to Hazrat Ji (RUA) as only his efforts and influence transformed not only my life but my entire existence, this in turn also led my husband and children to the Silsilah (Sufi Order).

Hazrat Ji (RUA) was always there, through thick and thin guiding and spiritually supporting us all along. My husband's death after a prolonged illness, even though a very tiring experience, was made easy by Hazrat Ji's (RUA) constant support and prayers. Whereby, my husband left this world, eagerly looking forward to reuniting with his Allah (SWT) and radiating a profound peace towards all he was leaving behind. The background that we came from and the confused state of religious beliefs that we upheld, before becoming his disciples and then attaining such an unbelievable end was an eye-opener for many.

The feelings that I have for my Hazrat Ji (RUA), can never be expressed in words, as Hazrat Ji (RUA) himself used to say, "There are no appropriate words, which can ever describe the true essence of one's emotions". What I know is that I always felt as being an exceptionally special disciple to him, although all the disciples felt the same way. This was because of his immense love for all of us, which instilled these feelings. However, I know for sure, 'I was very special to him'.

His love for us was so great, that he did not leave us lost and alone,

Remaining on Page No.158

What a Great Shaikh .... My Hazrat Jee رحمۃ اللہ علیہ

Khadeeja Raees

A towering personality, entering from the dining room into the drawing-room of Dr. Murtaza Malik's residence, Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan Sahab (RUA), made this bemusing remark that, "To have even a conversation with the Maulana Sahab it must entail the inclusion of a meal". This comment left me perplexed and I wondered, that he seems to be a Maulana Sahab himself yet strangely enough he made this remark.

Starting from the beginning, all my childhood I saw my father searching for a Pir (spiritual teacher) and we only came across people trying to portray themselves as such. This experience convinced me that although true Pirs must have been there in the past, however they were now history.

I was introduced to zikr pas-e-anfas (guarding every breath) through the efforts of a neighbour and an Indonesian lady from the Silsilah (Sufi-Order). 16th August 1994 was the first time I attended a halqa-e-Zikr. What attracted me to adopt this Zikr were the following two points. One being that if I do this form of Zikr-Allah twice a day regularly, it will bring a change within me and I will 'feel like' following the Quran. Secondly, I must bring my entire focus onto myself and give up finding faults in others, meaning I must focus on my shortcomings, as I am only accountable for myself. Upon doing zikr-Allah that day, I experienced a peace within me that I had never experienced ever before, and to date I carry that absolute peace deep inside. Worldly pressures come and go; they do emotionally jolt me, but never disturb the peace that resides within my heart.

A month later, I discovered a fact that shocked me; this Zikar Allah had connection with a silsalah and a Pir. The suggestion of meeting him upon his visit to Lahore was made. This was the reason of my visit to Dr. Murtaza's place as he had invited some Maulana Sahabs to meet Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan Sahab (RUA). I went to this meeting with an intention to discover and point out to my neighbour that there were no genuine spiritual teachers in the world currently and imposters are just emulating the role. Accordingly, I resolved to meet him, in order to find faults in his teachings and preaching. However, being in his presence for a short while, inexplicable tears began to flood my eyes

An extract from the English Translation of the Tafseer of Surah "Al Fatiha" written by exalted Shaikh Hazrat Mulana Ameer Muhammad Akram Awan (RUA) in his urdu Tafseer of Holy Quran "Asrar-AT-Tanzil".

⇒ Defining the Right Path

When it comes to this point where the supplications are to be granted, the suppliant further defines his request. This elaboration is not being made to explain anything to Allah SWT; rather, the suppliant is instructing himself when he is asking Allah SWT to guide him to' The Path of those on whom You bestowed blessings, other than the path of those on whom You sent wrath and nor of those (who went) astray.'

This can be best understood by the analogy that a person has a cup of milk and cup of deadly poison placed before him. The person who values life and also prays to Allah SWT for a long life will never choose the deadly poison, for if he did then he would be committing suicide while verbally asking for a long life because actions are more effective than words.

However, if he is truly interested in living then he will lift the cup of milk and say, O Allah! I will not go near this poison, please protect me from it and make this milk auspicious and wholesome for me,' this would then be a true accord between words and deeds. Similarly, when a suppliant says 'O Allah! Please guide me to the path of the Prophets AS, the Truthful, the Martyrs, and the Righteous', in other words, the suppliant is reminded himself to adopt the noble way of these exalted personalities to the best of his own capacity. The Righteous, the Martyrs, and the Truthful receive beneficence from the Prophet AS Who themselves receive it directly from Allah SWT.

Hence this is the path that establishes man's connection with Allah SWT. This connection is made with heart, as indeed, the heart is the ruler and the body is its domain which operates under its commands. The Love for the Sunnah of the Messenger (SAAWS) can be instilled in the hearts with Allah's Zikr. The heart can only be reined in by Zikr and that is why the Holy Quran has directly or indirectly enjoined the performance of Zikr Allah more than six hundred times. This is also the path of the Prophets AS and all the righteous ones, and this is what Tasawwuf is all about: that the heart becomes illuminated and every action is adorned with Diving Light.

If a person's heart does not accompany him on this path, then he is merely making a verbal claim, which cannot be trusted.

The unbelievers can be classified into two groups: Maghdoob (those who earns Allah wrath) and Dhaleen (those who go astray). The First category includes those who opposed Allah's Prophets AS in words and deeds and the Second category includes those who verbally claim to be obedient to the Prophets AS but in reality, oppose them in belief and practice. The Seeker must keep this definition in mind during his practical life; else he may actually be taking poison while praying for a long life.

فہرست کتب

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

شیخ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خانؒ

1۔ تعارف (اردو)	15.00
2۔ تعارف (انگلش)	20.00
3۔ دلائل السلوک (اردو)	250.00
4۔ دلائل السلوک (انگریزی)	250.00
5۔ حیات النبی ﷺ	30.00
6۔ حیات برزخیہ (اردو)	200.00
7۔ حیات برزخیہ (انگریزی)	40.00
8۔ اسرار الحرمین	80.00
9۔ علم و عرفان (اردو)	25.00
10۔ علم و عرفان (انگریزی)	25.00
11۔ عقائد و کمالات علمائے دیوبند	50.00
12۔ سیف اویسیہ	40.00
13۔ تفسیر آیات اربعہ	25.00
14۔ الدین الخالص	200.00
15۔ ایمان بالقرآن	80.00
16۔ تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	200.00
17۔ تحقیق حلال و حرام	40.00
18۔ شکست اعدائے حسینؓ	30.00
19۔ دامادِ علیؓ	20.00
20۔ بنات رسول ﷺ	15.00
21۔ الجمال و الکمال	40.00

ابوالاحمدینؒ

22۔ حیات طیبہ اول	600.00
23۔ حیات طیبہ دوم	500.00

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

1۔ اسرار التنزیل (اردو) تفسیر قرآن چھ جلدوں میں (فی سیٹ)	2100.00
2۔ اسرار التنزیل (انگلش) تفسیر قرآن پانچ جلدوں میں (فی سیٹ)	2000.00
3۔ اکرم التفاسیر تفسیر قرآن جلد اول تا جلد اکتیس (فی جلد)	380.00

1۔ غبار راہ اول	150.00
2۔ غبار راہ دوم	100.00
3۔ ارشاد السالکین اول	50.00
4۔ ارشاد السالکین دوم	30.00
5۔ لطائف اور تزکیہ نفس	15.00
6۔ دیار حبیب میں چند روز	40.00
7۔ نور و بشر کی حقیقت	20.00
8۔ کنز الطالبین	200.00
9۔ راہی کرب و بلا	20.00
10۔ رموز دل	50.00
11۔ حضرت امیر معاویہؓ	35.00
12۔ طریق نسبت اویسیہ	250.00
13۔ تعلیمات و برکات نبوت	200.00
14۔ خطبات امیر	120.00
15۔ کنوز دل	250.00
16۔ نقوش	500.00
17۔ درود و سلام	20.00
18۔ تصوف کیا ہے	20.00
19۔ شجرہ مبارک	20.00
20۔ محافل شیخ	200.00

پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحبؒ

1۔ انوار التنزیل	25.00
2۔ چراغ مصطفوی ﷺ	35.00
3۔ اطمینان قلب	60.00
4۔ تصوف و تعمیر سیرت (اردو)	60.00
5۔ تصوف و تعمیر سیرت (انگریزی)	120.00
6۔ کس لئے آئے تھے (اردو)	25.00
7۔ کس لئے آئے تھے (انگلش)	25.00
8۔ بزم انجم	40.00
9۔ عظمت صحابہؓ	10.00
10۔ ذکر اللہ (اردو)	15.00
11۔ لغزشیں	25.00
12۔ مغالطے	30.00
13۔ غور کریں	20.00
14۔ قرآن حکیم اور دعوت و تبلیغ	15.00
15۔ اللہ اور ہماری زندگی	40.00
16۔ والناس	10.00
17۔ خدایا ایں کرم بار دگر کن	40.00
18۔ تصوف کی پہلی کتاب	50.00
19۔ تصوف کی دوسری کتاب	70.00
20۔ تصوف برائے انٹرمیڈیٹ	100.00
21۔ دین و دانش	25.00
22۔ اسلامی تہوار	10.00

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

1۔ ہشت روزہ کورس	200.00
2۔ سہ ہفتہ کورس	300.00
3۔ پنج ہفتہ کورس	250.00
4۔ چشتین کرنیاں	30.00
5۔ اسلام اور تہذیب جدید (اردو)	120.00
8۔ اسلام اور تہذیب جدید (انگریزی)	120.00
7۔ طریق السلوک فی آداب الشیوخ	300.00

ملنے کا پتہ اویسیہ کتب خانہ، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور فون 04235182727-

شعبہ نشر و اشاعت دارالعرفان منارہ چکوال
Phone: +92543562200 Fax: +92543562198
E-mail: darulirfan@gmail.com web site: www.oursheikh.com

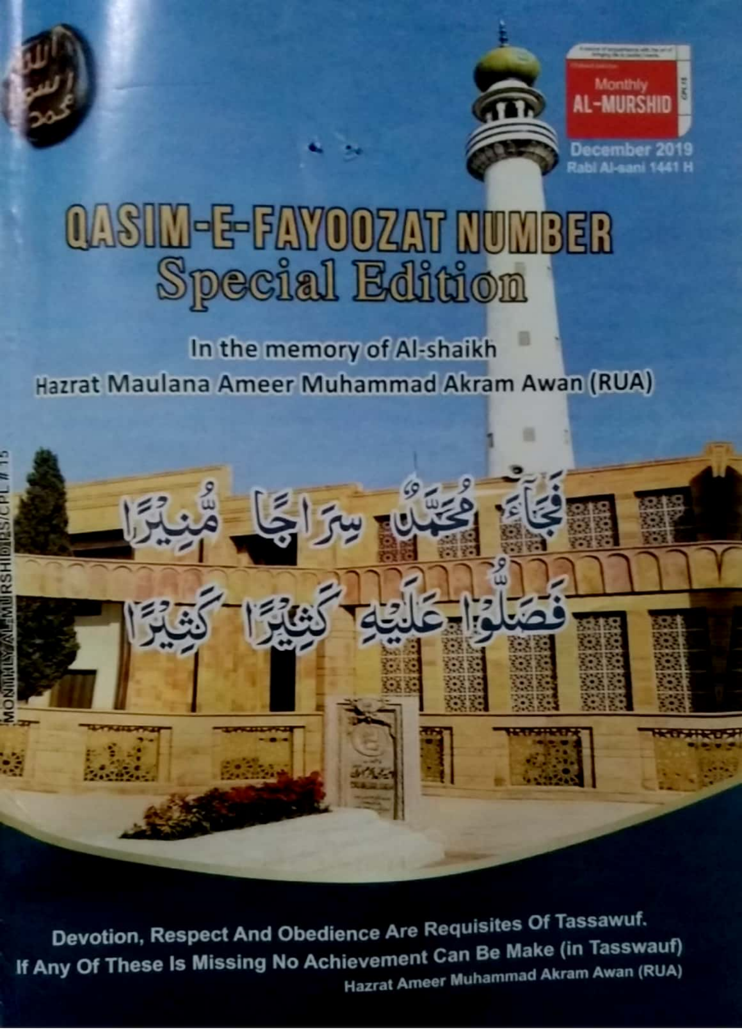
Monthly
AL-MURSHID
December 2019
Rabi Al-sani 1441 H
QASIM-E-FAYOOZAT NUMBER
Special Edition
In the memory of Al-shaikh
Hazrat Maulana Ameer Muhammad Akram Awan (RUA)
فَجَآءَ مُحَمَّدٌ سِرَاجًا مُّنِيرًا
فَصَلُّوا عَلَيْهِ كَثِيرًا كَثِيرًا
MONTHLY AL-MURSHID
Devotion, Respect And Obedience Are Requisites Of Tassawuf.
If Any Of These Is Missing No Achievement Can Be Make (in Tasswauf)
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan (RUA)

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراً سن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباً تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255